# کربلا کی کہانی

محمد لطیف

# پیش لفظ

از رشحات قلم جناب مونس حسین صاحب خواجہ

ہمارے خاندان کے بزرگ پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری جو اپنی عمر عزیز کی اکانوے منزلیں طے کر چکے
ں۔ ان کی زندگی کے عجیب مشاغل تھے۔ زندگی کا ابتدائی زمانہ تحصیل علوم دینیہ منقولات و معقولات اور
وم مغربیہ میں صرف ہوا جس کے ثمرات کو علوم مشرقیہ اور علوم مغربیہ کی استعداد سے نشر فرماتے رہے۔ تقریرات و
رات میں مذہب شیعہ اثنا عشریہ میں مذہب اسلام فرقہ شیعہ اثنا عشریہ کی نشر و اشاعت کی۔

؎ عمر گزری ہے ایسی دشت کی سیاحی میں

ساری عمر نشر علوم سرکار محمد و آلِ محمد ان کا شغف تھا۔ اور اس فریضہ کو وہ نہایت نزعل سے ادا
ماتے رہے۔ اُن کا طرزِ نگارش دورِ حاضر کی اہم ضروریات کو با حسن وجوہ پورا کرتا رہا۔ انہوں نے تاریخ
ن مجتبیٰ ایسے انداز میں لکھی کہ سرکار صلح و امن سرکارِ امام حسن علیہ السلام پر غیر مسلم معاندین اور اموی
ہنیت کے مسلمانوں نے جو ایجادات کر کے عداوت و عناد اہل بیت کا ثبوت دیا تھا۔ اُس کا شافی و
فی جواب دے کر مودتِ سرکارِ معصومین علیہم السلام کے فریضہ کو ادا کیا۔ اس زمانے میں جو دورِ پُرفتن
ے خلافتِ معاویہ و یزید جیسی کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور یہ اعلان کئے جا رہے ہیں کہ المیۂ کربلا جہاد نہیں
ما۔ اگر یہ جہاد ہوتا تو صحابۂ کرام اس میں حصہ لیتے۔ یہ بھی کہا جاتا کہ واقعۂ کربلا اپنی نوعیت میں اگر کوئی اہم
تعہ ہوتا تو قرآن مجید میں جو تبیاناً لکل شئی ہے۔ اس کا ذکر ہوتا۔ ہمارے بزرگِ خاندان نے اس فریضہ
اس وقت ادا کیا جبکہ وہ آٹھ سال سے فالج جیسے موذی و مہلک مرض میں مبتلا تھے۔ اسے سرکارِ احدیت
مذتعالےٰ عم نوالہٗ کا الطاف و افضال اور سرکارِ محمد و آلِ محمد کی تائید روحانی سمجھنا چاہیئے اور سرکارِ
قیۃ اللہ حجۃ حق قائم آلِ محمد کا اعجاز تصور کرنا چاہیئے۔ ورنہ فالج ایک ایسا موذی مرض ہے جس میں
اے ذہنیہ معطل ہو جاتے ہیں۔ اور حافظہ بیکار ہو جاتا ہے۔ مگر ان کے قوائے ذہنیہ اور قوتِ حافظہ

سرگرم عمل ہیں۔ انہوں نے اس علالت کے باوجود آٹھ سال کے عرصہ میں دیگر چند کتب بھی تحریر فرمائی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کی چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں جلدیں لکھ کر اس سلسلہ تاریخ کو مکمل کیا ہے۔ جبکہ پہلی تین جلدیں مکتبۂ رضا کار میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ جو کتابیں اس زمانہ میں تحریر فرمائیں وہ معارج العرفان فی عصمت ابی طالب عمران بن آیات القرآن، شہیدانِ فرات، خصائص ختم رُسل و آلہ الاطہار۔

محسنِ حقیقی کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے مجھے اس تالیفِ لطیف کربلا کی کہانی قرآن کی زبانی" کی طبع و اشاعت کے لئے موفق و مؤید فرمایا ہے۔ رب العزت اس خدمتِ دین کی جو آپ نے شدتِ مرض میں انجام دی ہے، انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس تصنیف منیف کو ان کے لئے سرمایۂ آخرت قرار دے۔

آپ متعدد کتب مفیدہ کے مصنف اور مؤلف ہیں جن میں سے چند کتب درج ذیل ہیں۔

۱۔ الارشاد والعزاء
۲۔ احراز العوائد و تشیید العقائد
۳۔ کشف الغطاء عن حقیقۃ الشیخیہ
۴۔ کشف الحیل عن مذاہب المخترعہ من الدُّوَل المغربیۃ
۵۔ کشف الغطاء عن مذہب الباب والبہاء
۶۔ دین و دنیا
۷۔ مولودِ کعبہ علی مرتضیٰ اور علوم جدیدہ
۸۔ سیرتِ سلمانِ محمدی
۹۔ بلاغتِ زینبیہ

مونس حسین خواجہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

# ترتیب

| نمبر شمار | آیت | صفحہ |
| --- | --- | --- |
| ۲۳ | شجرہ ملعونہ:۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا (سورہ بنی اسرائیل ایت ۵۹، ۶۰ پارہ ۱۵ رکوع ۶) منزل ۵ | ۱۰۰ |
| | بیعت یزید سے انکار | |
| ۲۴ | اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (سورہ انعام آیت ۱۱۶ پارہ ۸ رکوع ۱) | ۱۰۱ |
| ۲۵ | مِمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (سورہ نساء آیت ۱۲۵ پارہ ۵ رکوع ۱۵) | ۱۰۲ |
| ۲۶ | قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ سورہ بقرہ آیت ۲۴۷ پارہ ۲ رکوع ۱۶) | ۱۰۳ |
| ۲۷ | اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰي مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰھُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا (سورہ نساء آیت ۵۴ پارہ ۵ رکوع ۴) | ۱۰۵ |
| ۲۸ | وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (سورہ عنکبوت آیت ۲۷ پارہ ۲۰ رکوع ۱۵) | ۱۰۵ |
| ۲۹ | اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (سورہ انعام ایت ۱۱۶ پارہ ۸ رکوع ۱) منزل ۶ | ۱۱۱ |
| | ہجرت حسینی | |
| ۳۰ | وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُھَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ | ۱۱۷ |

| نمبر شمار | آیت | صفحہ |
|---|---|---|
| | ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (سورہ نساء آیت ۱۰۰ پارہ ۵ رکوع ۱۱) | ۱۱۷ |
| ۳۱ | اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ط قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ط قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ط فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۔ (سورہ نساء آیت ۹۷ پارہ ۵ رکوع ۱۱) | ۱۱۸ |
| ۳۲ | وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ط (سورہ النساء آیت ۹۹ پارہ ۵ رکوع ۱۱) | ۱۲۰ |
| ۳۳ | وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (سورہ النساء آیت ۱۰۰ پارہ ۵ رکوع ۱۱) | ۱۲۰ |
| ۳۴ | وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ سورہ دھر / تکویر آیت ۲۹ / ۲۱ پارہ ۲۹ / ۳۰ رکوع ۲۰ / ۱ | ۱۲۱ |
| ۳۵ | فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (سورہ القصص آیت ۲۱ پارہ ۲۰ رکوع ۵) | ۱۲۵ |
| | منزل ۷ ہجرت وابتلاء مصائب | ۱۲۶ |
| ۳۶ | فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (سورہ القصص آیت ۲۱ پارہ ۲۰ رکوع ۵) | ۱۲۶ |

| نمبر شمار | آیت | صفحہ |
|---|---|---|
| ۳۷ | وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (سورہ البقرہ آیت ۱۵۵ پارہ ۲ رکوع ۳) | ۱۲۶ |
| | **منزل ۸** | |
| | قتال اور محرم الحرام ۔ بنی امیہ اور جہاد حسینی | ۱۳۳ |
| ۳۸ | يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورہ البقرہ آیت ۲۱۷ پارہ ۲ رکوع ۱۱) | ۱۳۳ |
| ۳۹ | اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ (سورہ التوبہ پارہ ۱۰ رکوع ۱۱ آیت ۳۶) | ۱۳۴ |
| ۴۰ | اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى | |

| نمبر شمار | آیت | صفحہ |
|---|---|---|
| | لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۝ | |
| | وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (سورہ آل عمران آیت ۹۶-۹۷ پارہ ۴ رکوع ۱) | ۱۳۹ |
| ۴۱ | وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ | |
| | وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (سورہ بقرہ آیت ۱۲۵ پارہ ۱ رکوع ۱۵) | ۱۴۰ |
| | منزل ۹ | |
| | ترک جہاد اور زمانہ امام حسن علیہ السلام و وجوب جہاد اور زمانہ امام حسین علیہ السلام | ۱۴۶ |
| ۴۲ | اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ | |
| | وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ | |
| | مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا | |
| | رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ | |
| | قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ | |
| | خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ (پارہ ۵ رکوع ۸ سورہ نساء) | ۱۴۶ |
| ۴۳ | قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ | |
| | كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ (سورہ | |
| | آل عمران پارہ ۴ رکوع ۷ آیت ۶) | ۱۴۶ |
| ۴۴ | فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا | |
| | الْحَدِيْثِ اَسَفًا (سورہ الکہف آیت ۶ پارہ ۱۵ رکوع ۱۳) | ۱۵۳ |
| | منزل ۱۰ | |
| | استقامت حسین علیہ السلام اور نزول ملائکہ | ۱۶۲ |
| ۴۵ | اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ | |

| نمبر شمار | آیت | صفحہ |
| --- | --- | --- |
| | عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (سورہ فصلت حم السجدہ آیت ۲۸ پارہ ۲۴ رکوع ۱۸) | ۱۶۲ |
| ۴۶ | فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورہ یونس آیت ۸۸ پارہ ۱۱ رکوع ۱۴) | ۱۶۴ |
| ۴۷ | فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (سورہ ہود آیت ۱۱۱ پارہ ۱۲ رکوع ۱۰) | ۱۶۴ |
| ۴۸ | تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (سورہ القدر پارہ ۳۰ رکوع ۲۱) | ۱۶۵ |
| ۴۹ | وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (سورہ الانفال آیت ۶۶ پارہ ۱۰ رکوع ۵) | ۱۶۸ |
| | **منزل ۱۱** | |
| | قیام بلد الامین مکہ معظمہ اور دعوت اہالیان کوفہ، حسین علیہ السلام کا دلیرانہ تدبر | ۱۷۰ |
| ۵۰ | اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ (سورہ آل عمران آیت ۹۵-۹۶ پارہ ۴ رکوع ۱) | ۱۷۰ |
| | **منزل ۱۲** | |
| | مکہ معظمہ سے کربلا معلی تک سفر | ۱۸۹ |
| ۵۱ | لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ (آل عمران آیت ۱۵۴ پارہ ۴ رکوع ۷) | ۱۸۹ |

| نمبر شمار | آیت | صفحہ |
|---|---|---|
| ۷۵ | وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۶ پارہ ۱۵ رکوع ۲) | ۲۷۱ |
| ۷۶ | وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (سورہ اعراف پارہ ۸ آیت ۵۶ رکوع ۱۴) | ۲۷۳ |
| ۷۷ | فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ (سورہ محمد آیت ۲۳ پارہ ۲۶ رکوع ۷) | ۲۷۳ |
| ۷۸ | وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً (سورہ نساء آیت ۱۰۰ پارہ ۵ رکوع ۱۱) | ۲۸۱ |
| ۷۹ | وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ط وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ع (سورہ نساء آیت ۱۰۱ پارہ ۵ رکوع ۱۱) | ۲۸۱ |
| ۸۰ | الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ط (سورہ الحج آیت ۴۰ پارہ ۱۷ رکوع ۱۳) | ۲۸۱ |
| | منزل ۱۷ | |
| | جذبات و وجدانات: "جذبۂ غم، گریہ و زاری" | ۳۰۵ |
| ۸۱ | أَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا (پ ۲۷ ع آیت ۴۳، ۴۴ سورہ النجم | ۳۰۵ |
| ۸۲ | فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا | |

# فہرست مضامین

پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری ۱۰ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ
کو ماتم زنجیر زنی کے بعد یوم عاشور فوجداری روڈ
حیدرآباد (سندھ) پر جلوس عاشورہ میں عوام کو خطاب
فرما رہے ہیں۔ والد کا موضوع بیان اس تقریر میں یہ
ہے کہ المیۂ کربلا کے متعلق ہمارے افکار ہمارے اعمال
اور ہماری رسوم مبنی با قرآن ہیں۔

تمثال
قراۃ العین مؤلف
مونس حسین خواجہ
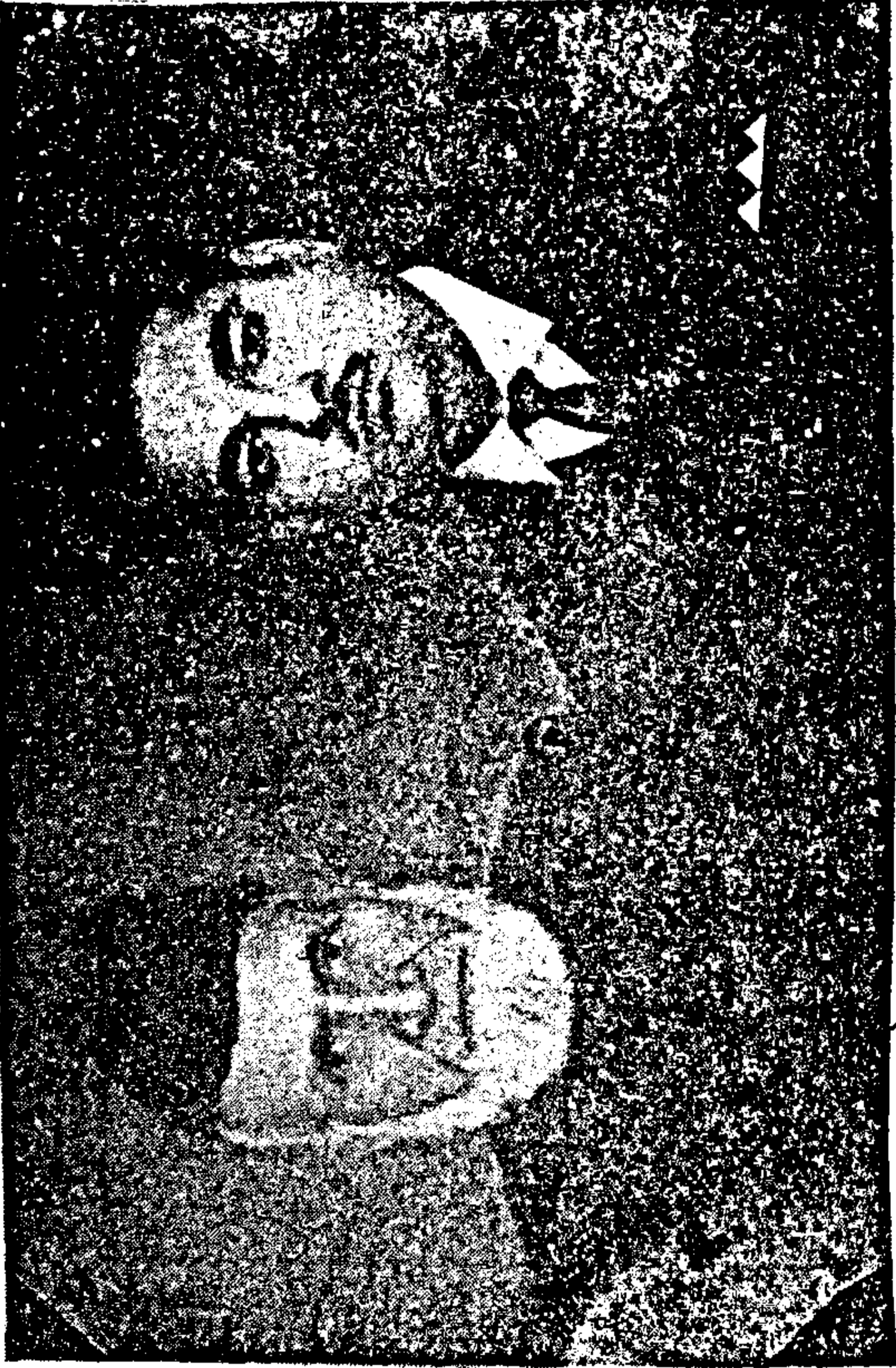
مؤلفِ کتاب
پروفیسر خواجہ محمد لطیف
انصاری

کربلا معلیٰ میں مفکر وخمیدہ پاکستان ڈسپنسری میں مجلس عزا پڑھ رہے ہیں ۔
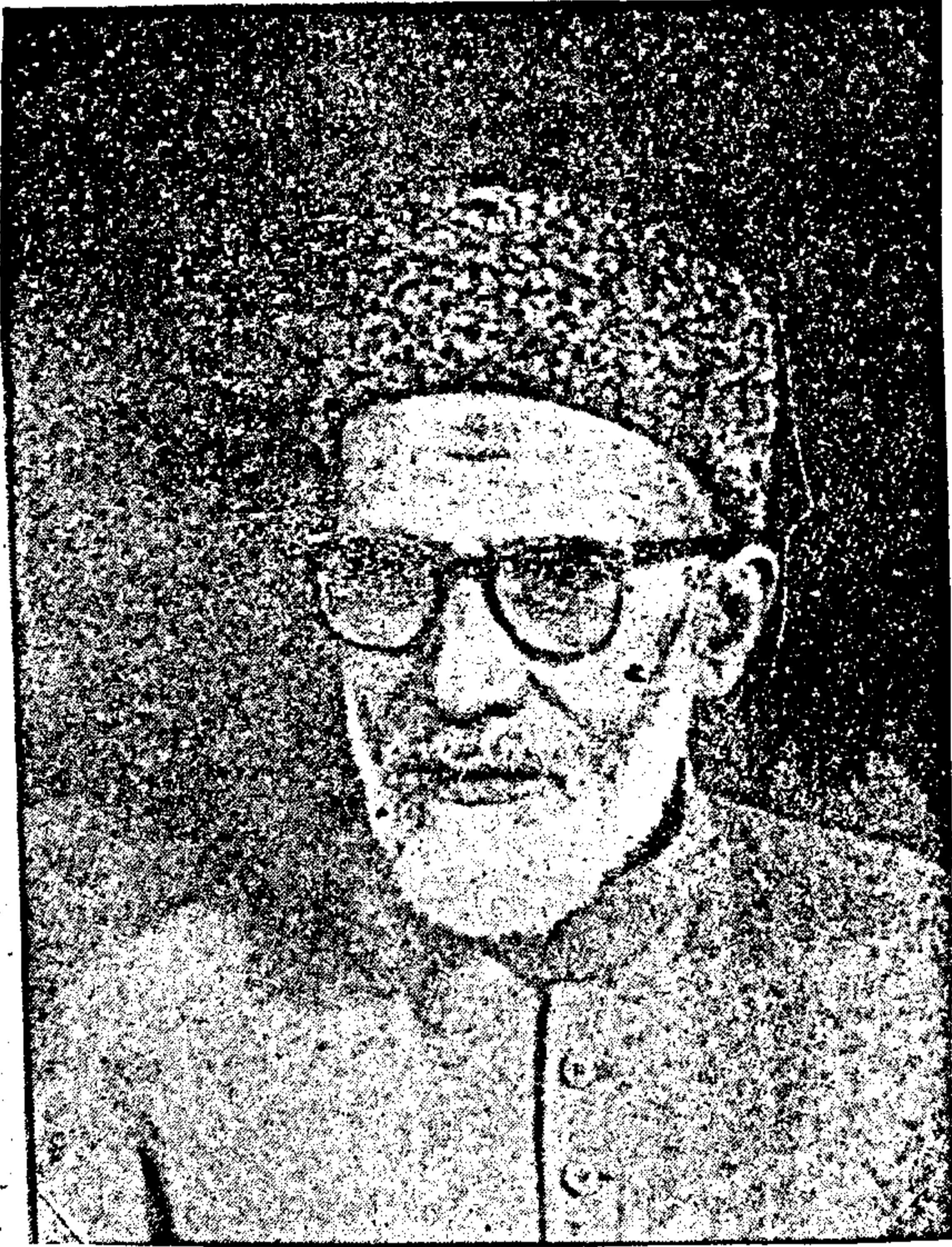
حالاتِ زندگی و تاثرات مفکرِ وحید پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری

مبلغ برِّ اعظم افریقہ

# ھو اللطیف الخبیر

ازقلم حقیقت رقم خواجہ حبیب رضا صاحب فرزند موئف

مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ

میرے والد محترم خواجہ محمد لطیف انصاری نے زمانے کی اشد ضرورت کے لحاظ سے تالیفِ لطیف کربلا کی کہانی قرآن کی زبانی لکھی ہے۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ وہ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ ان کی انتہائی تمنا تھی کہ یہ جلد سے جلد شائع ہو سکے۔ اُن کی اس تمنا کو میری خواہر عزیزہ خلیلہ زینب انصاریہ بی۔ اے اور اس کے رفیقِ زندگی مونس حسین خواجہ نے جامۂ عمل پہنایا جن کے لئے ہمارا خاندان نہایت شکر گزار ہے۔ اور دُعا کرتا ہے کہ ان کی تمنائیں بھی سرکارِ احدیت بحق محمد وآل محمد پوری فرمائے۔

ع این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

دعاگو

حبیب رضا خواجہ

باسمہ سبحانہ

# عرضِ مؤلّف

میں آٹھ برس سے مرض فالج میں مبتلا ہوں۔ لیکن شافی مطلق، رب العالمین کا افضال و احسان اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی نصرت خصوصاً سرکار حجۃ الحق قائم آل محمد علیہ السلام کی تائید میرے شامل حال رہی ہے کہ میرے قوائے ذہنیہ حسب سابق بدستور کام کرتے رہے ہیں، اور میرے حافظہ میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ ہاں عالم اسباب میں، میں اپنے مخلص، ہمدرد معالجین حضرات کا اعماق قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے میری صحت کو برقرار رکھنے میں پوری پوری توجہ فرمائی۔ جس کی وجہ سے اس قابل ہوا کہ میں تالیف و تصنیف اور تبلیغ و تقریر کے سلسلہ کو جاری رکھ سکوں۔ اِن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) جناب ڈاکٹر سید علی اختر ترمذی اعلیٰ اللہ مقامہ اور اُن کے فرزند ارجمند اور میرے محسن جناب حکیم سیّد خضر عباس ترمذی سند یافتہ طبیہ کالج لکھنؤ جنہوں نے ابتدائی حالات میں کئی سال میرا علاج کیا اور میری صحت کی پوری پوری حفاظت فرمائی۔

(۲) ناشر اذکار اہلبیت جناب ڈاکٹر الطاف حسین صاحب ہومیو پیتھ اور اُن کے فرزند جواں صالح ڈاکٹر افضال حسین صاحب ہومیو پیتھ لاہور جنہوں نے لاہور میں میرے دوران قیام میں میرا بہترین انداز سے علاج کیا

(۳) جناب پروفیسر سید عنائت حسین صاحب بخاری ہومیو سمن آباد جنہوں نے میرے علاج میں انتہائی دلچسپی لی اور مجھے صحت یاب رکھنے میں سعی جمیل فرمائی۔

(۴) میرے محسن جناب ڈاکٹر عابد حسین صاحب جعفری ہومیو پیتھ جنہوں نے کئی سال خالصاً

لوجہ اللہ میرا علاج کیا ہے۔ جس پر میرا کوئی خرچ نہیں ہوا۔ اللہ تعالےٰ بحق سرکار محمد وآلِ محمد علیہم السلام ان حضرات کو دنیا و آخرت میں اجر جزیل مرحمت فرمائے۔

زیرِ نظر کتاب کی تکمیل میں دارالعلوم محمدیہ سرگودھا کے دو فاضل طلبہ نے میری انتہائی مدد فرمائی ہے یہ دونوں میرے زمانہ پرنسپلی کی یادگار ہیں۔

فاضل جلیل مولانا نذر حسین ظفر مولوی فاضل لیکچرار دارالعلوم محمدیہ سرگودھا اور فاضل خلیق مولانا غلام حیدر مولوی فاضل خازن دارالعلوم محمدیہ سرگودھا میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اوّل الذکر نے اس کتاب کی ترتیب و تصحیح میں اور دوسرے بھائی نے اس کی نگارش میں میری معاونت فرمائی۔ جزاهما الله خير الجزاء

میں اپنے قدیمی دوست شاعر جلیل مداح سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام حبیب لبیب سید وزیر حسین شیرازی خوشنویس کا جو میرے اُس زمانے سے دوست ہیں۔ جبکہ میں امرتسر میں راجہ سانسی اور چمیاری ضلع امرتسر میں مولانا ماسٹر سید ذکریا حسن صاحب زیدی اعلی اللہ مقامہ کی رفاقت میں مجالسِ عزا اور فضائل و مناقب محمد وآلِ محمد کے متعلق تقاریر کیا کرتا تھا۔ مذکور الصدر نے اِس تالیف کی کتابت میں جو مدد فرمائی ہے وہ پیشہ ورانہ حیثیت سے نہیں تھی۔ اِس لئے میں اُن کا اور اُن کے فرزندان عزیز سید کلب عباس شیرازی اور سید افضل عباس شیرازی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خدا دنیا و آخرت میں انہیں ثواب جمیل عطا فرمائے۔

دعاگو

محمد لطیف انصاری

باسمہٖ تعالیٰ

# حالاتِ زندگی مؤلفِ کتاب

از قلم دختر نیک اختر مؤلفِ کتاب روضہ خوان سیدالشہداء و ذاکرہ اہلبیت اطہار خلیلہ زینب

**نام، کنیت، تخلص** میرے والد ماجد کا نام محمد لطیف کنیت ابوالفضل تخلص ابن عقیل۔ ابتداً میں تخلص محزون تھا۔ پھر نسبت پدری سے تبدیل کر کے ابنِ عقیل کر دیا۔ اِن کا سلسلۂ تلمذ ناخدائے سُخن میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ پر منتہی ہوتا ہے۔ نمونۂ کلام ہدیۂ قارئین کرام ہے۔

سرکارِ احدیت عزّ اسمہٗ سے خطاب

گنہگار بیچارہ ابن عقیل | تُرا در دو عالم بداند کفیل
بُود چوں جدم زِ انصارِ محمد مصطفیٰ | نام قائم بہ گردن ایں سگِ درگاہ را

شاعرِ شیریں مقال ملا حزیں اعلیٰ اللہ مقامہ کے ایک شعر سے تضمین

بارِ الٰہا پسندی کہ گلِ من در پاک | خشتِ دیوارِ غنا خانۂ اشرار شود
کربلا مدفن من ساز کہ تا | تربتِ مَن سجدہ گاہ ملک و سُبح ابرار شود

عرفی شیرازی کا ایک شعر ہے

زکاوش مہ از گور تا نجف بہ رسم | اگر بہ ہند ہلاکم کنی وگر بہ تتار

والد ماجد کو اِس شعر سے توارد خیال ہوا ہے۔

میرا ہے مرکز روح وادیٔ السلام نجف
اگرچہ تن سے جدا روح ہو بہ پاکستان

؎ علیؑ کا نام بھی نام خدا ہے | علیؑ کے نام پہ یوں جان فدا ہے
دل میرا مرکزِ وِلائے مرتضیٰ کا ہو گیا | اِس نیستاں میں گزر شبّیرِ خدا کا ہو گیا

یا علیؑ منہ سے کہا اور مشکلیں آسان ہوئیں — نام بھی مشکلکشا مشکل کشا کا ہو گیا
علیؑ ناطقِ نطقِ خیر الوریٰ ہے — لِسانِ محمدؐ لِسانِ علیؑ ہے
قائم آلِ محمدؐ کا ہے اعجازِ صریح — حافظ ہیں میرے آیا نہیں فالج سے خلل

**ولادت و مولد** محلہ شاہ ولایت اونچا ٹیلہ سہارنپور میں ۱۲ محرم الحرام ۱۳۰۵ھ کو ولادت ہوئی۔ اِن کی والدۂ ماجدہ کہا کرتی تھی کہ بیٹا تم ۱۲ محرم کو پیدا ہوئے مشیت الٰہیہ نے تمہارے لئے بارہ مہینے ہی محرم کر دیا ہے۔ کتنے خوش نصیب ہو بارہ مہینے مجلس عزا و پڑھ کر شاب ہوتے رہو۔

**خاندانی کوائف** اِن کا سلسلۂ نسب انصار کے قبیلۂ خزرج سے ملتا ہے۔ اِن کے جدِ اعلیٰ حضرت ابو ایوب انصاری ہیں۔ جن کا نام خالد تھا۔ سرکار رسالت ختم رسل محمد مصطفیٰ ارواحنا لہٗ الفداء نے جب مکے سے ہجرت فرمائی اور اشعۂ نورانیہ سے ختم رسالت نے مدینۂ طیبہ کو مدینۂ منورہ بنایا۔ تو یہی ابو ایوب انصاری تھے۔ جن کے گھر میں نزولِ اجلال فرمایا۔ اور انہیں شرف میزبانی بخشا۔

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ سعادت مشیت ربانیہ نے ہی عطا کی تھی ورنہ ہر انصاری یہ چاہتا تھا کہ حضور سرورِ کائنات میرے گھر کو قیام کی سعادت عطا فرمائیں۔ مگر رسول اللہ نے جو وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّآ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ کے مصداق تھے۔ اِس امر کو مشیت الٰہیہ کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ خدا نے اس طرح چاہا کہ ناقۂ رسالت ابو ایوب کے گھر کے سامنے جا ٹھہرے۔ حضور کے قدوم میمنت لزوم نے کاشانۂ ایوب کو مطلع الانوار کر دیا۔ اِن قدموں کا جب مقام شب معراج عرش کو نصیب ہوا وہ عرش معلیٰ ہو گیا۔ اور جب سرزمین کعبہ پر قدم رکھے تو شہر مکہ محترمہ محلّ قسمِ خدا ہو گیا چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ

اے حبیب! میں اِس لئے اِس شہر کی قسم کھاتا ہوں کہ اِس شہر کی زمین تیرے قدموں کو مس کر رہی ہے۔ اور اِس شہر کا دوسرا اشرف مولود کعبہ کے والد ابو طالب اور مولود کعبہ علی مرتضیٰؑ ہیں۔ اب یہ شرف جب حضرت ابو ایوب کے گھر کو حاصل ہوا تو حضرت ابو ایوب کی اولاد و احفاد

قیامت تک یہ شعر گنگناتے رہیں گے۔

ع وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

## مشاہیر آباء کرام واجداد عظام

والدِ ماجد کے مورث اعلیٰ حضرت شیخ الاسلام عبداللہ انصاری پیر ہرات شاعر مشہور فارسی ہیں۔ اِن کی رباعیات بلاغت و فصاحت میں معراج کمال کو پہنچی ہوئی ہیں۔ علوم مختلفہ میں تصنیف و تالیف میں حصّہ لیا۔ علم بیان، علم بدیع، علم معانی، علم عروض میں کتابیں لکھیں۔ عِلم فقہ پر اِنہیں کافی عبور تھا۔ چنانچہ ہرات کے قاضی القضاۃ تھے۔ اِن کا بلند ترین مقبرہ شہر ہرات میں ہے۔ اِن کے جوارِ رحمت میں افغانستان کا شاہی قبرستان ہے اور امیر دوست محمد کی ابدی خواب گاہ بھی وہیں ہے۔

(۳) خواجہ عبدالوہاب واعظ ہرات

(۴) خواجہ ملک فرید انصاری کمانڈر انچیف افواجِ غزنویہ۔ محمود غزنوی کے ہندوستان پر اکثر حملوں میں عسکری کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

(۵) خواجہ نصیر الملک المخاطب ملک افصح گورنر ملتان و گجرات در عہد غزنویہ

(۶) خواجہ سالار انصاری بزرگ سلسلۂ چشتیہ و جدّ انصاریاں سہارنپور۔ داماد مولانا محمد اسحاق الملقب شاہ ولایت۔ اِن کی بیٹی کا نام بی بی رزق اللہ تھا۔

(۷) خواجہ خدا بخش فارسی شاعر تلمیذ مصحفی

والد ماجد کی طرح ان کا ذریعۂ معاش بھی تعلیم و تعلّم اور درس تدریس تھا۔ غیر ملکیوں کو بھی فارسی پڑھاتے تھے۔ چنانچہ اِن کے مشہور تلامذہ میں سے لارڈ رابرٹ تھے اور فٹز جیرالڈ تھے۔ جو صوبۂ پنجاب کے پہلے فنانشل کمشنر تھے۔ جبکہ صوبۂ سرحد بھی پنجاب میں شامل تھا۔ خواجہ خدا بخش کے فیضان تعلیم سے فارسی کے ایسے ادیب ہوئے انہوں نے رباعیات عمر خیام کا ترجمہ انگریزی نظم میں کیا۔

(۸) ان کے والد خواجہ محمد عقیل تھے جو محکمۂ مال کے مختلف مناصب پر مامور رہے۔ تحصیلدار بھی رہے اور مال افسر بھی۔

## عصرِ حاضر کے مشاہیر اعزہ واقربا

(۱) حجۃ الاسلام خواجہ عابد حسین انصاری، لکھنؤ میں درسِ سطح کو ختم کر کے عراق کی زیارات کی سعادت حاصل کی اور حوزۂ علمیہ نجف میں داخلہ لیا وہاں سے درسِ خارج سے مستفیض ہو کر ہندوستان میں واپس آئے۔ اراکین درسگاہ دینیہ منصبیہ کالج میرٹھ نے انہیں انتخاب فرما کر منصبیہ کالج کے پہلے پرنسپل مقرر کیے۔ مشہور ہے کہ انہیں شہیدِ ثانیؒ کی شرحِ اللمعہ پڑھانے میں خاص شغف تھا، کثیر التصانیف و تالیفات ہیں، علوم دینیہ کے سینکڑوں طالب علموں کو علمآء دین بنانے کے بعد اپنی اولاد کو بھی مستفیض فرمایا۔ ان کی اولاد میں مولانا خواجہ محمد یعقوب۔ مولانا خواجہ محمد ایوب اور مولنا خواجہ یوسف حسین ہیں، جن کے خلف رشید حکیم یونس حسین صاحب تھے۔ خاندانی روایات کے مطابق حکیم یونس حسین نے علم الادیان کو حاصل کرنا شروع کیا۔ اور ضروری دینی درسیات ختم کرنے کے بعد چونکہ ان کا رُحجان علم الابدان (طب) کی طرف تھا، اِس لئے اِس میں کمال حاصل کیا، کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی کے مصداق تھے۔ سرگودھا میں ہر دل عزیزی ان کے کمال فن اور اخلاق جمیلہ پر شاہد ناطق ہے۔

والدِ ماجد سے بہت محبت فرماتے تھے۔ جن دنوں وہ دار العلوم محمدیہ سرگودھا میں پرنسپل تھے ہر روز شام کو دار العلوم میں پہنچ جاتے اور والد محترم کو ہمدرد دواخانہ ایجنسی میں لے آتے خمیرۂ مروارید اور ذہن الزکی اور حافظہ کی مقویات دیتے۔ فروٹ اور اکثر دودھ جلیبیوں سے تواضع فرماتے۔ اسی محبت کے تقاضے میں مونس حسین کے ساتھ میرے لئے خطبہ کیا اور اس معاملہ میں اپنے پھوپھا خواجہ ظفر حسین پروفیسر مہندرا کالج کے ذریعہ سے اپنی تمنا کا اظہار فرمایا۔ محترم والد نے کہا لڑکی بھی آپ کی ہے اور لڑکا بھی آپ کا ہے میں رضا مند ہوں

(۲) فاضل جلیل خواجہ غلام حسنین نظام المدارس لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہو کر سہارنپور میں تشریف لائے

(۳) تاج الافاضل عراق خواجہ مختار احمد، درس خارج سے فارغ ہو کر سہارنپور میں تشریف

لائے۔ سہارنپور کے گردونواح میں انہوں نے مذہب شیعہ اثناعشریہ کی نشرواشاعت فرمائی۔ اِن کے فرزند خواجہ شہنشاہ احمد اور اِن کے پوتے حسن مختار۔ رضی مختار۔ رئیس مختار ہیں۔

(۴) خواجہ ظفر حسن پروفیسر مہندرا کالج اس قدر محتاط انسان تھے کہ جن مجالس میں غنا کا شائبہ ہو یا غلط روایات پڑھی جاتی ہوں، اُن میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ اِن کے فرزند ڈاکٹر محمود حسین پاکستان ریلوے کے شعبۂ میڈیکل میں ایک منصب جلیل پر ممتاز ہیں۔ انہی دو مہینوں میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے باپ اور بڑے بھائی خواجہ ظہور الحسن کو لاہور میں دفن کیا۔

(۵) خواجہ صفت احمد۔ برادر خواجہ مختار احمد بے اولاد تھے۔ رجوعہ سادات ضلع جھنگ میں مدفون ہیں۔

(۶) ڈاکٹر خواجہ علی اختر انصاری۔ لیپزگ یونیورسٹی جرمنی کے فارغ التحصیل تھے۔ محکمۂ آثارِ قدیمہ میں ڈائریکٹر کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ اِن کے فرزند خواجہ حیدر بحری فوج میں ایک جلیل الشان عہدہ پر ممتاز ہیں۔

حکیم یونس حسین اعلیٰ اللہ مقامہ کے چار فرزند ہیں میرے رفیقِ حیات مونس حسین خواجہ ہیں ان کے علاوہ افتخار مہدی خواجہ۔ انتظار مہدی خواجہ۔ وقار مہدی خواجہ ہیں۔ افتخار مہدی کی شادی خواجہ شہنشاہ احمد کی دختر ارجمند سے ہوئی ہے۔ حکیم صاحب کی بڑی لڑکی خواجہ کاظم حسین کے پوتے خواجہ زوار حسین مقیم چکوال کے بیٹے امیر کاظم سے ہوئی ہے اور دوسری لڑکی کی شادی خواجہ منظر علی صاحب پانی پتی کے فرزند ارجمند خواجہ حیدر رضا بی۔ اے سے ہوئی ہے جو جھنگ میں آباد ہیں۔

ہمارے وہ عزیز جو تقسیم ملک کے بعد پاکستان نہیں آئے وہ خواجہ عاشق حسین اور خواجہ خورشید حسین تھے۔ دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ خواجہ عاشق حسین کا بیٹا سہارنپور میں آباد ہے اور خواجہ خورشید حسین کا بیٹا ناظر حسین پاکستان کے سیکرٹری ایٹ میں ملازم ہے۔ ہمارے جدید رشتہ داروں میں خواجہ محمد ظہور پانی پتی جو محکمۂ مال کے جلیل عہدوں پر مامور رہے ہیں ایک ایسے رشتہ دار ہیں۔ جنہیں میرے والد ماجد محسنِ لطیف کہا کرتے ہیں۔ انہوں نے میرے چھوٹے بھائی بدر حسین کو اپنی

زندگی میں لے کر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ یہ ہمارے با عظمت محسن خواجہ یونس شہید کے چچا ہیں۔
ان کے دو بیٹے خواجہ سجاد حسین اور خواجہ فواد حسین ہیں۔ اِس رشتہ داری سے ہم ایک عظیم
خاندان میں منسلک ہو گئے ہیں اور اُن کی وجہ سے خواجہ نذر عباس اور اُن کے بیٹے خواجہ اختر عباس
خواجہ احمد عباس۔ خواجہ اظہر عباس۔ خواجہ ناصر عباس۔ خواجہ ظفر عباس۔ خواجہ منیر عباس۔ خواجہ ناظر عباس
ہیں۔ خواجہ محمد ظہور کے دو فرزند خواجہ اکرام حسین اور خواجہ انعام حسین ہیں۔ خواجہ اکرام حسین کی
شادی میرے والد صاحب کے حبیب لبیب پروفیسر خواجہ اختر حسین کی بیٹی کے ساتھ ہوئی۔

**خاندان کے مذہبی حالات** میرے دادا خواجہ محمد عقیل اہلسنت والجماعۃ تھے۔ اور
دیوبند کے مکتب خیال سے تعلق رکھتے تھے۔ ہمارے شجرہ میں خواجہ طیب حسن کے بعد تین چار
پشتوں میں مذہب اہلسنت والجماعۃ رہا۔ دیوبند مکتبۂ خیال کا مشہور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
ہمارے ہی خاندان کی ایجاد ہے۔ اور مشہور مدرسۂ دیوبند کے بنانے میں ہمارے خاندان نے
بہت امداد کی۔ ۱۳۰۶ھ میں میری دادی اماں نے ایک رؤیا صادقہ میں زیارت آبروئے وفا
حضرت ابوالفضل العباس ارواحنالہ الفدا کا شرف حاصل کیا۔ اُس وقت والد ماجد کی عمر ایک
سال تھی۔ سرکار علمدار نے میری دادی اور میرے والدِ ماجد کو خواب میں مجلس عزاء کے بعد
عورتوں اور مردوں میں دودھ تقسیم کرنے کے لئے دیا۔ والد نے ایک سال کی عمر میں مردوں
میں دودھ تقسیم کیا اور دادی اماں نے عورتوں میں دودھ تقسیم کیا۔ والد کے اساتذہ کرام اس کی
تعبیر یہ بتاتے تھے کہ دونوں ماں بیٹا تبلیغ مذہب شیعہ اثناعشریہ کریں گے۔ چنانچہ اس
خواب کی تعبیر نے حقیقت کا پہلو اختیار کیا۔ دادا حضور نے دادی کے شیعہ ہو جانے کے
بعد سختی اور تشدد اختیار کئے اور والدِ ماجد کو ایک سال دودھ پلانے کے بعد ماں کے
دودھ سے محروم کر دیا۔ میرے دادا کی تین بیویاں تھیں بڑی بیوی امۃ البتول خواجہ سعادتمند
انصاری کی دختر ارجمند تھیں جو فاضل جلیل تھے۔ امۃ البتول نے میرے والد ماجد کو اپنی آغوش میں
حقیقی ماں سے بڑھ کر پالا۔ میری تیسری دادی بی بی عائشہ تھی جو میرے تایا خواجہ محمد حنیف کی

ماں تھی۔ میرے دادا جان اپنی وفات سے آٹھ دن پہلے مذہب شیعہ اختیار کر چکے تھے۔ اور میرے تایا محمد حنیف پہلی یورپ کی بڑی جنگ میں فوج میں بھرتی ہوکر عراق میں چلے گئے۔ وہاں میجر خان غلام سرور قزلباش اور آقائے ریاض حسین فرزند حجۃ الاسلام آقا محمد تقی شیرازی کی صحبت میں جن کا اُن سے تعارف والد ماجد نے کرایا تھا شیعہ ہوگئے۔ وہ مجسٹریٹی کے عہدہ سے پنشن پاکر آج کل کاظمین شریفین میں آباد ہیں۔ وہاں انہوں نے ایک عرب خاندان میں شادی کرلی، جن سے تقریباً ایک درجن بچے ہیں۔ اُن کی ہندوستانی بیوی سے اولاد سہارنپور میں آباد ہے۔ دو بیٹے خواجہ شکیل احمد اور خواجہ الیاس احمد اور ایک بیٹی تاج النساء ہے۔

والدِ ماجد نے شرفِ نسبی کو کبھی اوّلیت کا مقام نہیں دیا۔ وہ اِسے ایک ثانوی شرف سمجھتے تھے۔ حضرت ضامن ثامن آلِ عبا امام ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضاء ارواحنالہٗ الفدا کے دو شعر اُن کا نصب العین رہا ہے۔

کن ابن من شئت واکتسب ادب
یُغنیک عن مفاخر النسب

انّ الفتیٰ من یقول ھا اناذا
لیس الفتیٰ من یقول کان ابی

منتہی الآمال

جس کا بیٹا جی چاہے ہوجا مگر ادب کو حاصل کر۔ ادب کا حاصل کرنا تجھے نسب کے فخر و مباہات سے مستغنی کردے گا۔

جوانمرد تو وہی ہے جو یہ کہے کہ میں یہ ہوں۔ وہ جوانمرد نہیں جو یہ کہے میرا باپ ایسا تھا۔

**تعلیم وتربیت** دادی اماں نے والدِ ماجد کی تعلیم وتربیت کا ایک احسن طریق اختیار کیا۔ سرکاری مدارس کی دنیاوی تعلیم کے پہلو بہ پہلو دین و دیانت کی تعلیم کا آغاز فرمایا۔ سب سے پہلے تعلیم قرآن شروع کی۔ حافظ مولا بخش عرف نولکھا آپ کے پہلے اُستاد تھے۔ جو تقیہ کی حالت

میں تھے۔ میر انیسؒ کے بیسیوں مرثیے اُنہیں یاد تھے۔ چونکہ اُس زمانہ میں اہلسنت میں موجودہ عصبیت موجود نہیں تھی اور امام حسین علیہ السلام سے اُنہیں عقیدت تھی۔ اِس لئے حافظ صاحب کو مجالس عزاء پڑھنے سے نہیں روکتے تھے ۔ دادی اماں نے انہیں اُردو کی تعلیم خود دی تھی چنانچہ وہ دوسری جماعت کی کتابیں پڑھتے تھے تو میر انیس کی رباعیات اور سلام اُنہیں بچپن میں پڑھا کر بچپن میں تحت اللفظ مرثیہ خوانی شروع کرادی تھی، چنانچہ انہوں نے ذکرِ حسینؑ تحت اللفظ روضہ خوانی سے بچپن میں شروع کیا جو آخر خطابت پر منتہی ہوا۔ اُن کی ابتدائی دینی تعلیم خاندانِ ارسطوجاہی میں شروع ہوئی۔ جس کا مختصر ذکر خاندان ارسطوجاہی کے چشم وچراغ ادیبِ مشرقیات نبیرۂ سرکار شریف العلما سید آغا حسین شاعر پہلوی نے ان کی تعلیم و تربیت کا مختصر خاکہ اپنے دیوان پہلوی کوہساراں میں کیا ہے۔ سید آغا حسین خاندانِ ارسطوجاہی کے دوسرے فرد ہیں۔ جن کا کلام ایران میں مقبول عام ہوا۔ پہلے فرد مولانا فرزند علی فرخ تھے۔ جن کا دیوان ایران یونیورسٹی کے ایم اے کے نصاب میں داخل رہا ہے۔ سید آغا حسین کے دیوان کو حضور شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی آریہ مہر نے شرف قبولیت بخشا۔ اِس دیوان میں اُنہوں نے والد ماجد کی تعلیم کا تذکرہ کیا ہے۔ جو میں ہدیۂ قارئین کرام کرتی ہوں۔

## خطِ منظوم بنام ـــــ جناب خواجہ محمد لطیف انصاری دامت فیوضکم

ای خواجۂ خواجگان انصار — این نامہ بہ نام تو نویسم
دانم کہ ز خاندان جاہی — نسبت برسد چو از انیسم
لطفِ تو ز مدتی ہویدا — یاد آمدہ از تو صد حدیثم
فرمودہ ای ذکر سیّد ما[1] — من نیز ز فضل تو نویسم
از پدرِ[2] من سبق گرفتی — بودی تو بہ مکتبش جلیسم
تفسیر ز آیہ مودّت — گویم بہ عبارت سلیمم

---

[1] مراد بندہ حضرت شریف العلما مولوی سید شریف حسین خان جد بندہ می باشد کہ از اساتذۂ خواجۂ موصوف بودہ

[2] پدرِ بندہ میر سید مصطفیٰ حسن المتخلص بہ حسن خواجہ موصوف را درس بہ دیوان حافظ دادند

عموکہ[1] ترا چو درس میداد — خواندی زکتاب ابن میثم

عبقات ز حامد[2] حسین است — تفسیر زناصر[3] مغیثم

اینند کہ محسنِ عظیم اند — دانندۂ حادث و قدیم اند

دانی کہ بہ پارسی زبان را — یک مدّتی شدکہ می نویسم

آید بہ دلم خیالِ لاہور — یعنی ز زمانۂ نفیسم!

آں چیست، سفینہ یی بہ دریا — پس منظرِ دشت بس نفیسم

یادِ شبی آن کہ دیر خواندیم — ابیات زحافظ و انیسم

خوردیم ز بادۂ حقیقت — ہرگز نہ خلافِ آن نویسم

شم زِ علیؑ ایلیا بی! — دارم چو طبیعتِ نفیسم!

چوں لطف علیؑ است رہبرِمن — شاگرد نفیسی و انیسم

گم شد چو کتاب خانۂ من — من درطلب کتب حریصم

ای کاش کہ سیرتی فرستی — باز این چہ علیؑ علیؑ نویسم

تقلید ز محسنِ حکیم — مذہب چو بہ مذہبِ انیسم

اصلِ من و توزمرو و مشہد — این است کہ پارسی نویسم

دانستم و بار بار گویم!

من بندۂ حضرتِ انیسم

بسم اللہ وبای بوتراب است

دل دادہ ام وبہ دل نویسم

---

[1] عموئی بندہ جناب مولوی سیّد مرتضیٰ حسین علوم دیگر خواجہ صاحب راتعلیم فرمودند

[2] صاحب عبقات الانوار مولانا حامد حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ

[3] صدر المحققین مولانا سیّد ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر والزمان اعلیٰ اللہ مقامہٗ

**والدِ اعلام کے اساتذۂ کرام** خوشا نصیب میرے والد کو ایسے عظیم اساتذہ ملے جو عام طور پر لوگوں کو کم نصیب ہوتے ہیں۔

۱۔ سرکار شریف العلماء مولنا سید شریف حسین خان ابن سرکار ارسطو جاہ ناشرِ مذہب اہلبیت والدِ محترم کے مربیِّ عظیم تھے۔

۲۔ قدوۃ العلماء مولنا سید مرتضیٰ حسین النقوی البعاکری ابن سرکار شریف العلماء جنہوں نے والدِ محترم کو علم و ادب میں پروان چڑھایا۔

۳۔ ادیبِ اعظم، خطیب اکرم مولانا سید مقرب علی المتخلص زائرِ حسن کی کتاب الیواقیت السنیہ فی نکات الحسینیہ القرآنیہ اور اِن کے استادِ عظیم علامہ غلام حسنین کنتوری کی الحسینیۃ القرآنیہ سے اِس تالیف کے لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور اِن دونوں کتابوں کے اقتباسات اِس تالیف منیف میں درج ہیں۔

۴۔ عالم باعمل استاد العلماء سراپا صدق و صفا مولنا سید محمد باقر النقوی جن کے منبر تلے بیٹھ کر ان کے مواعظ کو نوٹ کرنے سے والدِ محترم کی خطابت نے نشو و نما پائی۔

۵۔ صدر المتکلمین مولنا سید باقر علی صاحب بخاری بٹالوی

۶۔ فاضل منقولات و معقولات ادیب یگانہ مولانا سید محبوب علی شاہ نقوی خوشاب ضلع سرگودھا۔ محترم والد نے منطق کی کتاب قطبی کا ان سے درس لیا ہے۔

۷۔ استاذ معقولات مولنا حشمت علی صاحب جگراؤنی شاگرد شریف العلماء

۸۔ پروفیسر ڈاکٹر سید عظیم الدین احمد ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی لیپزگ یونیورسٹی جرمن جن کی نگرانی میں والد ماجد اور حبیب لبیب مولانا سید ظہیر الحسن زیدی مؤلف ظہیر الاخلاق نے پنجاب یونیورسٹی کی مشرقیات کی لائبریری کو مرتب کیا۔ جو اورینٹل کالج میں وائس پرنسپل تھے اور بعد میں پٹنہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے۔

۹۔ فاضل جلیل مولانا شیخ مومن علی نارووالی پروفیسر ادبیات عربی اورینٹل کالج لاہور

۱۰۔ زبدۃ العلماء مولانا سید صادق صاحب لکھنوی برادر نسبتی سرکار محمد باقر مجتہد اورینٹل کالج لاہور سے اِن کے رخصت ہونے پر والد محترم نے جو ان کے الوداعی جلسے میں قصیدہ کہا تھا۔ اُس کا

ایک شعر مجھے یاد ہے۔

تمنائے سیدِ صادق چوں صبح صادق ماست

بر شام ہجر چہ گویم سوائے واویلا

۱۱۔ علامہ سرکار مرزا احمد علی صاحب ضیغم پاک و ہند جنہوں نے مقتضیات زمانہ کے لحاظ سے والدِ محترم کی جدید علمی خطابت کو ارتقاء کی منزل پر پہنچایا۔ اُن کے مشورے پر والدِ محترم نے گورنمنٹ ملازمت کو چھوڑ کر قومی کالجوں میں پروفیسری اختیار کی تاکہ علوم جدیدہ کو اپنا مشغلہ بنا کر انہیں اپنی خطابت میں شامل کر سکیں۔

۱۲۔ سرکار مولانا سید شریف حسین سبزواری بھریلوی جو دوران تعلیم میں میرے نگران بھی تھے۔

وہ علماء کرام ذوی الاحترام جن کی تالیفات و تصنیفات۔ تقریرات و تحریرات سے والد ماجد نے فیضانِ عظیم حاصل کیا یا جنکی حوصلہ افزائی سے والد نے مراحلِ خطابت کو طے کیا۔

۱۔ صدر المحققین ناصر الملت والدین آیۃ اللہ سید ناصر حسین اعلی اللہ مقامہم اور اُن کے فرزندانِ رشید سرکار نصیر الملت و سرکار سعید الملت والدِ بزرگوار سے انتہائی تعلقات رکھتے تھے۔ کیونکہ سرکار ناصر الملت شریف العلماء سرکار فردوس مآب سید حامد حسین الموسوی کے تلامذہ میں سے تھے۔ اور دوران تعلیم میں اُنہوں نے سرکار ناصر الملت سرکار شریف العلماء کو عم بزرگوار کہا کرتے تھے۔ اِس خاندان کے اہل جگراؤں سے نہایت تعلقات تھے۔ والدِ بزرگوار نے اِن کی جن تالیفات سے استفادہ کیا وہ حسب ذیل ہے۔

تشئید المطاعن۔ استقصاء الافحام۔ شوارق النصوص اور عبقات الانوار کی بعض جلدیں۔

۲۔ سرکار فخر الاسلام آقائے تدین محمد صادق امریکائی نومسلم۔ والدِ بزرگوار نے اِن کی اِن کتابوں سے فائدہ اُٹھایا۔ انیس الاعلام فی نصرت الاسلام صدق مطلق تعجیز المسیحیین۔ انیس الاعلام میں اُنہوں نے یورپ کے فلاسفروں کے اُن نظریات کو رد کیا ہے جو اسلام کے خلاف تھے۔ اور علوم جدیدہ سے اسلام کی حقانیت کا اثبات کیا۔ صدق مطلق میں مصر کے مشہور پادری یعقوب غربیل کی کتاب الہدایت کا دس جلدوں میں جواب دیا ہے۔ اور تعجیز المسیحیین میں پادری فنڈر اور دوسرے معاندین اسلام پادریوں

کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ اور اسلام کی حقانیت کا اثبات کیا ہے۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے والد یورپ کے جدید مخترعہ فرقوں شیخیہ، بابیہ وبہائیہ وقادیانیہ کی تردید کی قابلیت پیدا کی۔

۳۔ سرکار علامہ شیخ عبدالعلی الہروی الطہرانی اور اُن کے افضل ترین تلامذہ علامہ سید محمد سبطین سرسوی تغمدہٗ اللہ بغفرانہ کی تقریرات سے والد ماجد نے اپنی تالیفات اور تقریرات میں قرآنی استدلال کی قابلیت حاصل کی ہے۔ والد صاحب جس وقت اورینٹل کالج لاہور میں تھے۔ شیخ علامہ کی تقاریر سے استفادہ فرماتے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ شیخ علامہ تقریر میں قرآنی جواہرات کی بارش برسا رہے ہیں۔

۴۔ علامہ سید محمد سبطین صاحب سرسوی اعلی اللہ مقامہ

۵۔ سرکار مولانا سید ابن حسن نونہروی۔ ان کی خطابت سے والد کو اُس زمانے میں استفادہ کرنے کا موقع ملا جبکہ والد ماجد امروہہ کے گُجری محلہ امام باڑہ میں سات سال تک عشرۂ اربعین پڑھتے رہے عقلی اور نقلی افادیت حاصل کی چونکہ سرکار نونہروی محلہ دانشمندوں کے بڑے امام باڑہ میں انہی دنوں میں تقاریر فرماتے تھے۔

۶۔ میرے والد کے محسن عظیم اور حبیب لبیب سرکار علامہ سید محمد دہلوی بھی ہیں۔ جن کی بدولت والد صاحب افریقہ تشریف لے گئے۔ اُن سے والد محترم نے طلاقت لسانی اور ادبی نکات کا افادہ کیا

۷۔ سرکار سید العلماء مولانا سید علی نقی مجتہد لکھنؤ، پروفیسر آف مسلم تھیالوجی علیگڑھ یونیورسٹی جن سے والد صاحب نے دور حاضر کی ضروریات کے مطابق تبلیغی رسائل لکھنے کا فن سیکھا۔

۸۔ علامہ سید مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی۔

**درس وتدریس** والد نے دینی و دنیاوی مختلف درس گاہوں میں کسب علم کیا۔ اُن میں سے صرف ان چند درس گاہوں کا ذکر ضروری ہے۔ جو علمی اور دینی اکتساب کمال کا ذریعہ ہیں۔

اورینٹل کالج لاہور۔ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور۔ درسگاہ سرکار شریف العلماء۔

والد نے بحیثیت ٹیچر و پروفیسر وغیرہ مختلف درس گاہوں میں درس وتدریس کے فرائض کو انجام دیا۔ عربی مدرس کی حیثیت سے مشن ہائی سکول لدھیانہ۔ گورنمنٹ ہائی سکول پھلور ضلع جالندھر گورنمنٹ

ہائی سکول مکتسر ضلع فیروزپور۔

بحیثیت فارسی مدرس، گورنمنٹ ہائی سکول جگراؤں، آر۔کے ہائی سکول جگراؤں۔

**پروفیسر کا منصب** ڈی۔ایم ڈگری کالج موگا ضلع فیروزپور، ڈی۔ایم کالج فار ووِمن موگا۔ امریکن ٹریننگ کالج فار ویلج ٹیچرز موگا۔ بحیثیت پروفیسر مشرقیات و پروفیسر پراجیکٹ میتھڈ۔

شیعہ اثنا عشری کالج ممباسہ افریقہ۔ عرب انسٹی ٹیوٹ ممباسہ بحیثیت پروفیسر اسلامک تھیالوجی

**بحیثیت پرنسپل** دارالعلوم محمدیہ سرگودھا، آنریری پرنسپل دارالعلوم کاظمیہ پھلروان ضلع سرگودھا۔
انچارج واعظین کلاس پاکستان امامیہ مشن لاہور۔ واعظین کلاس مجلس تنظیم الاسلام لاہور، جمعہ کے جلسوں میں شرکت کرنے والا ایک رکن۔ ایگزامینر ناگ پور یونیورسٹی بھارت، ممتحن امتحان مولوی فاضل پرچہ ادبیات مقامات حریری، پنجاب یونیورسٹی امتحان منشی فاضل پرچہ اخلاق جلالی، پنجاب یونیورسٹی امتحان میٹری کولیشن اُردو پرچہ لے۔

والدِ محترم نے بحیثیت سیکرٹری ان دینی اداروں میں کام کیا ہے۔

(۱) شیعہ تبلیغی کانفرنس مرتبہ سرکار مرزا احمد علی صاحب (۲) پنجاب شیعہ کانفرنس قبل تقسیم ملک۔
(۳) آل پاکستان شیعہ کانفرنس بعدِ تقسیم ملک (۴) ادارہ تحفظ حقوق شیعہ

**تبلیغی جدوجہد** والد ماجد نے تقریباً تمام ہندوستان میں اور بیرون ہندوستان ممالک میں ہزاروں تقاریر کی ہیں، جن میں سے چند اہم تقاریر کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

فیض آباد کی مشہور و معروف مجالس عزا میں تین سال۔ امروہہ کی عشرۂ اربعین کی مجالس سات سال جانسٹھ ضلع مظفر نگر میں جلالی ضلع علیگڑھ میں۔ بریری اور لکھنؤ میں اکثر مواقع پہ متعدد مجالس، لکھنؤ کی ایک مجلس جو مسجد کوفہ میں سرکار ناصر ملت کے ایصال ثواب کے لئے پڑھی گئی، وہ ایک علمی مجلس تھی، جس کا موضوع شیعوں میں علم کلام کا نشوو ارتقاء تھا۔ حیدرآباد سندھ میں پانچ سات سال تک امام بارہ ریشم میں پانچ سال عشرۂ محرم پڑھا۔ ساڈھورا ضلع انبالہ میں اور علی پور ضلع گوجرانوالہ میں چُپ تعزیہ کی مجالس پینتالیس برس پڑھیں اور علی پور میں عشرہ محرم بارہ سال تک پڑھا۔ کراچی میں امام باڑہ مارٹن روڈ، امام باڑ

بارہ امام میں عشرہ محرم پڑھے ہیں۔ اور امام باڑہ کھارادر کراچی میں اُس زمانہ میں متعدد مجالس پڑھیں۔ جب مرحوم بھائی قارب حسین وہاں ملازم تھے۔ خیرپور میرس میں ایک عشرۂ محرم پڑھا۔ سکھر اور کوٹ ڈیچی میں متعدد مجالس، لاڑکانہ اور قنبر میں اکثر مجالس پڑھیں۔ کہاں تک ذکر کیا جائے۔ پاراچنار کورم ایجنسی میں عید غدیر اور ۱۳ رجب کے متعدد جلسے پڑھے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کوہاٹ، پشاور، علی زئی، استر زئی میں بھی مجالس پڑھی ہیں۔ ریاست رام پور، مراد آباد میں بھی مجالس عزا پڑھی ہیں۔ ممالک خارجہ میں عراق، ایران اور بیت المقدس میں مجالس پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ افریقہ میں بحیثیت مبلغ فیڈریشن شیعہ اثنا عشر جماعتز افریقہ کے فیڈریشن کی تشکیلِ نو کے سلسلے میں تمام براعظم افریقہ میں تبلیغ کی ہے۔

**تصانیف و تالیفات** (۱) مواعظ و خطبات کے متعلق پہلی کتاب الارشاد والعزا ترجمۂ المواعظ والبکا شیخ جعفر شوستری اِس کتاب کے شروع میں ۱۰ صفحے کا مقدمہ ہے۔ جو علوم جدیدہ میں دوسری کتاب ہے۔ تشئید العقائد ترجمہ فوائد المشاہد شیخ جعفر شوستری کی سات تقریروں کا ترجمہ ہے۔

**علوم جدیدہ** دین و دنیا۔ اقتصادیات (اکنامکس) مولود کعبہ علی ابن ابی طالب اور علوم جدیدہ (فلکیات اسٹرانومی معاشیات۔ اکنامکس

**تاریخ:۔** اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سات جلد۔ دور رسالت سے دور عباسیہ تک۔ تاریخ کربلا یعنی شہزادۂ یثرب عالمِ ہجرت میں تین جلد۔ بلاغت زینبیہ یا خطیبۂ آل محمد

**رجال:۔** تاریخ حسن المجتبیٰ، حالات طیبہ سرکار امام نقی علیہ السلام۔ حیات طیبہ حضرت علی ابن موسیٰ الرضا۔ سیرت سلمان محمدی۔ آبروئے وفا حضرت عباس وفا شعار کی سیرت۔ ہندی بھاشا میں سرکار وفا حضرت عباس کی سیرت "جل داتا عباس"۔ گورمکھی زبان میں سیرت سید الشہدا جگت گرو حسینؑ۔ شہیدان فرات

**قرآنی استدلال کی کتابیں**

۱۔ کربلا کی کہانی قرآن کی زبانی

۲۔ معارج العرفان فی عصمتِ ابی طالب عمران من آیات القرآن

۳۔ خصائصِ سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام

## دورِ حاضر کے مذاہب باطلہ کی تردید

۱۔ کشف الغطا عن حقیقت الشیخیہ

۲۔ کشفِ الغطاعن مذہب الباب والبہا

۳۔ کشف الحیل مذاہب باطلہ یعنی شیخیہ و مذہب باب و بہا

۴۔ بہائی مذہب کا سیاسی پس منظر

## تعلیمی و درسی کتب

۱۔ مخزن جواہر فارسی جلد اوّل

۲۔ مخزنِ جواہر فارسی جلد دوم جو آئی سی ایس کے امتحان میں داخلِ نصاب تھی۔ یہ دونوں کتابیں والد صاحب نے ہماری مرحومہ والدہ کریمہ سلطان خانم کی یاد میں لکھی ہیں۔

۳۔ تاریخ ہندوستان قبل تقسیم ملک۔

۴۔ تسہیل القواعدِ اُردو۔ جو پنجاب یونیورسٹی کے میٹریکولیشن کے نصاب میں داخل تھی۔

والدِ ماجد نے ہندوستان اور پاکستان کے تمام شیعی ماہ ناموں ہفت روزہ اور پندرہ روزہ اخبارات میں ہزاروں مقالات دیئے ہیں۔ جن میں سے صرف چند مقالات یہ ہیں۔

۱۔ مرقعِ عبرت ۔ دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہے' میری سنو جو گوشِ حقیقت نیوش ہے
یہ ایک تنقیدی اصلاحی مقالہ برسوں تک ہفت روزہ رضاکار لاہور میں چھپتا رہا ہے۔

۲۔ سفر نامۂ افریقہ اور اس میں والد صاحب کی تبلیغی جدوجہد اخبار رضاکار میں شائع ہوتا رہا ہے۔

۳۔ مقالۂ حدیثِ ثقلین۔ اخبار شیعہ میں چھپتا رہا ہے۔

۴۔ تذکرۂ خواتینِ اسلام ماہ نامہ تنظیم الاسلام میں چھپ کر ایک کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔

میرے والدِ ماجد کی واپسئ افریقہ پر معالجِ خاص پروفیسر سید عنایت حسین بخاری جن کی بابی ہومیوپیتھک طریق علاج تھا رہے ہیں۔ جن کے والد ماجد انتہائی ممنونِ احسان ہیں۔ والد ماجد کے مرضِ فالج میں مبتلا رہنے کے زمانے میں جن ماہرینِ طب نے فی سبیل اللہ علاج جاری رکھا۔ وہ ہمارے خاندان کے محسن

طبیب ہیں ۔ ۱۱) حکیم سید خضر عباس ترمذی خلف الرشید ڈاکٹر سید علی اختر اعلی اللہ مقامہ لکھنؤ طبیہ کالج کے فارغ التحصیل ہیں. تمام امراض میں مہارت رکھنے کے علاوہ عارضۂ فالج اور ذیابیطس یعنی شوگر کی امراض میں خاص طور پر متخصص ہیں محترم والد صاحب کے قیام لاہور میں ڈاکٹر الطاف حسین اور اُن کے فرزند ڈاکٹر افضال حسین میرے والد ماجد کے علاج میں خاص دلچسپی لیتے رہے ہیں ۔ ادویات بھی اپنے پاس سے فراہم کرتے رہے ہیں ۔ یہ لاہور میں ممتاز ہومیو پیتھ ہیں ۔

۲ ۔ ڈاکٹر عابد حسین ممتاز ہومیو پیتھ سرگودھا جنہوں نے سات سال تک فی سبیل اللہ والد صاحب کا علاج کیا ہے ۔ اور مرض کے شدید حملوں کو رفع کرتے رہے ہیں ۔

**آپ کی ازواج و اولاد** میرے چچا جان میرے والد صاحب کے برادرِ خورد محمد شریف تھے ۔ جو تقسیم ملک کے ہنگامے میں مسلم لیگ کا رکن ہونے کی وجہ سے مہاجرین کے جگراؤں کے کیمپ میں دستی بم سے شہید کر دیئے گئے ۔ ان کے دو فرزند جون حسین خواجہ اور عون حسین خواجہ ہیں ۔ جن کی پرورش والد صاحب نے ہی اپنی آغوشِ عاطفت میں کی ہے ۔ وہ میرے والد صاحب کو والد سمجھ کر ابا کہتے ہیں ۔ اس لئے والد اپنے اس بھائی کی اولاد کو اپنی ہی اولاد سمجھتے ہیں ۔ جون حسین کے تین فرزند ہیں. عمران عباس احسان عباس اور سلطان عباس ۔ میرے اس چچا کی ایک بیٹی مومنہ خاتون ہیں جو مرحوم بھائی قارب حسین کی بیوہ ہیں ۔

والدِ ماجد نے سات عقد کئے ہیں. جن میں سے تین بیویوں سے اولاد ہوئی ۔ جن میں سے دو بیویوں کی اولاد اور دونوں بیویاں وفات پا گئیں ۔ وفات پانے والے بچوں کی تعداد تیرہ تھی ۔ پانچ لڑکے اور آٹھ لڑکیاں ۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں ۔ ۱۔ علی افضل ۲۔ فضل مہدی جس کی وجہ سے ان کی کنیت ابو الفضل ہے ۳۔ عبد المحسین ۴۔ عالس حسین اور قارب حسین تین تو صغر سنی میں وفات پا گئے ۔ بھائی عالس حسین کا انتقال تیرہ سال کی عمر میں ہوا ۔ برادرِ معظم خواجہ قارب حسین بی ۔ اے اُن کی وفات اٹھائیس برس کی عمر میں ۱۹۴۹ء میں ہوئی ۔ تقسیم ملک سے پہلے ہندوستان کے سنٹرل سیکرٹری ایٹ میں ملازم تھے ۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان سول سیکرٹری ایٹ میں انجنیئرنگ اتھارٹی میں ملازم تھے ۔ کراچی میں ٹائیفائڈ بخار سے وفات پائی ۔ میری چچا زاد بہن مومنہ خاتون سے عقد ہوا تھا ۔ لیکن اولاد نہیں ہوئی ۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کے مرنے والی اولاد یوم الحساب کو کفارۂ ذنوب یا ترقی مدارج کا سبب

ہوگی، یہ اُن کا سرمایۂ آخرت ہے۔

مرنے والی لڑکیوں کے نام یہ ہیں۔ حمیدہ، سعیدہ، عقیلہ، فضہ، صفیہ، رضیہ دو لڑکیاں نام تجویز کرنے سے پہلے وقت ولادت انتقال کر گئیں۔ والد صاحب کی ازواج میں سے دو بیویاں کریمہ، سلطان خانم جن کی مادری زبان فارسی تھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں۔ اُن کی وفات ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ اور نواب جہاں آرا بیگم ہے۔ اب خواجہ صاحب کی ساری اولاد انہی میں سے ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ برادر اکبر حبیب رضا خواجہ جن کی ولادت ۱۹۳۲ء میں ہوئی یہ ولادت اُس دن اُس وقت ہوئی تھی جس دن والد زیارت مشہد سے مشرف ہو رہے تھے۔ چونکہ دادی کی وصیت تھی کہ میری اولاد سے ہر بچے کا نام شہدائے کربلا سے رکھا جائے اور زیارت مشہد سے مشرف ہونے کی وجہ سے اُن کا نام سرکار رضا کا نام ضروری تھا۔ اس لئے حجۃ الاسلام آغا عبد الکریم قمی مجتہد قم نے اُن کا نام حبیب رضا تجویز کیا۔ جو اُن کی اولاد کے نام کا جزو ہے اللہ نے اُن کو چھ بیٹے عطا کئے۔ ۱۔ عباس رضا ۲۔ شبیب رضا ۳۔ عمار رضا ۴۔ مسلم رضا ۵۔ عابس رضا ۶۔ نعیم رضا اور تین دختریں عطا کیں ۱۔ فرزانہ زینب بی اے ۲۔ معصومہ زینب ۳۔ محسنۂ زینب

۲۔ خواہر بزرگ عقیلہ زینب جس کا عقد سید غلام عباس نقوی البخاری سے ہے۔ ڈسکہ میں آباد ہیں۔ اور پشاور میں کالونائزیشن کا کام کرتے ہیں۔ اُن کے تین لڑکے ہیں۔ ۱۔ عامر عباس ۲۔ یاسر عباس ۳۔ جابر عباس اور تین لڑکیاں ہیں۔

۳۔ خواجہ شوذب حسین بی۔ ایس۔ سی آنرز گورنمنٹ ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ سرگودھا میں فزکس پڑھاتے ہیں۔ ان کے دو لڑکے ہیں ۱۔ قارب عباس ۲۔ زبیر عباس ہیں۔ اور پانچ لڑکیاں ہیں ۱۔ تقیہ زینب ۲۔ عالیہ زینب ۳۔ رباب زینب ۴۔ رقیہ زینب ۵۔ سلمیٰ زینب۔

۴۔ خواہر بزرگ جلیلہ زینب ان کا عقد مظہر حسین ملک علوی سے ہوا۔ جو لاہور میں حبیب بنک میں منیجر ہیں۔ راولپنڈی کے رہنے والے ہیں۔ لیکن اپنا ذاتی مکان بنا کر اب لاہور میں مقیم ہو گئے ہیں اور وہاں ہی سکونت اختیار کر لی ہے۔

ان کے دو لڑکے ہیں (۱) سلمان مہدی (۲) ضرغام مہدی اور دو لڑکیاں ہیں (۱) ام فروہ (۲) عرشیہ زینب

۵۔ تیسری بیٹی میں ہوں جسے مونس حسین خواجہ کی زوجیت کا فخر حاصل ہے۔ اللہ نے مجھے تین لڑکیاں عطا فرمائی ہیں ۱۔ عائشہ زینب ۲۔ شافعہ زینب ۔ عارفہ زینب

۶۔ میرے والد کی آخری اولاد میرے عزیز بھائی برجیس حسین ہیں۔ جو کاروبار کرتے ہیں۔ اللہ نے حال ہی میں ایک بیٹی عطا فرمائی ہے۔ والدِ محترم نے اُس کا نام طیبہ زینب تجویز کیا ہے۔

**والدِ ماجد کے تلامذہ** جس شخص نے ستر سال درس و تدریس کا سلسلۂ مختلف تعلیمی اداروں میں جاری رکھا ہو، اُس کے تلامذہ ہزاروں ہو سکتے ہیں۔ مگر اُن میں سے چند اہم تلامذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ والد کے تلمیذ رشید اُن کے فرزند روحانی مولوی طالب حسین جعفری جن کا انتقال ابھی ۱۹۷۵ء میں ہوا ہے۔ والد اُن کے متعلق ہمیشہ فرماتے تھے کہ میرا چوتھا بیٹا ہے۔ اربعین کی مجلس پڑھنے کے لئے حیدرآباد سندھ گئے اور مجلس سید الشہداء علیہ السلام پڑھتے ہوئے دِل پر اثر ہوا اور سرکار سید الشہداء علیہ السلام کے جوارِ پُر وقار میں جا پہنچے۔

۲۔ مولانا خیر الدین لدھیانوی۔ مدرسہ دیو بند کے فارغ التحصیل تھے۔ مذہب شیعہ اختیار کیا۔ مشہور مناظرہ بھائی باڑہ ضلع فیروز پور کا مناظرہ تھا۔ جس کی شرائط کو والد ماجد نے مرتب کیا تھا اور سرکار مرزا احمد علی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اُسے فتح کیا۔ اُس میں سینکڑوں اہل سنت ضلع فیروز پور میں شیعیت سے مشرف ہوئے اُن میں سے مولانا بھی تھے۔ اُس کے بعد وہ سلسلۂ خطابت میں میرے والد کے شریکِ سفر رہے اور شیعہ طرز خطابت کو انہی کے تلمذ میں حاصل کیا۔

۳۔ فاضل محقق مظہر الحق ساکن بورے والا۔ وہ بھی مدرسہ دیو بند کے فارغ التحصیل ہیں۔ بوریوالا ضلع ملتان میں آباد ہیں۔ دار العلوم کاظمیہ بھلروان میں والد ماجد کے ماتحت مدرس تھے۔ باوجود فاضل ہونے کے شیعہ طرز خطابت کا افادہ والدِ ماجد سے کیا۔

۴۔ قاری شبیر احمد صاحب جو آجکل حاصل پور میں آباد ہیں۔ اِن کے دادا مولانا مولا بخش دیو بند کی پنجاب میں شاخ رائے پور گگھ ضلع جالندھر میں دار العلوم دیو بندیہ کے مہتمم تھے۔ فاضل جلیل ہیں۔ اپنی تحقیقات سے شیعہ امیر المومنین اور محب اہلبیت ہونے کا شرف حاصل کیا۔ والد ماجد نے خطابت میں اِن کی رہنمائی فرمائی۔

۵۔ حجۃ الاسلام آغا شمیم السبطین جو آج اپنے اساتذہ سے علم و فضل میں بہت ارفع و اعلیٰ ہیں۔ امامیہ مشن کی مبلغ کلاس میں والد کے تلامذہ میں سے تھے اور والد نے ہی انہیں حوزۂ علمیہ نجف اشرف میں تکمیل علوم دین کے لئے مشورہ دیا تھا۔

۶۔ سید ابرار حسین شیرازی جو والد ماجد کے نہایت عزیز دوست ہیں یہ بھی مبلغ کلاس کے طلبہ میں سے تھے

۷۔ علی غضنفر کراروی یہ بھی والد کے مبلغ کلاس کے تلامذہ میں سے ہیں۔

۸۔ مقرر شیریں بیان قمر وزیر آبادی

۹۔ مولانا حشمت علی صدیقی ایم۔ اے یہ بھی مبلغ کلاس کے طالب علم تھے۔

۱۰۔ مقبول نامور ذاکر اللہ یار کوثر ساکن سرگودھا والد کے عزیز شاگردوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے ان سے اُردو زبان اور فن شاعری میں تربیت حاصل کی ہے۔

۱۱۔ مولانا رانا محمد اقبال حسین بھٹی رئیس و زمیندار چک ۳/۷-۱ ڈاکخانہ رینالہ خورد تحصیل اوکاڑہ ضلع ساہیوال جس نے والد کے دستِ مبارک پر شیعہ ہونے کے بعد اپنے خاندان کے اکثر افراد کو شیعہ کیا۔

## آپ کے وصایا

میں اولاد سے وصیت کرتا ہوں کہ اگر حسن اتفاق سے مجھے کسی امام بارگاہ میں دفن ہونے کا شرف حاصل ہو سکے تو مجھے اس طرح دفن کریں، میری قبر امام بارگاہ کی کسی دیوار کے ساتھ ہو اور فرش کی صورت میں ہو جس پر بیٹھ کر مصائب سید الشہداء میں سامعین مجلس گریہ و بکاء فرما کر مجھے مشرف فرمائیں۔ اور ملحقہ دیوار پر میری قبر کا کتبہ اس طرح پر ہو کر توحید، رسالت اور امامت کے ذکر کے بعد سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام پر درود اس طرح رقم لیا جائے۔ انّ اللہ وملائکتہ یصلّون علی النبیّ یا ایہا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما۔ لبیک اللّٰھم صلّ علی محمد وآل محمد وبارک علی محمد وآل محمد وارحم محمداً وآل محمد کافضل ما صلیت علی ابراھیم وآل ابراھیم انک حمید مجید وصلی اللہ علی جمیع الانبیاء والمرسلین والائمۃ الھادین المھدیین والشھداء والصدیقین وعباد اللہ الصالحین ولعنۃ اللہ علی اعدائھم اجمعین من یوم عداوتھم الی یوم الدین اور اس کے بعد حضرت سلمان محمدی

مصداق منا اہل البیت کے یہ دو شعر ہوں۔

ع وَفدت علی الکریم بغیرِ زادِ　　　　من الحسنات ادا نقلب السلیم

وحمل الزاد اقبح کل شیءٍ　　　　اذا کان الوفود علی الکریم

میں ایک وفد کی صورت میں اللہ کریم کے پاس بغیر زادِ راہ کے حاضر ہوا۔ نہ نیکیاں میرے پاس زادِ راہ تھیں نہ قلب سلیم ہی۔ لیکن جب سخی کریم کے پاس حاضری ہو تو زادِ راہ اُٹھا کر لے جانا اچھا نہیں۔

اِس کے علاوہ میر آنیس کا ایک شعر کتبہ میں درج ہو۔

۵. یہ تو کیوں کر کہوں میں لائق تعزیر نہیں　　　　پر تیرے رحم سے بڑھ کر میری تقصیر نہیں

اس کے نیچے میرا کوئی خطاب یا القاب۔ مولانا، علامہ وغیرہ کچھ نہ لکھا جائے صرف نام اس طرح سے ہو

العبد المفتقر الی اللہ الباری محمد لطیف انصاری

اگر امام باڑہ میں دفن ہونے کی سعادت نصیب نہ ہو تو اِسی کتبہ کے ساتھ مجھے قبرستان میں دفن کر دیجئے۔

کیونکہ امام بارگاہ حضرت حجت حق قائم آل محمد کی ملکیت ہے اور زمانۂ غیبت کبریٰ میں مجتہد جامع الشرائط اُس کے متولی ہیں۔ اِس لئے مندرجہ ذیل مراجع عظام و مجتہدین اعلام میں سے کسی ایک سے بعد دفن اجازت حاصل کر لی جائے۔

۱۔ حضرت آیۃ اللہ سرکار شریعتمدار سید محمد کاظم یزدی مدظلہ العالی۔

۲۔ سرکار آیۃ اللہ آقائے سید ابوالقاسم خوئی مدظلہ العالی

۳۔ آیۃ اللہ آقائے حجۃ الاسلام سید روح اللہ خمینی مدظلہ العالی

۴۔ حضرت آیۃ اللہ آقائے سید محمد شیرازی مدظلہ العالی جو آج کل کویت میں تبلیغ فرما رہے ہیں۔

۵۔ حضرت آیۃ اللہ حجۃ الاسلام سید محمد الحکیم مدظلہ العالی جو آج کل دبئی میں مقیم ہیں۔

میری اہم وصیت یہ ہے کہ میرے وَرثہ دنیاوی شہرت کے لئے میری تجہیز و تکفین پر مسرفانہ اخراجات نہ کریں۔ اور میرے ایصالِ ثواب کے لئے اگر مجالس عزا یا جلسہ ہائے فضائل یا میلاد آئمہ طاہرین کیئے جائیں۔ تو میری اُس میں مداح سرائی نہ ہو۔ اور مجھے اُن فضائل و کمالات سے نہ یاد کیا جائے جو مجھ میں نہیں

اور نہ میں اُن کا مستحق ہوں بلکہ فضائل سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام پر اکتفا کی جائے۔

گنہگار محمد لطیف انصاری

آخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیّد الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین المعصومین ولعنتہ اللہ علی اعدائہم اجمعین من یوم عداوتھم الیٰ یوم الدین۔

—کنیزِ زینب—
خلیلہ زینب

# مقدمہ نمبر (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ الذی جعل ابتلاء الانبیاء واوصیاءھم ذریعۃ لعلو درجاتھم ووسیلۃ الی معرفۃ اعیانھم وصفاتھم ولم یجعل ابتلاتھم بالرزایا موھنا الشان من شئونھم ومنافیا لعظمتھم وکراماتھم۔ وھدنا لنفرق من صفات الخالق تعالیٰ مجدہ وصفات مخلوقاتہ من ظھور مصائبھم ونوائبھم وعباداتھم والصلوٰۃ والسلام علیھم من اولھم الی آخرھم نبینا محمد المقتدیٰ بھداھم والمبتغی لرضاتھم وآلہ المیامین الفائزین الی درجاتھم من بدایتھم الی نھایتھم۔

جمیع حمد وثنا اُس خدا کے واسطے ہے۔ جس نے انبیاء اور اوصیاء کا مبتلاء مصائب ہونا ان کی بلندیٔ درجات کا ذریعہ مقرر کیا۔ اور ان کی ذات وصفات کے شناخت کرنے کا وسیلہ تجویز فرمایا۔ ان کا مبتلاء مصائب ہونا ان کی شان میں کمی کرنے والا نہیں اور ان کی عظمت وکرامت کے منافی نہیں اور ہم کو اُن کے مبتلاء مصائب ونوائب اور معروف عبادات ہونے سے ہدایت فرمائی کہ خالق ومخلوق میں فرق سمجھیں۔ کیونکہ خدا وہی ہے جو نقصان سے بری ہو اور درود وسلام ہو تمام انبیاء کرام پر اوّل انبیاء سے خاتم الانبیاء تک جو ہمارے نبی جناب محمد مصطفےٰ ہیں۔ جن کی ہدایت کی اقتداء کی جاتی ہے اور اُن کی خوشنودی مطلوب ہے اور درود وسلام ہو بعد آپؐ کے آپ کی آل پر جو پہنچے ہوئے ہیں۔ درجات انبیاء تک ابتداء انبیاء سے انتہا تک۔

**امابعد**۔ یہ ناچیز مؤلف کتاب اپنے بیان کو سرکار سید الساجدین زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام کی دُعا سے شروع کرتا ہے۔ حضور نے بارگاہ رب العزت میں اس طرح عرض کیا ہے۔ اللّٰھم لا تجعل مصیبتنا فی

دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا

اے ہمارے معبود ہمیں دین کی مصیبت میں مبتلا نہ کرنا. اور دنیا کو ہماری سب سے بڑی فکر قرار نہ دینا ایسے لوگوں کو ہم پر مسلط نہ کرنا جو ہم پر رحم نہ کریں. یا اللہ ہمیں نجات دے ان سب مصائب سے جن میں اس وقت مبتلا ہیں۔

**مذاہب کی افراط** عصر حاضر۔ دور مادیت ہے دور فتن ہے دور ابتلا ہے. یہی وہ زمانہ ہے. جس کے متعلق ختم الرسل محمد مصطفےٰ ارواحنالہ الفدانے فرمایا ہے. لا یبقیٰ من الاسلام الا اسمہ" اسلام میں سے کچھ باقی نہیں رہے گا. صرف اس کا نام باقی رہ جائے گا. دور حاضر مادیت کا دور ہے. تہذیب یورپ خالص مادی تہذیب ہے اس تہذیب وتمدن کے نشہ میں سرشار لوگ روحانی اقتدار سے بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں. گذشتہ صدی میں مادہ پرست یورپ سے یہ آواز بلند ہوئی تھی. کہ اس تہذیب وتمدن کے زمانے میں مذہب کی ضرورت نہیں. اس وقت مذہب کے خلاف دو عظیم الشان تحریکیں بڑے شدو مد سے کام کر رہی ہیں. مغرب میں مذہب کو ختم کرنے کے لئے جدوجہد ہو رہی ہے اور مشرق میں نئے نئے مذاہب پیدا ہو رہے ہیں. مغرب میں ایک ایسی تحریک موجود ہے. جو مذہب ختم کرنے کے درپے ہے یہ دشمن مذہب اشتراکیت" سوشلزم" ہے جو مذہب کو ختم کرنے کے درپے ہے. مشرق میں اس کے بظاہر برعکس مگر حقیقت میں مؤید تحریک نئے نئے مذاہب کا جنم دیتا ہے. کیونکہ جس قدر مذاہب کی افراط ہوتی جائے گی. اس قدر مذہب کا وقار کم ہوتا جائے گا. نیز یہ نیا جنم لینے والے مذاہب منہاج انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے خلاف مذہب کو مغربی سانچوں میں ڈھال کر عوام کو حلقۂ اقتدار میں لا رہے ہیں. ایسے مذاہب کو اگر علمبرداران تحریک مغربی کا ففتھ کالم کہا جائے تو یہ بیجا نہیں ہے. کیونکہ نوزائیدہ مذاہب کی پشت پر مغرب کی سیاسی اور سامراجی طاقتیں کام کر رہی ہیں. جن کا مقصد مسلمانوں میں ذہنی انتشار پیدا کرنا ہے. اور مسلمان سلطنتوں کو کمزور بنانا ہے۔

یورپ کی ایک سامراجی طاقت برطانیہ نے برعظیم پاک و ہند میں ایک نیا مذہب احداث کر دیا. جسے خود اعتراف ہے کہ وہ برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہے. یہ الفاظ بانی مذہب غلام احمد کے اس عرضداشت

میں ہیں جو اُس نے ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں ارسال کی تھی۔ اس طرح روس نے بھی ایران میں ایک نیا مذہب بابی و بہائی ایجاد کر دیا۔ اسلام کو دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق کرنے کے لئے کہیں پرویزیت سرگرمِ عمل ہے اور کہیں چکڑالویت اہلِ ذکر کے نام سے نئے نئے گل کھلا رہی ہے۔ سرکارِ رسالت نے اس دُنیا سے رخصت ہوتے وقت دو آزمائی ہوئی عظیم الشان چیزیں امت کی راہنمائی کے لئے چھوڑی تھیں۔ مسلمانوں نے دونوں سے بغاوت اختیار کرنے کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ کہیں قرآن کی نئی نئی تفسیریں ایجاد کی جا رہی ہیں۔ کہیں عترت و اہلبیت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا جا رہا ہے۔ اِس زمانے میں شیعیت بھی جس دور سے گذر رہی ہے۔ اُس پر یہ شعر صادق آتا ہے

ع آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

**واعظین کا فریضہ** ہماری فلاح و بہبود اور ہماری اصلاح کا بہترین ذریعہ ذکرِ سرکار سید الشہدآ تھا۔ درحقیقت میں مدرسۂ الٰہیات تھا حسین علیہ السلام کا غم مواعظ کو مُؤثر بناتا ہے۔ ہمارے سلفِ صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین اِس حقیقت کا عرفان رکھتے تھے۔ ہماری آج کل کی خطابت اُس سے بیگانہ ہو چکی ہے اُس میں انذار و تنذیر، مواعظ، پند و نصائح موجود نہیں ہوتے۔ اسی لئے ہم روز بروز عزاداری کی صحیح افادیت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمارے واعظین کرام اور ذاکرین کو جذبات و وجدانات کو تحریک میں لانا آتا ہے مگر تعمیر کردار کرنا نہیں آتا۔ وہ مجالس عزا کو تفریحِ مؤمنین کے لئے پڑھتے ہیں۔ تشکیلِ سیرت کے لئے نہیں۔ اُنہیں رُلانے میں شغف ہے۔ دل و دماغ بنانے کی طرف التفات نہیں اگر ہم صحیح معنوں میں عزاداری کو بجا لائیں تو ہماری قوم اِس حالت میں نہ ہو جس میں وہ اب ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجبات شرعیہ کا اہم ترین عنوان، فرائضِ عقل کا سب سے بڑا موضوع، حقیقت کی طرف بلانے کا مُؤثر ذریعہ اور کفر و باطل مٹانے کا کامیاب حربہ ہے۔ جس قوم نے بھی اس مقدس قانون سے غفلت برتی وہ اپنے ہاتھوں برباد ہوئی بلکہ ستمگاروں اور فریب کاروں کی جولان گاہ بن کر رہ گئی۔ بہر حال اس دور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو تو ہم چھوڑ ہی بیٹھے مگر کاش یہ غفلت

یہیں تک رہے اُس منزل تک نہ پہنچنے پائے کہ معروف منکر اور منکر معروف ہو جائے۔ راہبری کی رسم اُٹھ گئی آگے خدا حافظ ہے۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون۔

اب تو یہ اندیشہ لاحق ہے کہ کہیں خود راہنما نہ بھٹک جائیں ظھر الفساد فی البرّ والبحر۔ بر و بحر میں فساد رونما ہو گیا۔ نتیجہ تباہی اور مکمل تباہی (اصل و اصول شیعہ ص۱۰۳)

**دشمنانِ شیعہ کی چالاکی** اس دورِ فتن میں ہم شیعیان حیدر کرار کو یہ فراموش نہیں کرنا چاہیئے اور نہ ہی غفلت اختیار کرنی چاہیئے کہ شیعہ مذہب ہمیشہ سے آلام و مصائب میں مبتلا رہا ہے۔ قدیم زمانہ میں بھی اِن پر ناگفتہ بہ مظالم ہوئے اور اِس زمانہ میں بھی ان کی مخالفت جاری ہے۔ قدیم زمانہ میں بنی اُمیہ اور بنی عباس کے واقعات پڑھنے والے کی روح میں کپکپی پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ دور جہالت تھا۔ وہ بھیمیت اور بربریت کا زمانہ تھا اُس زمانے میں مظالم کی انتہا یہ ہے کہ ہمارے ائمہ میں سے دو امام تلوار سے شہید کئے گئے اور نَو کی زندگیاں زہر سے ختم کی گئیں۔ اُن کی زندگیوں کا اکثر زمانہ قید و بند میں گزرا۔ مگر اِن سب مظالم کے باوجود اسلام کا جو درد ہمارے معلّمین مذہب شیعہ یعنی آئمہ اطہار نے ہمارے دلوں میں پیدا کیا تھا ہم نے اسلامی فرقوں کو مسلم ہی سمجھ کر اُن کی تکفیر نہیں کی۔ لیکن اس دورِ حاضر میں اب مظالم کا رُخ بدل چکا ہے۔ آج کھلم کھلا اپنی ہوسِ خون آشامی کو پورا کرنا حماقت سمجھا جاتا ہے۔ دورِ حاضر کے مہذب انسان کی استہلاک و تخریب کی چالیں پُر سکوت دریا کی مانند ہیں۔ جس کی روانیوں میں نہ شور ہے نہ تموج لیکن سطح آب کے نیچے ایسے ایسے خوفناک مگرمچھ چھپے چلے آتے ہیں۔ کہ قوم کی قوم کو تباہ کر دیں۔ نہ دیکھنے والی آنکھیں دیکھ سکیں اور نہ سننے والے کان سن سکیں۔ اِس پُر سکوت طریق تخریب اور اِس آتش خاموش میں سب سے بڑا حصہ تعلیم کو حاصل ہے۔ "آپ جس قوم کو تباہ و برباد کرنا چاہیں نہایت خاموشی سے اُس کا طریقۂ تعلیم تبدیل کر دیں۔ جس سے اُس کی خصوصیات و امتیازات مٹ جائیں" وہ رفتہ رفتہ غیر محسوس طور پر ہلاکت و بربادی کے عمیق و مہیب غاروں میں کھنچتی چلی جائے گی۔ اُسے پتہ اُس وقت چلے گا جب وہ سکرات موت کی ہچکیاں لے رہی ہوگی (رازی۔ وارده کی تعلیم و سکیم اور مسلمان)

اسی کے لئے لارڈ میکالے نے اِس ملک کے امتیازی

صوصی امور کو مٹانے کے لئے برطانیہ کی اس ملک میں طریق تعلیم کو اختیار کیا۔ اس کے بعد جب ہندو نے یہ دیکھا کہ اس
لک کی آزادی پر ہمارا تسلط ہوگا جو تعداد میں مسلمان سے بڑھے ہوئے ہیں تو انہوں نے وہی سکیم اختیار کی جو انہوں
ے اپنے اُستاد انگریز سے سیکھی تھی کہ اس ملک میں مسلمانوں کی طریق تعلیم کو مٹا کر انہیں تباہ کیا جائے۔ جس پہ
س ملک کا سمجھدار مسلمان چیخ اٹھا تھا۔ ہندوؤں نے اس تحریک کا نام متحدہ قومیت رکھا۔ چنانچہ پنڈت جواہر لال
ہرو نے اپنے ایک مضمون میں جو رسالہ جامعہ میں ۳ر اکتوبر ۱۹۳۶ء میں چھپا تحریر کیا کہ یہ متحدہ قومیت پیدا
ں طرح ہوگی۔ پھر اس کے بعد، یو۔ پی کے وزیر تعلیم سوامی سمپورا نند کی وہ تقریر ملاحظہ فرمایئے جو اُنہوں نے
علیم کے موضوع پر تحریر فرمائی تھی۔ اس کے دوران میں وہ کہتے ہیں ہر وہ شخص جو ہندو مسلم تہذیب کے
ئم رکھنے اور اُس کو مدارس میں جاری رکھنے پر زور دیتا ہے۔ وہ یقینی طور پر ملک کو نقصان پہنچاتا ہے
ں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ چیز ہندوستان میں مفقود ہونی چاہیئے۔ جب ہندو مسلم تہذیبیں مٹ
ائیں گی تب ہی ہندوستانی تہذیب زندہ رہ سکے گی (اخبار ٹریبون و اخبار مدینہ)

تقسیم ملک سے پہلے تمام مسلمانوں کی تہذیب اور خصوصیات و امتیازات کو مٹانے کے لئے
ہندو کر رہا تھا۔ اب پاکستان بننے کے بعد سواد اعظم یعنی پاکستان کا کثیر تعداد فرقہ شیعی تہذیب، شیعی خصوصیات و
تیازات کو مٹانے کے لئے کر رہا ہے۔ ہم مختصر الفاظ میں یہ کہیں گے آنچہ برائے خود مپسندی برائے
دیگراں مپسند۔ جو کچھ تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کیجئے۔ اٹھائیس
سال گذر گئے ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ہماری شیعہ دینیات کو اس طرح الگ کر دیا جائے۔ جس طرح وہ مسلم
نیورسٹی علیگڑھ میں تھی مگر اسے کوئی نہیں سنتا۔

ع نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

اس طرح ہمیں اپنی تعلیمات سے بیگانہ بھی کیا جا رہا ہے اور ہمیں اپنے میں ضم کرنے کے لئے شیعیت
کے خلاف نئے نئے فتنے کھڑے کئے جا رہے ہیں۔ اسی دور کا یہ کارنامہ ہے کہ خاندان بنی عباس سے
علق رکھنے والا ایک عباسی محمود احمد بنی اُمیہ کی حمایت میں ایک کتاب لکھ کر خلافت معاویہ و یزید بنی اُمیہ

کے نظام حکومت کے گیت گا رہا ہے اور اپنے آباؤ اجداد عباسیوں پر طعنہ زنی کر رہا ہے۔ وہ بنی عباس جنہوں نے بنی اُمیہ کا قلع قمع کیا تھا اور اس خاندان کے بادشاہوں کی ہڈیوں کو بھی جزیرۃ العرب کی زمین میں رہنے نہیں دیا۔ کبھی کوئی مذہبی رسالہ یہ اعلان کرتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام اور یزید کی جنگ حق و باطل کی جنگ نہیں تھی۔ اکتوبر ۱۹۷۵ء کا رسالہ الاعتصام پڑھئے۔ کبھی شہادت عظمیٰ شہید کربلا کا انکار کر کے مسلمانوں کو ورطۂ حیرت میں ڈالا جا رہا ہے یہ دہلی کے مؤرخ مرزا حیرت کا کارنامہ تھا۔ اور شہادت عظمیٰ حسینؑ کو مسلمانوں کے دلوں سے محو کرنے کے لئے اس عظیم الشان قربانی پر اعتراض کئے جاتے ہیں ایک اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ کوئی اہم واقعہ ہوتا تو اللہ تبارک و تعالےٰ اس کو اپنی جامع اور معجز نما کتاب میں ذکر کرتا۔ وہ کتاب کہ جس کے متعلق ارشاد باری تعالےٰ ان الفاظ میں موجود ہے۔

مافرطنا فی الکتٰب من شیٔ (سورہ انعام آیت ۳۸ پارہ، رکوع ۱۰)

ہم نے اس کتاب میں ہر چیز بیان کر دی ہے کوئی ایسی چیز نہیں جس کا بیان نظر انداز کر دیا ہو۔

لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ کوئی خشک و تر ایسی چیز نہیں جو کتاب مبین یعنی قرآن میں موجود نہ ہو یعنی ہر خشک و تر کا ذکر اس کتاب محکم میں بیان ہوا ہے خواہ بطور تفصیل ہو خواہ بحیثیت اجمال ہو (سورہ انعام آیت ۵۹ پارہ، رکوع ۱۳)

ونزّلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیٔ ورحمۃ وبشریٰ للمسلمین (سورہ نحل آیت ۸۹ پارہ ۱۸ رکوع) اے رسول ہم نے تم پر قرآن نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور جو مسلمانوں کے لئے رحمت اور بشارت ہے۔

اعتراض اور امام حسین علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں کہ واقعہ کربلا کو تم لوگ بہت اہمیت دیتے ہو۔ اور ایسی بڑی مصیبت شمار کرتے ہو اور کہتے ہو کہ خلقت آدم سے آج تک ایسا عظیم الشان واقعہ نہیں ہوا پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ قرآن مبین میں اسے بیان نہ کرے۔ اللہ پر حق واجب یہ تھا کہ وہ پہلے امام حسین علیہ السلام کا نام اور نسب بیان فرماتا پھر اس عظیم الشان المیہ کے واقعہ کو بالتشریح بیان کرتا اور ان کے صبر و استحکام کو بیان کرتا پھر اس عظمت کو بیان کرتا جو اس واقعہ کی رب العزت کے

نزدیک ہے۔ اور افعال امام حسین علیہ السلام کے اجر کو جو اُس کے نزدیک ہے تفصیل سے بیان فرماتا۔ اور اُن کے قاتلوں سے جو انتقام لئے جانے والا ہے اُسے بھی ذکر فرماتا اِن باتوں میں سے کسی کا بھی ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں ہے اِس سے ہمیں یقین ہے کہ یہ سب باتیں بے اثر ہیں اور جو فضائل اور اجر تم بیان کرتے ہو سب خود ساختہ کہانیاں ہیں۔

**جواب** کیا کہنا اِس اعتراض کا یہ سوال جو تم نے کیا ہے اور جو اعتراض تم بیان کرتے ہو اُس پر ہم کو اور ہر ایک مسلمان کو جو خدا اور رسول اور قرآن پر ایمان لایا ہے مناسب ہے کہ اِن سب امور کی پوری پوری تحقیق کرے جن امور متعلقہ بہ شہادت عظمیٰ شہید کربلا کا تم نے انکار کیا ہے وہ سب کے سب قرآن مجید میں موجود ہیں۔

ع گر نہ بیند بروز شپرہ چشم  چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

اگر چمگادڑ کی آنکھ دن میں آفتاب عالمتاب کو نہ دیکھے تو اس میں آفتاب عالمتاب کا کیا قصور ہے جس زمانے میں یہ اعتراضات شائع ہوئے ہیں اُسی زمانے میں ان کے مسکت خصم جوابات دے دیئے گئے تھے۔

**علامہ غلام حسنین صاحب کنتوری** سب سے پہلے ہمارے استاذ الاساتذہ محقق غوامض شرعیہ و مدقق حکمات فلسفیہ عارف معارف مذہبیہ، ماہر معالم خفیّہ سدیدہ من القدیمہ والجدیدہ علامہ دوران نہابۂ زمان جناب قبلہ وکعبہ مولانا وملاذنا السید غلام حسنین صاحب کنتوری نے کتاب الحسینیۃ القرآنیہ لکھ کر حمایت مذہب کا ثبوت دیا۔ یہ کتاب لکھنؤ میں صادق المطابع میں چھپی اور شائع ہوئی۔ اور اُس کے بعد

**علامہ مقرب علی جگرانوی** ہمارے استاد اور اُن کے تلمیذ رشید ناصر ناموس رسالت، کاسر ناقوس غوایت زائر حقیقی ومعنوی حضرت مولانا مقرب علی زائر جگرانوی اعلی اللہ مقامہ نے کتاب الحسینیۃ القرآنیہ کا تکملہ لکھا اس تکملے کا نام الیواقیت السنیۃ فی تکملۃ الحسینیۃ القرآنیہ رکھا۔

یہ دونوں بزرگوار علم و فضل کے اعتبار سے یگانۂ روزگار تھے اور اکثر کتب کے مصنف تھے چنانچہ علامہ غلام حسنین کنتوری نے علوم دینیہ اور طب میں بہت سی کتابیں لکھیں، جیسا کہ روایات کربلا میں

اُن کی کتاب تاثیتین بہت مشہور ہے۔ طب میں اُنہوں نے شیخ الرئیس بو علی سینا کے قانون کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ اُن کا رسالہ ذینبیہ بہت مشہور ہے۔ سرکار مولانا استادنا مقرب علی زائر اس لئے زائر پکارے جاتے تھے۔ کہ انہوں نے عالم رؤیا میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کی زیارت کی تھی اور عتبات عالیات کے بھی زائر تھے۔ جب سرکار رسطوجاہ مولانا سید رجب علی ناشر مذہب اہلبیت کے ساتھ حج کے لئے گئے تو اُنہوں نے صاحب العصر کی شان میں نیمہ شعبان کو جو قصیدہ کہا تھا وہ اس قدر مقبول ہوا کہ اگلے روز انہیں عالم بیداری میں قائم آلِ محمد کی زیارت ہوئی۔ اُن کے ادب عربی کا یہ حال تھا کہ وہ بیس برس تک ایک عربی روزنامہ "النفع العظیم لہذا الاقلیم کے آیڈیٹر رہے۔ ان کی مشہور تالیفات یہ ہیں۔

(۱) ذریعۃ النجاۃ لیوم العرصات دو جلد۔

(۲) اربعین فی فضائل امیر المؤمنین ؑ

(۳) مناقب الصادقین من القرآن المبین

(۴) مثالب الکاذبین من القرآن المبین

اُن کا رسالہ تکملہ مطبع یوسفی میں طبع ہو کر شائع ہوا تھا۔ یہ دونوں کتابیں اس وقت موجود نہیں۔ مجھے خیال آیا کہ اس زمانے میں جبکہ واقعہ کربلا کو انسانی دلوں سے محو کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس نئے چیلنج کے جواب میں ان دونوں کتابوں سے اخذ کئے گئے مضامین اور ضروریات زمانہ کے لحاظ سے مزید اضافات کے ساتھ کتاب "کربلا کی کہانی قرآن کی زبانی" شائع ہونی چاہیئے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایک فالج کے مریض کو جو آٹھ سال سے بسترِ علالت پر ہے یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ ان ہر دو تصانیف سے اپنے حافظے کے ذریعے فائدہ اٹھائے اور دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق شائع کرے۔ یہ سرکار سید الشہداء ارواحنا لہ الفداء کا انفضال والطاف اور اُن کے ولی و فرزند الحجۃ القائم کی تائید سے یہ تمنا پوری ہو رہی ہے صاحبانِ علم سے التجا ہے کہ اس بات کو ملحوظ رکھ کر کہ ایک فالج زدہ دماغ مذہبی جذبے کے ماتحت اسے لکھ رہا ہے اگر اس علالت کی وجہ سے اور علم کی کمی کی وجہ سے کوئی اغلاط نظر آئیں تو مجھے اطلاع دیں۔ یا میرے بعد میری اولاد کو اطلاع دیں اور اس پر قلم عفو کھینچ دیں۔ میری اس کتاب کے اکثر مضامین میرے

ہر دو اساتذہ کرام کے علمی اقتباسات ہیں۔ اب اس دور پرفتن کے اعتراضات کا جواب سنیئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حوادث عظیمہ اور بڑے بڑے واقعات مہمہ کا بیان دو طرح سے ہوتا ہے۔

**نام لینا یا اوصاف بیان کرنا** پہلی تو یہی صورت ہے کہ جس پر یہ واقعات اور حوادث گزرے ہوں اُس کا نام و نسب بیان کر کے اُن واقعات کی تفصیل بیان کی جائے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ نام و نسب کو ظاہر کرکے فقط واقعات کا بیان ہو۔ اصول علم بلاغت کے عارف اور ماہر پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ نام و نسب کا ترک کر دینا بہت سے اغراض صحیحہ کی وجہ سے متکلم بلیغ اختیار کر لیتا ہے۔ ایک غرض یہ ہے کہ نام و نسب کا ترک کرنا صاحب واقعہ کی تعظیم و تکریم کا باعث ہوتا ہے۔ تاکہ اُس کی شان اور جلالت قدر متکلم یا مخاطبین کے نزدیک ظاہر ہو۔ ازاں جملہ یہی ہے کہ متکلم اور خاص کر وہ شخص جس کو آئندہ امور کا علم مثل موجودہ کے ہو۔ اُس کو اُس کا علم ہوتا ہے کہ اگر نام لوں گا تو لوگ اُس کی تحریف یا تبدیل یا اسقاط کر دیں گے۔ چنانچہ دیکھئے اِس آیت میں ھٰذا صراط علیّ مستقیم میں صراطُ علیّ کے لفظ کو عَلَیَّ سے بدل دیا۔ تاکہ نام حضرت علی کا نہ رہے اور اس طرح آیۂ مبارکہ سلام علی آل یٰسین۔ آلِ یٰسین پہ خدا سلام کرتا ہے بس الیاسین کر دیا۔ لیکن اِس آیۂ مبارکہ اَجَعَلْتُم سقایۃ الحاجّ و عمارۃ المسجد الحرام کمن آمن باللہ والیوم الآخر (سورہ توبہ پ ۱۰ ع ۹ آیت ۱۹)

اِس آیت میں نہ تحریف نہ تبدیل کر سکے اِس ہی خدا نے فرمایا تھا کہ آیا تم نے سقایت خانہ کعبہ اور عمارت مسجد حرام کی عظمت کو برابر عظمت اُس شخص کے کیا ہے جو خدا پر ایمان لایا۔ چونکہ یہاں پر نام جناب امیرؑ کا نہ تھا۔ لہٰذا کچھ نہ کر سکے۔ اِس آیت ولایت میں اِنّما ولیکم اللہ ورسولہ والّذین اٰمنوا الّذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون (پ ۶ ع ۱۲)

صرف تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان والے ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

اسی طرح اس آیت میں یا ایّہا الرسول بلّغ ما اُنزل الیک فی علیٍّ۔ اِس آیت

یں نبی علی زبانِ رسالت سے تفسیری الفاظ تھے۔ متن قرآن نہیں تھا۔ اس لئے ان تفسیری الفاظ کو بدل دیا، سورہ دہر کی کسی آیت میں تحریف نہ کر سکے جو اصحاب کساء کی شان میں ہے۔ اس لئے نام کی تصریح نہ تھی۔ بعض کم علم ناواقف جو اصول بلاغت سے بے بہرہ ہیں اُن کو یہ توہم ہوتا ہے کہ نام سب سے زیادہ معرفت اور شناخت میں کام دیتا ہے۔ لیکن ہم اس کو کم فہمی سے تعبیر کریں گے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ اکثر نام ایسے ہوتے ہیں جو مشترک ہیں، یعنی ایک ہی نام کے بہت سے آدمی ہوتے ہیں، پھر کہاں پتہ چل سکتا ہے کہ یہ کس کا نام ہے۔ اکثر نام چونکہ اُن فوائد پر مشتمل نہیں ہوتے، جن کے اظہار کا متکلم ارادہ کرتا ہے۔ لہٰذا اُن کے ذکر سے حاجت برآری نہیں ہوتی۔ اس آیت کو دیکھئے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ (پ ۲۲ ع ۲) جب کہتے تھے تم اے محمد اس شخص سے جس پر خدا نے انعام کیا اور تم نے اُس پر انعام کیا کہ اپنی زوجہ زینب کو طلاق نہ دے اور خدا سے ڈر یہاں جو مراد زید بن حارثہ ہے۔ اب اُن کے نام کی تصریح نہ کرنے سے جو کچھ اُن پر واقعہ ہوا ہے اُس کو صلہ موصول میں ذکر کرنا ہی خدا کی غرض تھی جو نام لینے سے فوت ہو جاتی تھی تو پھر جب یہ غرض حاصل ہو گئی تو دوسری آیت میں اُن کے نام کی بھی خدا نے تصریح کر کے فرما دیا۔ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَھَا۔ جب زید نے اپنی حاجت اس سے پوری کر لی ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا۔ اِن امور کو استادِ محترم علامہ غلام حسنین کنتوری نے اپنے رسالۂ زینبیہ میں بیان کیا ہے۔ پھر یہ بھی جان لو کہ کسی شخص کی شناخت جس طرح اُس کے اوصاف سے اور اُس پر جو واقعات گزرے ہیں اُن کے ذکر سے بھی پوری نہیں ہوتی، کیونکہ ہر ایک صفت کسی شخص سے مخصوص نہیں ہے۔ اسی طرح نام لینے سے بھی پوری شناخت نہیں ہوتی کیونکہ اس نام کے بھی اور چند آدمی ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ عباس رضا ابن حبیب رضا اور یہ دونوں نام باوجود پدر و پسر کی خصوصیت کے بلاد قریبہ و بعیدہ میں بہت سے آدمیوں کے پائے جائیں گے۔ لہٰذا ہم کو کسی عباس رضا کی شناخت میں اور بھی چند خصوصیات لگانے کی احتیاج ہو گی۔ محض باپ اور بیٹے کا نام لینے سے ہرگز پوری شناخت نہیں ہو سکتی۔ اب معلوم ہوا کہ ذکر صفات

اور نام لینا دونوں برابر ہیں۔ اب ہم نام لینے کی صورت میں کہتے ہیں۔ عمار رضا ابن حبیب رضا انصاری ساکن ڈسکہ تاکہ اِن مجموعہ قیود سے وہی عمار رضا سمجھا جائے جو ہمارا مقصود ہے۔ اور کسی دوسرے پر یہ مجموعہ صادق نہ آئے۔ اسی طرح اگر ہم اوصاف کا ذکر کریں اور نام نہ لیں اور جو واقعات کسی پر گزرے ہیں اگرچہ ہر ایک واقعہ کسی شخص خاص سے مخصوص نہ ہو مگر جب اُن واقعات کو جمع کرکے دیکھیں تب تو اُسی ایک آدمی پر صادق آئیں گے۔ اب ثابت ہوگیا کہ نام اور نسب کی تصریح نہ کرنا شناخت میں دونوں برابر اور یکساں ہیں، اب کچھ فرق نہ رہا، اب یہ شبہ اِس عقلی بیان سے زائل ہوگیا۔ اِس کو یاد رکھئے۔ اب ہم کو چاہیئے کہ اُن آیات کو بیان کریں جو شہادت امام حسین علیہ السلام پر پورے طور پر دلالت کر رہی ہیں، اور خدا سے اعانت طلب کریں کہ ذکر حالات امام حسینؑ پر جو آیات شامل ہیں اُن کے بیان کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ انعقاد حمل سے وضع حمل تک دودھ پینے اور دودھ چھوڑنے تک کے حالات بیان کریں۔ ہم آپ کی اُس نورانی خلقت کا ذکر آج نہیں کریں گے، جس کی وجہ سے ہم کو آپ کی نسبت کیا کچھ عقیدت ہے، تا بہ کہ آپ کو آپ کے ناناؐ عظیم اور مادر گرامی، پدر بزرگوار اور برادر عالی مقدار اور اولاد اطہار کو جو ہم بارگاہ خدا میں وسیلہ سمجھتے ہیں۔ ان کو بھی بیان نہیں کریں گے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ خوشی اور سرور، رنج اور غم ہیں اگرچہ تضاد ہے، مگر امام حسینؑ کو رنج وغم سے ایک خاص نسبت ہے یہ نسبت وہی ہے کہ آپ کی ذات جملہ اسباب رنج وغم کی جامع ہے۔ جیسا کہ خدا نے اِس بات کو آیت ابتلاء میں بیان فرمایا ہے۔ دوسری نسبت خاص امام حسینؑ کو اجتماع آلام سے یہ ہے کہ اجتماع مصائب سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں، اِن نتائج سے آپ کے مصائب کے نتائج جدا ہیں، اِس لئے کہ مصیبت جس شخص پر پڑتی ہے وہ ذلیل وخوار ہو جاتا ہے اور آپ کی عزت اور شان مصائب پڑنے سے بڑھ گئی ہے۔ تا ایں کہ خدا نے آپ کی مظلومیت اور مبتلاء آلام ہونے کو بقاء دین اسلام کا سبب قرار دیا۔ اِس بات سے امام حسینؑ کو ہر ایک ارباب مصیبت پر فوقیت ہوگئی کوئی ہو خواہ انبیاء ہوں خواہ اوصیاء انبیاء ہوں۔ اُن سب پر درود وسلام ہو، جبکہ ایسا حال اور ایسی صورت ہے۔ پھر یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ خدا اُس کو قرآن کریم میں ذکر نہ فرمائے حالانکہ خدا نے پہلے ذکر فرمایا اُن امور کا جن سے

پورا تعلق اور پوری خصوصیت امام حسینؑ کو ایسی ہے جس سے زیادہ کسی کو نہیں ہوسکتی اور وہ یہ ہے کہ پہلے آپ کے مبتلائے مصائب ہونے کا ذکر فرمایا اور پھر آپ کے انجام کا اور اپنی قدرت کاملہ کا جس پر ہمیں ایمان لانا ضروری ہے۔ قرآن میں اُن کا نام بھی موجود ہے۔ ہم نے اُن کے نام کی تصریح کو بھی اس مقدمے میں پیش کر دیا ہے۔ اسی طرح ہم اُن آیات کو پیش کریں گے جو سید الشہدآء امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا کے اوصاف سے تعلق رکھتی ہیں۔ یا ایسی آیات جو واقعات کربلا کو تفصیلاً بیان کر رہی ہیں۔

**ذبحِ عظیم** | پھر امام حسین علیہ السلام کے نام کو بھی قرآن مجید میں پیش کیا۔ صحیفہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ میں سرکار سید الشہدآء کا اسم گرامی اور نام نامی ذبح عظیم ہے۔ ذبح عظیم اسم معرفہ ہے نکرہ نہیں۔ عبرانی یا سریانی زبان کا لفظ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے وفدیناہ بذبح عظیم کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ ہم اس بیان کو مقدمہ نمبر ۲ میں پیش کریں گے اور وہاں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

وما توفیقنا الا باللہ وھو ولیّ التوفیق وبیدہٖ ازمّۃ التحقیق وانا العبد المفتقر الی اللہ الباری ابو الفضل محمد لطیف الانصاری

---

# مقدمہ نمبر (۲)

## مقالۂ تحقیقاتی

از خامہ علامہ سید محمد ذکی صاحب قبلہ سانوی اعلی اللہ مقامہ

# قرآنِ مجید اور امام حسین علیہ السلام

# ذبحِ عظیم

قرآنِ حکیم میں ذبحِ عظیم امام حسین علیہ السلام کا نام ہے۔ یہ اسم معرفہ ہے نکرہ نہیں۔

قرآن مجید میں ایسے کئی مقام ہیں۔ اور جو صاف طور امام حسینؑ کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ عجیب جگہ وہ ہے۔ جہاں امام حسینؑ کا نام بھی لے دیا اور ان کو ذبحِ عظیم کے نام سے یاد کیا۔ قرآن میں چھ سات ہزار آیات موجود ہیں۔ سورۂ والصفٰت آیت ۱۰۷ میں "ذبحِ عظیم" کے دو لفظ ہیں۔ ان لفظوں کی نسبت اہم سوال یہ ہے کہ یہ الفاظ کس زبان کے ہیں

حضرت ابراہیم کی زبان عربی نہیں تھی۔ بلکہ کوئی اور پہلی زبان تھی مثلاً عبرانی یا سریانی یا کوئی اور زبان۔ اور اسی زبان میں قدرت اپنے خلیل ابراہیم سے کلام کرتی تھی۔ جس کو اب ہماری خاطر سے قرآن میں نقل کر کے ہمارے سامنے رکھا گیا ہے۔ تاکہ ہم اس کو جان سکیں۔

سورۂ والصّٰفّٰت آیات (نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۷) کا ایک سلسلہ تو یہ ہے کہ سارا قصہ سنا دیا جائے۔

اور دوسرا حصّہ اس کے اثرات ہیں۔ اگر ہم ان میں سے صرف قصّہ پڑھیں تو یوں پڑھ سکتے ہیں۔
اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم تم نے اپنا خواب خوب سچ کر دکھایا (لیکن) ہم نے ذبح عظیم کو فدیہ قرار دے دیا۔ اس طرح پڑھنے سے پورا تسلسل باقی رہتا ہے۔ چونکہ اصل کلام یقیناً عربی کے سوائے کسی دوسری زبان میں تھا۔ اس لئے اب اس کا مطلب عربی میں تبدیل کیا گیا۔ اور قرآن کی سیاق (عبارت کی طرف) سے یہ خود بخود ثابت ہوگیا کہ "ذبح عظیم" کسی ایک شخص کا نام ہے۔
قوم کے منکرین پھر توجہ فرمالیں کہ قرآن کی تشریح و توضیح کے لئے یہ اصول مسلّمہ ہے۔ کہ اگر خود قرآن ہی اپنی تفسیر کردے تو وہ سب سے بہتر ہے۔ اور زیر بحث اصلی بات چیت ہرگز ہرگز عربی میں نہیں، بلکہ کسی اور پہلی زبان میں ہے۔ اور اس قدیم زبان میں کسی خاص شخص کا نام واقعات کی بناء پر "ذبح عظیم" ہے۔ چونکہ اصل الفاظ عربی میں نہ تھے۔ بلکہ کسی پہلی زبان میں تھے۔ اس لئے قدیم زبان کے تصور کو عربی الفاظ میں فرض نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ اُن کا ترجمہ کیا جاسکتا ہے۔ اور عظیم کے معنی بڑا نہیں لئے جاسکتے۔ بلکہ "ذبح عظیم" ایک خاص شخص کا ذاتی نام ہے۔ جس کا لغوی ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ یہ امر روز روشن سے بھی زیادہ نمایاں ہے کہ قدرت نے آواز دے کر حضرت ابراہیم کو چھری پھیرنے سے روکتے ہی فرمادیا کہ فلاں شخص کو فدیہ میں دے دیا۔ اور معاملہ ختم ہوگیا۔ اور یہاں سے ہی یہ خود بخود ثابت ہے کہ درمیان میں کوئی واقعہ ہرگز پیش نہیں آیا۔ اور نہ اس کی کوئی ضرورت تھی۔ اور نہ اس کے لئے کوئی جگہ یا گنجائش ہی تھی۔ اس لئے غلط سلط روایات کی بھرمار کے ذریعہ سے اللہ کے کلام پر حاشیہ چڑھانا شدید غلطی ہے۔ اور بہت سی لغو اور بے کار روایات کا پیش کرنا قدرت پر اعتراضات پیش کرنے سے بھی زیادہ بڑھ کر ہے۔ حالانکہ معاملہ نہایت صاف اور مختصر ہے کہ ذبح اسماعیل قطعی موقوف ہوکر اس دن پر منحصر کردیا گیا، جس دن ذبحِ عظیم نامی انسان کا ذبح عمل میں آیا۔
عربی دان حضرات کی طبع آزمائی کے لئے بھی یہ ایک اچھا موقع ہے۔ کہ لفظ ذبح اپنے مصدر کے معنی میں (گلہ کاٹنا، چھری پھیرنا) ذال مفتوح کے ساتھ ہے۔ لیکن قرآنِ مجید میں لفظ ذبح ذال مکسورہ سے تحریر ہے۔ جس کے معنی ذبیحہ (مذبوح) ہیں۔ اور اب یہ ایسا سنہری موقعہ ہے۔ کہ میں

سارے دلائل کی مجموعی قوت کے ساتھ تمام انسانوں سے یہ دریافت کروں کہ جب اللہ تعالےٰ نے اپنے خلیل کو آئندہ کے فدیہ کا مضمون بتلایا تو اللہ جل شانہ کے علم میں آئندہ زمانے میں فدیہ ہونے والے کا علم موجود تھا یا نہیں۔ تمام انسان پوری آزادی سے جو جواب چاہیں دیں۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالےٰ کے علم کا اقرار کریں گے وہ یہ کہنے پر مجبور ہیں، کہ اس شخص کا نام عالم الغیب کے علم میں موجود تھا اور ضرور موجود تھا۔ تو اب اس کا سبب بتلائیں کہ نام کی صریح موجودگی میں ذبحِ عظیم کے الفاظ اگر وہ عربی تھے۔ نکرہ کس طرح رہے اور عظیم پر الف لام کیوں نہیں لگایا گیا۔ جو عَلَم کی حالت میں عربی میں لگایا جانا لازمی تھا۔ اور اس کے بغیر تو کام چل ہی نہیں سکتا۔ ورنہ موقع یہ بھی تھا کہ ذبح اور عظیم دونوں لفظوں پر الف لام جُدا جُدا لگایا جاتا اور ان سب صورتوں کی صاف اور صریح مثالیں خود قرآنِ مجید میں موجود ہیں۔ غرض یہ امر بلا کسی شک کے ثابت ہے۔ کہ الفاظ "ذبحِ عظیم" نکرہ نہیں ہیں۔ بلکہ معرفہ ہیں اور ایک خاص شخص کا نام ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ ان پر الف لام نہیں لگایا گیا۔ کیونکہ اسمائے معرفہ پر عام قاعدہ کے مطابق الف لام نہیں لگایا جا سکتا۔

اس شخص کا نام صرف ایک لفظ ہو یا دو لفظوں سے مل کر بنا ہو۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا اگر اس کا نام زید ہو اور مثلاً عدیم المثال۔ بے نظیر۔ شہیدِ اُلدم حسینؑ مظلوم اور سید الشہداء ہو تو کیا غرض کوئی بھی صورت قابلِ اعتراض نہیں۔ کیونکہ اصل اختیار تو اس زبان کے ہاتھ میں تھا۔ جس میں یہ ادا ہوا۔ اور اس زبان نے اس شخص کا نام حقائق کے مطابق ذبحِ عظیم کے لفظ سے ادا کیا۔ جو ہمارے لئے ایک مکمل سبق کی صورت میں ہر وقت موجود ہے۔

قدرت نے اپنی مہربانی سے تفکر۔ تدبر اور تعقل کے خزانے ہم کو عطا کئے ہیں۔ اور قرآن مجید کے الفاظ میں حکم دیا ہے کہ اُن سے کام لیں۔ لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے ان خزانوں پر خود غرض اغیار کو قابض کر دیا۔ اور ہم خود ان کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ورنہ معمولی سے معمولی اور ادنیٰ سے ادنیٰ سوجھ بوجھ والے بیچارے آدمی اتنا تو سمجھ ہی لیتے کہ "ذبحِ عظیم" کے الفاظ اگر یہاں عربی میں آئے ہوتے تو امام حسینؑ کے بے مثال اور بے نظیر کام کو محض ذبحِ عظیم نہ کہا جاتا۔ بلکہ ذبحِ اعظم (سب سے بڑی قربانی) تو ضرور ہی کہا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ جس کا سبب صرف یہی ہے کہ وہ عبرانی زبان کا تخیل ہے۔ جس کے قواعد

اور محاورات کی نسبت ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔ اور ہماری غلطی یہ ہے کہ اس کو عربی فرض کرکے کج بحثی کیا کرتے ہیں۔ اگر حقیقت یہ نہیں تو ہمارے مہربان ارشاد فرمادیں کہ ذبح اعظم کیوں نہیں کہا گیا۔ جو عربی زبان ہونے کی صورت میں قطعی طور پر لازمی تھا۔

ذبح عظیم کا مقصد سمجھانے کی غرض سے اللہ تعالے اور اس کے پیغمبروں نے جو کچھ فرمایا یا عمل کیا اس کا ایک ایک جزو اس قدر واضح کردہ بجائے خود سیسہ پلائی ہوئی بنیاد کی مثال ہے اور اپنی جگہ سے کسی طرح بھی ہل نہیں سکتا۔ مثلاً حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے اسماعیل کو جبین کے بل لٹایا اور گردن کے پیچھے سے ذبح کرنا چاہا۔ جو عام صورت کے بالکل برخلاف تھا۔ کیونکہ ذبح ہمیشہ حلق کی طرف سے ہوتا ہے اور صرف بعض رگوں کے کٹ جانے سے ذبح مکمل ہو جاتا اور گردن کے پیچھے سے کوئی ذبح نہیں ہوتا۔ جدھر ہڈیاں ہیں۔ فرمائیے یہ کیا تھا۔

یہ مسلمہ تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی گردن سجدے کی حالت میں قفا (گدی) کی طرف سے کاٹی گئی ہے۔ اس لئے حضرت ابراہیم نے تمام دنیا کو پہلے ہی سمجھا دیا کہ جس شخص کا نام ذبح عظیم ہے وہ اس طرح سے ذبح ہوگا۔ جس طرح سے میں ذبح کرکے دکھانا چاہتا ہوں۔ اس لئے یہ علامت نہایت ہی خاص اور واضح علامت ہے۔ اور تمام دنیا خوب سمجھ لے اور کوئی غلطی شناخت میں کسی طرح نہ ہو سکے۔ اسی طرح یہ واقعہ بھی ساری دنیا نے مان لیا ہے۔ کہ امام حسینؑ سے بڑھ کر کوئی صابر نہیں ہوا۔ آپ صابروں کے سید اور سردار مشہور ہیں۔ اور حضرت اسماعیل نے اپنے صابر ہونے کا ذکر خود قرآن میں کر دیا۔ جس کے بعد یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت اسماعیل اور حضرت امام حسینؑ دونوں ہی صابر ہیں۔ یعنی صابر کا فدیہ صابر ہی ہو سکتا ہے۔ اور ایسا ہی ہونا لازمی ہے۔ اور کوئی غیر صابر، صابر کا فدیہ نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید میں صابر کا لفظ صرف اس لئے لایا گیا ہے کہ بڑی آسانی سے حضرت اسماعیل کا صابر ہونا بھی ثابت ہو جائے ورنہ اس واقعہ کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اور اس ذکر کے بغیر بھی قدرت کے حکم کی تعمیل ہو سکتی تھی۔ کیا یہ واقعہ بجائے خود کافی ثبوت نہیں اور اس کے علاوہ کسی دوسرے جز کی مدد دینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ذبح اسمٰعیل کسی ضرورت کے بغیر تجویز ہوا تھا۔ اگرچہ قرآن حکیم

میں اِس کا باعث اپنے لفظوں میں بیان کہیں نہیں کیا۔ لیکن گرد و پیش کے تمام واقعات بالکل سادہ اور مختصر ہیں اور ذبح عظیم بلکہ ذبح کربلا کے وجوہ کو اِس کی ایک نوعیت خودبخود ظاہر ہے جو اِس امر کا یقین دلاتی ہے کہ دونوں میں پوری مطابقت اور موافقت پائی جاتی ہے۔ وہی ایک کو دوسرے سے متعلق ثابت کرتی ہے۔ کتنی مختصر اور سیدھی بات ہے کہ حضرت اسمٰعیل کو ذبح کیا جانے والا تھا۔ لیکن صرف ایک سیکنڈ پہلے ذبح کو منتقل کر دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ کوئی فرض حضرت اسمٰعیل سے باقی رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ اب اُس فرض کی ادائیگی وارثان حضرت اسماعیل کے ہی ذمے ہے۔ اب حضرت امام حسین علیہ السلام بھی اِس عمل کے ذمہ دار ہیں۔ پھر اُن کے باپ دادا کے ذمے جو فریضہ تھا اُسے ادا کریں۔ چنانچہ اِس فرض کی ادائیگی میں امام حسین علیہ السلام خود ذبح ہو گئے۔ اور تمام فرائض پورے طور پر ادا ہونے کے بعد اور کوئی فرض اُن کے ذمے باقی نہیں رہا۔ اِس سے پہلے کسی جگہ قرآن کے سیاق (عبارت کے طرز) اور قرآن سے قرآن کی تفسیر کے الفاظ لکھے گئے ہیں۔ اُن کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت عیسیٰ بن مریم نے ہمارے رسول کے آنے کی خبر دی۔ تو اپنی مادری زبان سریانی میں فرمایا کہ اُس رسول کا نام احمد ہوگا اور قرآن مجید میں وہ واقعہ ہم کو سنایا تو بھی سریانی کے تخیل کا اصل لفظ احمد نقل کیا۔ اور عین وہی لفظ موجود رکھا حالانکہ ہمارے نزدیک وہ ہمارے رسول کا ذاتی نام نہیں بلکہ ایک صفت تھی۔ مغرور جاہلوں نے اسلام پر قہقہہ لگایا تھا وہ خود اِس کے نمونے کے طور پر اصولی سوالات سامنے رکھیں۔

(۱) حضرت اسمٰعیل کے ذبح کی کیا ضرورت تھی؟

(۲) اگر ضرورت تھی تو کس کو تھی؟

(۳) ذبح کا تمام سامان مکمل ہو جانے پر ذبح کیوں ملتوی کی گئی؟

(۴) ذبح اسمٰعیل کی جو ضرورت تھی، التوائے ذبح کے بعد اُس کا کیا انجام ہوا؟

(۵) آیا وہ ضرورت پھر کسی وقت پوری ہوئی؟

(۶) اگر پوری نہیں ہوئی تو آئندہ پوری ہوگی؟

(۷) تمام معقول سوالات جو اس سلسلے میں پیدا ہوں (کامیاب مجلس)

## نوٹ:

یہ مقالہ حبیب لبیب فخر ملت ڈاکٹر سید اجمل حسین رضوی نے عطا فرمایا ہے۔ ہماری سیدہ بہن جو ان کی رفیقۂ حیات ہے۔ ان کے والد محترم سید محمد ذکی اعلیٰ اللہ مقامہ کا ہے۔ اس کے لئے ہم اُن کے بہت ہی شکر گذار ہیں۔

ممنون احسان

**محمد لطیف انصاری سرگودھا**

# منزل ۱

## الله الله بائے بسم الله پدر
## معنی ذبح عظیم آمد پسر

**آیات** فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيٓ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۚ قَالَ يٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِينَ ۝ فَلَمَّآ أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ أَنْ يّٰٓإِبْرٰهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِينُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِينَ ۝ (سورہ الصافات پ۲۳ آیات ۱۰۷ رکوع ۷)

پس جب ہم نے ان کو (ابراہیم) بُرد بار فرزند کی بشارت دی۔ پس جب وہ فرزند ان کے ساتھ چلنے پھرنے کے لائق ہُوا تو اُنہوں نے فرمایا کہ اے میرے پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھتا کیا ہوں کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔ تم اب غور کرو کہ تمہاری رائے کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی بابا جان آپ کو جو حکم ملا ہے بجا لائیے۔ اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ پس جب دونوں نے اظہار اطاعت کیا اور باپ نے بیٹے کو جبیں کے بل لٹا دیا اور ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچا کر دیا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ پس یہ بھی کھلی آزمائش ضرور ہے۔ پس ہم نے اس کا فدیہ ایک بڑی قربانی مقرر کی ہے اور اس کے ذکر کو ہم نے آئندہ آنے والوں میں باقی رکھا ہے۔

ان سات آیتوں میں آیۂ ذبح عظیم میں شہادت امام حسین علیہ السلام کا ثبوت موجود ہے۔

ذبح بکسر ذال لغت عرب میں اس کے معنی وہ شے ہے جو ذبح کی جائے خواہ وہ انسان یا حیوان، چرند و پرند کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ آیات قرآنیہ میں مادہ ذ ب ح سے صرف تین لفظیں ہی آئی ہیں۔

۱۔ ذبح عظیم

۲۔ ما ذبح علی النصب

۳۔ ذبح بقرہ

جیسا کہ مشہور ہے انسان کا ذبح ہونا صرف دو انسانوں پر ہی واقع ہوا۔ یا حضرت اسماعیل علیہ السلام پر یا ہمارے نبی آخر الزمان ختم الرسل کے نواسہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر یہی دونوں مشہور ذبیحیں ہیں۔ ابراہیمؑ اور آپ کی امت میں ایسے امور عداوت کے نہ تھے جو امت کو برانگیختہ اور آمادہ کرتے رہے۔ ان امور پر جن پر امت محمدی کا ایک گروہ آمادہ تھا۔ اس لئے اس گروہ کی انتہائی کوشش رہی اور رہے گی کہ جس طرح ہو سکے۔ فرزند رسول کو ذبح کرے اور پھر نسل نبوت کو زمین سے اس طرح منقطع کیا جائے کہ کوئی نام لینے والا اس مذبوح کا اور ذکر کرنے والا اس واقعہ کا باقی نہ رہے۔ اس لئے اس گروہ کی سعی لاحاصل رہی ہے کہ اس مذبوح اعظم کی عظمت اور بزرگی کو مٹایا جائے اس شہادت سے انکار کیا جائے یا اس جہاد عظیم کو ایک سیاسی چپقلش قرار دیا جائے۔

دراصل یہ گروہ سخت غفلت میں مبتلا ہے۔ اسے یہ خیال نہیں بلکہ

ع

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اس تمہید کے بعد اصل مقصد کو بیان کرنا از بس ضروری ہے اور اصل مقصود یہ ہے کہ آیہ مبارکہ معنونہ سورہ والصافات میں ہے۔ اللہ تعالٰے ذبح اسماعیل کے متعلق فرماتا ہے۔

وفدیناہ بذبح عظیم

حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کا ذبح عظیم سے فدیہ دیا۔ اس ذبح عظیم سے مراد ہمارے سردار

الشہید آنحضرت امام حسین علیہ السلام ہیں۔ یہی آیت شہادت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام
دلیل ہے۔ اور ہم اس آیۂ مبارکہ سے اور اس کے سیاق و سباق سے اور ایسے تاریخی واقعہ سے ثابت کردیں
جن سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اِن دونوں ذبیح کے واقعہ میں چند امور مشترک ہیں اور چند امور متفرق ہیں۔
متفرق امور سے ہماری غرض یہ نہیں ہے کہ ذبحِ دوم یعنی شہادتِ امام حسینؑ کے واقعہ کو غلط ثابت کردیں۔
بلکہ یہ فرق اللہ تعالےٰ کی مصلحتوں اور حکمتوں کی زیادتی کا ہے۔ جن کی وجہ سے خدا اب ایسے واقعات عظیمہ
ظاہر فرماتا ہے۔ تاکہ انتظام عالم درست اور محفوظ رہے۔ اِن دونوں ذبیحوں میں مشترک امور بظاہر مشترک
ہیں۔ مگر ہم انہیں امور مشترکہ سے ذبح دوم کی عظمت ثابت کردیں گے۔

**امور مشترکہ** | یہ امور مشترکہ نوؔ ہیں۔

۱۔ دونوں ذبیح کے ذبح ہونے کی بنیاد خواب پر تھی۔
۲۔ دونوں ذبیح اپنے بزرگوں کے محبوب تھے۔
۳۔ دونوں واقعات کا علم قبل از وقوع لبیب یوم عرفہ کے ہوا تھا۔ یعنی ذوالحجہ کی نویں تاریخ سے ہُوا۔
۴۔ دونوں ذبیح بے جرم و خطا تھے۔
۵۔ دونوں واقعات شہر حرام یعنی ذوالحجہ کی دسویں اور محرم کی دسویں تاریخ کو واقع ہوئے۔ یعنی بعد عرفہ
اس حکمت الٰہیہ پر غور کیجئے اور ایمان لائیے۔
۶۔ دونوں واقعات وطن سے دُور غیر آباد زمین میں ہوئے۔
۷۔ دونوں ذبیح راضی برضائے الٰہی تھے اور اُن واقعات میں شامل بزرگوں نے حکم خُدا کو تسلیم کرلیا تھا۔
۸۔ دونوں کا پس گردن سے ذبح ہونا جو ذبح مروجہ کے خلاف ہے۔ واقع ہو رہا تھا۔
۹۔ دونوں ذبیحین کی ذبح میں چھری یا خنجر کا کند ہونا تھا۔

یہ سب امور ظاہر نظر میں تو مشترک نہیں۔ لیکن اصل حقیقت میں ذبح دوم کی عظمت ثابت ہوتی ہے
ذبح عظیم کا نام امام حسینؑ پر ہی صادق آتا ہے۔ اب ہم اس کی دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے
ثابت کریں گے۔

(۱) جو خواب حضرت ابراہیم نے دیکھا تھا وہ تو یہی تھا کہ حضرت خلیل اپنے فرزند کو ذبح کر رہے ہیں اور یہ اُن کو معلوم نہ تھا کہ اس میں کیا رمز ہے اور اُس کا سبب کیا ہے۔ لیکن حضور ختم رسل محمد مصطفیٰؐ کا خواب ان اسباب کا مظہر تھا۔ جن کے پیشِ نظر ذبح امام حسینؑ علیہ السلام واجب ہُوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو جو سورۂ بنی اسرائیل میں سرکار رسالت کو ہُوا۔

واذ قلنا لك ان ربك احاط بالناس

(اے رسول اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم سے کہا تھا کہ تمہارے پروردگار کا آدمیوں کے سب افعال و کردار پر علم محیط ہے)

اس آیت میں خدا نے یہ بیان فرمایا کہ اس کا علم انسانوں کے تمام افعال و کردار پر محیط ہے: نیک اعمال ہوں یا بد کیسے ہی کیوں نہ ہوں یہ بات تو ایسی ہے جس پر ہر مومن عقیدہ رکھتا ہے۔ پھر اس کے بیان کرنے کی خدا کو حاجت ہی کیا تھی۔ پس گویا یہ فرمانا تو توطیہ و تمہید کے طور پر ہے۔ پھر جو اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے

**شجرہ ملعونہ کا ذکر** وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ ۚ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝ (بنی اسرائیل آیات ۵۹، ۶۰ پ ۱۵ رکوع ۶)

اور وہ خواب جو ہم نے تجھ کو دکھلایا ہے۔ ہم نے اس کو نہیں مقرر کیا۔ مگر تمام لوگوں کی آزمائش اور قرآن میں وہ ایک درخت (نسل یا خاندان) جو لعنتی ہے اور ہم اُن کو ڈراتے ہیں اور سوائے اس کے کہ ان کی سرکشی بڑھے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔

مگر ان خوابوں میں فرق یہ ہے کہ جو خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھلایا گیا۔ بعینہٖ قرآن میں مذکور ہے۔ جیسا ابراہیم خلیلؑ نے اپنے بیٹے سے فرمایا۔

یا بنیّ انی اریٰ فی المنام انی اذبحك (اے بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ مگر حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰؐ ارواحنا له الفدا کا خواب قرآن میں تصریح موجود نہیں ہے کہ آپ نے کیا دیکھا تھا۔ اس لئے اب ہم کو جواب کی تفصیل حدیث نبوی سے معلوم ہوگی۔ اس کی

۔۔ایت جس پر قرآن نازل ہوا جو قرآن کا حقیقی مفسر ہے۔
سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ چند بندر میرے منبر پر
چڑھتے اور اُترتے ہیں اور اُس کی تفسیر یہ ہے کہ بنی اُمیہ سلطنت کریں گے اور ان کو غلبہ ہوگا۔ ہمارے
۔۔ویوں نے آئمہ علیہم السلام سے روایت کی ہے کہ اس خواب کو دیکھنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
۔۔لم کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔
شجرہ ملعونہ سے مراد بنی اُمیہ ہیں جیسا کہ فخرالدین رازی نے بھی اپنی تفسیر کبیر میں ابن مسیب
۔۔ے روایت کی ہے اور جو اُن کی ہندہ مادرِ معاویہ تھی۔ اللہ نے ہندہ کو بھی ایسا ہی خواب دکھلایا۔ جو
۔۔رکار رسالت کے خواب کے واسطے گویا تعبیر تھا۔ اس خواب کے متعلق شہر آشوب نے ابن عباس سے
۔۔ر اُنھوں نے ام المومنین عائشہ سے روایت کی ہے کہ ہندہ نے حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ میرے
۔۔ب کی تعبیر رسول اللہ سے دریافت کرو۔ سرکار رسالتؐ نے خواب سنا اس خواب نے حضرت سرورِ کائناتؐ
۔۔حزن وملال کو جو پہلے خواب سے تھا، تازہ کر دیا۔ اس خواب کی تعبیر وہ تمام واقعات تھے جو معاویہ
۔۔ر سرکار ولایت علی مرتضیٰ ارواحنا لہ الفداء کے مابین تاریخ میں موجود ہیں ہم اختصار کے پیشِ نظر چھوڑ
۔۔صرف تتمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ سرکار رسالتؐ نے فرمایا میرے فرزند حسینؑ کو یزید پسر معاویہ قتل
۔۔رے گا، اس وقت آفتاب سیاہ ہو جائے گا۔
آیۂ شجرہ ملعونہ میں فما یزیدھم الا طغیانا کبیرا میں اگرچہ لفظ یزید بطور فعل مضارع
۔۔ے استعمال ہوا ہے، مگر یزید کا لفظ بالفاظ طغیانا کبیرا واقعات کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ جو
۔۔رآن کی شان بلاغت اور اعجاز ایجاز کے شایان شان ہے۔ یہ دونوں خواب یعنی خواب سرکار رسالتؐ
۔۔راب ہندہ مادرِ معاویہ قرآن حکیم میں مذکور نہیں مگر چونکہ ان دونوں میں تلازم ہے۔ لہٰذا اجمالاً مذکور
۔۔ردیئے گئے اس اجمال کی تفصیل قول رسولؐ کے سوائے اور کیونکر قابلِ اعتماد ہو سکتی ہے۔ پھر کون
۔۔ہمیں منع کر سکتا ہے کہ ہم حدیثِ رسولؐ سے استدلال نہ کریں۔ اگر کوئی ہٹ دھرم حدیث کے
استدلال سے انکار کرے تو اس پر واجب ہے کہ اس مجمل خواب کی تفصیل کسی دوسری آیت سے

کرادے اور شجرہ ملعونہ اور فتنہ سے جو مراد خدا کی ہے وہ بھی کسی آیت قرآنیہ سے بیان کرے اور محض بیجا تعصب سے کام نہیں چلتا۔ جب ہم اس مقام استدلال پر پہنچے اور دلیل کو اپنے دعوے کے مطابق کر چکے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ لام فتنة للنّاس میں عہد کا لام ہے اور معہود ذہنی بنی اُمیہ ہیں اور شجرہ ملعونہ پر نصب بنا پر مفعول ہونے کے ہے اور استثنا دونوں مفعولوں سے متعلق ہے

رویا اور شجرۂ ملعونہ:۔ اب آیت کے یہ معنی ہوئے کہ رویا اور شجرۂ ملعونہ فتنہ ہیں مگر رویا کا فتنہ ہونا تمام خلق کی آزمائش کی وجہ سے ہے۔ اور شجرہ ملعونہ کا فتنہ عظیم ہونا جو قتل سے زیادہ بُرا ہے اس کو ہم آیۂ قتل بالشہر حرام الحرم کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

**امتحان اور آزمائش** خواب سید الانبیاء اور واحناء الفداء کا تمام خلق کے لئے فتنہ تھا۔ اس امر کو امام حسین علیہ السلام نے سفر عراق میں اپنے اعوان و انصار سے بیان کر دیا تھا۔ جیسا کہ آپؑ ان سے خطاب فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اگر میں اس مقام میں ٹھہر جاؤں تو یہ ہلاک شدہ مخلوق کس چیز سے امتحان خدا میں آئے گی۔ آیۂ قرآنیہ قول امام حسینؑ سے ثابت ہے۔

آیۂ شجرہ ملعونہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ واقعۂ کربلا تمام بنی نوع انسان کیلئے بالعموم اور امت محمد کے لئے بالخصوص امتحان و آزمائش تھا۔ اور تمام امت کو یہ امتحان شامل ہے اگرچہ وہ خیر القرون یعنی صحابہ ہوں۔ عقلاً بھی یہ امتحان صحابہ کے لئے خصوصیت رکھتا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک غیر مسلم تلسی داس گسائیں کا یہ قول قابلِ ذکر ہے:

ع دھرم دھیرج متر اور ناری۔ اُپت کال پرکھیئے چاری!

دینؔ و مذہب۔ صبر و استقلال۔ دوست و رفیق۔ بیوی و زوجہ یہ چاروں مصیبت کے وقت پرکھے جاتے ہیں۔

اُس زمانہ میں جو صحابہ زندہ تھے اور انہیں شجرۂ ملعونہ کے افعال کی اطلاع ہو چکی تھی۔ یزید نے دین خدا میں تغیر کر دیا تھا۔ فرزند رسول کو قتل کرایا۔ حتیٰ کہ حرمت رسول کی بے حرمتی کی۔ رسول زادیا

کو لوٹا قید کیا اور در بدر و شہر بشہر پھرایا ، اور خیر القرون کے دعویدار گھروں میں بیٹھے تماشہ دیکھتے رہے ۔ ابن جوزی نے جو متعد علیہم علماء اہلسنت سے ہیں کیا انصاف کی بات کہی ہے وہ کہتے ہیں کہ انس بن مالک انصاری جو غلام رسول اور رفدائے رسول اللہ کہلاتے ہیں کیا یہ رسول اللہ کا حق نہ تھا کہ وہ اُسی حق کی بنا پر ابن زیاد کو منع کرتے جب کہ وہ شقی حضرت امام حسینؑ کے دندانِ مبارک کو چھڑی سے مضروب کر رہا تھا جس طرح کہ زید بن ارقم نے ابن زیاد کو روکا اور منع کیا امت محمدیہ میں ایک گروہ ہمیشہ موجود رہا اور اب وہ خلافت معاویہ و یزید کی اشاعت کے بعد زور پکڑ گیا ہے ۔ شہدآء کربلا کی قبروں کو مٹانے کی ناکام کوشش کر رہا ہے ۔ مسلمانوں کی یکجہتی کو پارہ پارہ کر دینے کے لئے کوشش ہو رہی ہے ۔ جو حسب ذیل خبر سے جو ایک مذہبی رسالہ میں شائع ہوئی واضح ہے ۔

واقعہ یہ ہے کہ کربلا کو معرکۂ حق و باطل باور کرانے سے صحابہ کرام کی عظمت و کردار اور اُن کی دینی اہمیت مجروح ہوتی ہے اور شیعوں کا مقصد یہی ہے ۔ دیکھ لیجئے ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ واقعہ ایسا ہے یا نہیں ؟ دیکھئے مذہب اہلسنت کے ترجمان رسالہ الاعتصام میں لکھا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حق و باطل کا تصادم نہیں تھا ۔ یہ کفر و اسلام کا معرکہ نہیں تھا یہ اسلامی جہاد نہ تھا اگر ایسا ہوتا تو اسلام میں حسینؑ اکیلے نہ ہوتے ۔ اُن صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا تعاون بھی انہیں حاصل ہوتا ۔ جن کی پوری عمریں اعلاء کلمۃ الحق میں گزریں جو ہر وقت باطل کے لئے شمشیر برہنہ اور کفر و استبداد کے لئے خدائی للکار تھے یہ تصادم دراصل سیاسی نوعیت کا تھا (الاعتصام لاہور ۲۵ جنوری ۱۹۷۵ء صفحہ ۴) یہ غیر تحقیقی تحریر ہے ۔ اس سے اصحاب کبار کی آڑ میں یزید کی حمایت مقصود ہے ۔ کون کہتا ہے کہ صحابۂ اخیار نے واقعہ کربلا میں حصّہ نہیں لیا ۔ مندرجہ ذیل صحابہ کرام واقعہ کربلا میں اپنی جاں نثاری کا ثبوت پیش کر کے شہید ہوئے ۔

**صحابہ کرام معرکہ کربلا میں** (۱) حضرت زاہر بن عمر اسلمی کندی صحابیٔ رسول اور بیعتِ رضوان سے مشرف ہیں ۔ صلح حدیبیہ کے بعد غزوۂ خیبر میں شریک جہاد رہے ۔

(۲) حضرت شبیب بن عبد اللہ صحابی رسول تھے ، حارث بن سریع ہمدانی جابری کے غلام تھے ۔

(۳) عبد الرحمٰن بن عبد الرب انصاری خزرجی حدیث غدیر کے راوی اور شاہد تھے (اسماء الرجال ذہبی صفحہ ۲۷۷ طبع حیدر آباد دکن)

(۴) حضرت مسلم بن عوسجہ صحابی رسول ہیں۔ حملہ آذربائیجان میں شریک جنگ تھے۔ زمانہ جناب امیر علیہ السلام میں آذربائیجان کے گورنر رہے۔

(۵) حضرت حبیب بن مظاہر اسدی صحابہ رسول تھے۔ ابن کلبی نے ان کو صحابی رسول لکھا ہے۔

(۶) حضرت جناوہ بن حارث سلیمانی صحابی رسول تھے۔

(۷) حضرت مسلم بن کثیم صدقی آزدی صحابی رسول تھے اور پاؤں سے لنگڑے تھے۔

(۸) حضرت انس بن حارث اسدی ضعیف العمر صحابی رسول تھے، المیہ کربلا کے وقت ان کی عمر ۱۰۰ سال تھی یہ صحابی سرکار رسالت سے روایت شہادت امام حسین علیہ السلام کے راوی ہیں۔

(۹) بریر بن خضیر ہمدانی، سید القراء، ماہرین قرأت و تجوید سے تھے۔

(۱۰) حضرت عمار بن ابی سلامہ دالانی صحابی رسول تھے۔

(۱۱) حضرت ہانی بن عروہ جو کوفہ میں تھے اور حضرت مسلم بن عقیل ان کے گھر میں پناہ گزیں رہے، صحابی رسول تھے۔ ابن زیاد نے ان کو گورنر ہاؤس میں بلوا کر شہید کیا۔

(۱۲) عبداللہ بن لیقطر صحابی رسول تھے اور امام حسین علیہ السلام کے قاصد تھے۔ منزل بطن عتیق میں امام حسین علیہ السلام کو ان کے شہید ہونے کی خبر پہنچی۔

(۱۳) جابر بن عروہ غفاری خاندان ابوذر غفاری میں سے تھے، صحابی رسول تھے۔ بدر و حنین کی لڑائیوں میں حاضر تھے۔ ان کی عمر واقعہ کربلا کے وقت ۱۳۰ سال تھی انہوں نے اپنی خمیدہ کمر کو اپنے عمامہ کے ساتھ مضبوطی سے باندھا۔ اور اپنی ابروں کو جو بڑھاپا کی وجہ سے آنکھوں پر آگئی تھیں، انہیں اوپر اٹھا کر رومال سے باندھا امام حسین علیہ السلام اس وقت اس نظارہ کو دیکھ کر فرما رہے تھے۔ اے مرد بزرگ شکر اللہ سعیک

(۱۴) عبداللہ حنظلی صحابی رسول تھے۔ میدان کربلا میں نہایت شجاعت سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

**المیہ کربلا میں حاضر نہ ہونے والے صحابہ کا تجزیہ** صحابہ کے متعلق اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ کلہم عدول اگر کربلا کی جنگ سیاسی ہوتی تو یہ حضرات اس میں اس قدر جانثاری سے حصہ نہ لیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعہ کربلا ۶۱ھ میں ہوا یعنی سرکار رسالت کو اس دنیا سے روپوش ہوئے ۵۰ برس گزر چکے تھے۔ اس لئے صحابہ

کی یہ جماعت ضعیف العمری کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ اس لئے یہ جماعت المیہ کربلا کے وقت چند حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

(۱) جو صحابی انتہائی ضعف میں زندگی بسر کر رہے تھے وہ شامل نہ ہو سکے۔ جیسے جابر بن عبداللہ انصاری اولین زائر قبر حسینؑ ضعیفی کی وجہ سے جن کی بینائی ختم ہو چکی تھی اور اُن کے عصا کش عطیہ نے انہیں تربت سید الشہداء پہ پہنچایا تھا۔

(۲) وہ صحابی جن کو اس واقعہ کی خبر ہی نہیں ہوئی۔

(۳) وہ صحابی جو حکومت سے ڈر گئے تھے اور وہ واقعہ کربلا میں شامل نہیں ہوئے تھے۔

(۴) وہ صحابی جنہوں نے المیہ کربلا میں یزید کی ہر طرح حمایت کی۔

(۵) وہ صحابی جنہوں نے یزید کی سیاسی و ذہنی مدد کی مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب کی بیعت نہیں کی (فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۱۰)

**عبداللہ بن عمر اور بیعت یزید** انہوں نے جنگ جمل و صفین میں حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ نہ دیا اور امیر المومنین علیہ السلام کا ساتھ نہ دینے پر متاسف رہے فرماتے تھے کہ میں نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔ لیکن حق پر مقاتلہ افضل تھا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۱۵ طبع حیدر آباد)

معاویہ کی بیعت کی اور اُس کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ امیر معاویہ کے بعد جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو اُس کی بیعت کر لی اور فرمایا کہ اگر یہ خیر ہے تو ہم اس سے راضی ہیں اور اگر شر ہے تو ہم نے صبر کیا (طبقات ابن سعد جلد ۴ ق اول)

کچھ دنوں کے بعد مدینہ والوں نے جب فسخ بیعت کیا تو اُنہوں نے اپنے اہل و عیال کو بلا کر فرمایا کہ میں نے اس شخص کے ہاتھ پر خدا اور رسول کی بیعت کی ہے اور میں نے آنحضرت کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ باز کا ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا۔ اور سب سے بڑا فریب یہ ہے کہ خدا کا شرک کیا جائے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ پر خدا اور رسول کے لئے بیعت کرے اور پھر اس کو فسخ کر دے۔ اس لئے تم میں سے کوئی شخص فسخ بیعت میں حصہ نہ لے اگر کسی نے ایسا کیا تو میرے اور اس کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ یہ واقعہ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۵۳ پر مذکور ہے۔

العجب ثم العجب عبداللہ بن عمر عام مسلمانوں کے نزدیک ایک مقتدر صحابی کے فرزند ہیں حضرت علی علیہ السلام

کی بیعت سے انحراف اختیار کر لیا۔ وہ علی جو اسلامی زندگی کے ہر شعبہ میں علی ہیں اور اس کے مقابلہ میں معاویہ کی بیعت کی اور اس کی حکومت کو تسلیم کیا اور یزید ایسے فاسق فاجر کی بیعت کو اللہ اور رسول کی بیعت کہا۔ اور اس بیعت کے فسخ کو شرک قرار دیا اور اس بیعت کے فسخ میں حصہ لینے والے کو جنگ کا چیلنج کیا۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

**مدینہ میں لشکر یزید کے مظالم** | وہ یزید جس نے حرم رسول یعنی مدینہ طیبہ پر وہ شرمناک مظالم بپا کئے جن کو علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں مختصر طور پر اس طرح بیان کیا ہے۔

اہل مدینہ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو لشکر یزید کے ہاتھ سے پناہ میں رہا ہو۔ بہت سے صحابی رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین اور دیگر لوگ قتل ہوئے۔ مدینہ شریف تباہ و برباد کیا گیا۔ اور بدبخت لشکریوں نے ہزار کنواری لڑکیوں کا ازالۂ بکارت کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اہل مدینہ کو خوف زدہ کرے خدا اس کو خوفزدہ کرے اور اس پر خدا کے انسانوں اور فرشتوں کی لعنت ہوگی (مسلم (تاریخ الخلفاء اردو ص۱۴۳)

**مکہ میں مظالم** | یزید کے سپہ سالار حصین بن نمیر نے چالیس روز تک مکہ مکرمہ کا محاصرہ رکھا، کعبہ کی دیوار گرائی گئی اور خانہ کعبہ کو آگ لگائی گئی (تذکرۃ الکرام خلفائے عرب واسلام)

**ذبح عظیم** | ہاں اب باقی رہا امام حسینؑ کے ذبح عظیم ہونے کا اثبات سو ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں ذبیحوں میں دوسرا امر مشترک یہ ہے کہ یہ دونوں اپنے بزرگوں کے بیحد محبوب تھے۔ یہ بات ظاہر طور پر مشترک ہے کہ دراصل مشترک نہیں ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے فرزند سے جو محبت تھی۔ وہ محبت فطری تھی جو ہر باپ کو اپنے فرزند سے ہوتی ہے بلکہ وحشی جانوروں کو بھی ہوتی ہے۔ چونکہ آپ کی یہ محبت بے حد تھی اسی وجہ سے یہ محبت اس کا سبب ہوئی۔ کہ آپ کا امتحان ذبح اسمٰعیل سے لیا جائے۔

ع کہتا ہے خالق کہ ایسا پیار خوش آتا نہیں
اپنا عاشق اور کو چاہیئے ہمیں بھاتا نہیں

لیکن ہمارے نبی سرکار رسالت کو اپنے فرزند امام حسین علیہ السلام سے اس لئے بے حد

محبت تھی کہ اس فرزند کا راہ خدا میں ذبح کیا جانا بقاء دین اسلام کا باعث ہوگا۔ اس کا ذبح ہونا ذریعۂ شفاعتِ امت ہوگا۔ اب یہ بات بالکل الٹی ہوگئی یعنی محبت ابراہیم کا سبب ذبح اسمٰعیل ہے اور یہاں ذبح ہونا سبب محبت حسینؑ ہے۔ امام حسین علیہ السلام کو خود سرکار احدیت ربّ ذوالجلال سے ایسی محبت تھی کہ جو سب محبتوں پر بڑھی ہوئی تھی کہ اُس محبت کی وجہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنی ہر محبوب چیز کو ترک کرنا پڑا۔ اس حقیقت کا شاہد ایک واقعہ ہے۔

آٹھ ذی الحجۃ الحرام کی رات کو مکہ سے روانہ ہونے سے پہلے امام حسین علیہ السلام اپنی جدۂ محترمہ محسنۂ اسلام حضرت خدیجہ طاہرہ کی قبر مطہر پر محو مناجات تھے اور محبت الٰہی کی وابستگی میں بارگاہ احدیت میں عرض کر رہے تھے۔

ع ترکت الخلق طرًّا فی هواكَ	وایتمت العیال لکی اراكَ
فلو قطّعتنی بالحب اربًا	لما حنّ الفواد الی سواكَ

اے محبوب میں نے تیری محبت میں تمام خلق کو ترک کر دیا اور اپنے بچوں کا یتیم ہونا تیری محبت میں گوارا کر لیا ہے تیری محبت۔ بس اگر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں۔ تو جو دل میں تجھے دے چکا ہوں وہ کسی غیر کو نہیں دے سکتا۔ پھر یہ دونوں امور کیونکر مشترک ہو سکتے ہیں۔ اس بیان سے یہ ثابت ہوگیا کہ امام حسین علیہ السلام ذبح عظیم تھے اور ایسی عظمت کے مالک تھے۔ جس سے بڑھ کر کسی نبی یا امام کو یہ عظمت حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ہماری سمجھ میں آ سکتی ہے۔ وهو المطلوب

ے جیئے اُسی کے لئے اور مرے اُسی کے لئے
حسین نام ہے اس طرح کی محبت کا

**تیسرا امر** جو دونوں میں مشترک تھا یہی ہے کہ واقعۂ ذبح کا علم پہلے سے بسبب عرفہ کے ہوا تھا۔ یعنی نویں شب ذی الحجہ کو اس لئے کہ جناب ابراہیم جو دو بار یا سہ بار شب ہنم کے خواب میں اپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھ چکے تھے یقیناً معلوم ہوگیا تھا کہ حکم خدا یہی ہے۔ لیکن امام حسین علیہ السلام تو ابتدائے سن شعور سے ہی اپنا ذبح ہونا جانتے اور پہچانتے تھے۔ اس لئے کہ آپ کے جد بزرگوار رسول مختار

بار بار اُس کی خبر دے چکے تھے بلکہ آپ کو اپنے قاتل اور قتل گاہ اور روز شہادت اور جملہ واقعہ کا علم تھا بلکہ آپ کو اپنے ساتھ شہید ہونے والے شہیدوں کے نام بھی معلوم تھے۔ جیسا کہ روایات میں موجود ہے مگر چونکہ امام حسین علیہ السلام کا ایمان کامل تھا کہ خدا جس امر کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس بات کو چاہتا ہے ثابت اور برقرار رکھتا ہے۔ لہٰذا آپ کو انتظار علم قضائے مبرم کا تھا۔ جو مذبوح ہونے کے متعلق تھی، جناب رسولؐ نے اسی بارے میں فرمایا تھا اور شب نہم ذی الحجہ کو خواب میں کہہ دیا تھا کہ بس حسینؑ اب مکہ سے نکلو خدا نے مشیت حتمی اور قضائے مبرم سے تمہارا مقتول ہو کر دیکھنا ہی پسند فرمایا ہے۔ اس سے امام حسین علیہ السلام کا عرفہ حضرت ابراہیمؑ کے عرفہ کے مطابق ہو گیا، پھر نویں تاریخ محرم الحرام کا تیسرا عرفہ ہے کہ جس میں اظہار ہو گیا تھا کہ امام حسین علیہ السلام صبح عاشور کو خواب دیکھ رہے تھے۔ اس خواب میں فرمایا تھا کہ تم ضرور شہید ہو گے۔ اب ابراہیم علیہ السلام کو ایک عرفہ اور امام حسین علیہ السلام کو خواب میں بلکہ تین عرفے ہوئے اور اس سے فضیلت ثابت ہو گئی۔

**چوتھا امر:**۔ امر مشترک دونوں کا بے جرم و خطا ہونا تھا۔ حضرت اسمٰعیل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتا دیا تھا کہ میں تمہیں خواب میں ذبح کر رہا ہوں اور فرمایا تھا بیٹا تیری رائے کیا ہے۔ تو اس کے جواب میں حضرت اسمٰعیل نے عرض کیا یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین

**جناب امیرؑ کا خواب** جناب امیر علیہ السلام نے اس زمانہ میں خواب دیکھا تھا جبکہ آپ صفین کو جا رہے تھے۔ امام حسین علیہ السلام بھی ساتھ تھے امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ جب میرے والد بزرگوار زمین کربلا پر وارد ہوئے تو بیری کے درخت کے نیچے آپ اپنا سر برادر محترم امام حسن علیہ السلام کی گود میں رکھ کر سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو رونا شروع کر دیا، میرے برادر اکبر نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ یہ صحرا خون کا سمندر ہو گیا۔ اور میرا لخت جگر حسین اس دریائے خون میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور کوئی اس کی فریاد کو نہیں پہنچتا، امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ والد بزرگوار نے پھر مجھ سے پوچھا۔ کیف تکون یا ابا عبد اللہ اذا وقعت ھٰھنا الواقعۃ۔ حسین بیٹا تیرا کیا حال ہو گا۔ جب یہ واقعہ ظہور پذیر ہو گا۔ میں نے عرض کیا

یا ابت ستجدنی ان شاء اللہ من الشاکرین۔ بابا جان آپ انشاء اللہ مجھے شکر گزار پائیں گے

**صبر اور شکر میں فرق** حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے باپ سے عرض کیا تھا کہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور امام حسین علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا تھا کہ آپ مجھے شاکر پائیں گے۔ صبر اور شکر میں فرق ہے۔ صبر مصیبت پر ہوتا ہے اور شکر نعمت پر حضرت اسمٰعیل ذبح کو مصیبت سمجھ کر صبر کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ مگر امام حسین علیہ السلام راہ خدا میں ذبح ہونا نعمت سمجھتے تھے۔ حضرت اسمٰعیل کی عمر اُس وقت نو برس یا اس سے بھی کم تھی اور بوجہ نابالغی کے احکام شرع ظاہری کی تکلیف اُن پر نہ تھی۔ انہوں نے اس طرح عرض کیا تھا کہ اے والد آپ اس حکم خدا پر عمل کیجئے اور آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے مراد صبر سے ذبح کی ایذا تھی یا صبر سے مراد ماں باپ سے جدائی پر صبر تھا۔ اگرچہ صبر الم روحانی ہے مگر فطری اور خلقی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی یہ رنج ہوتا ہے۔ مگر بچے بوجہ غیر مکلّف ہونے کے ایسے صبر و تحمل پر کوئی اجر بھی خدا سے پاتے ہیں یا نہیں۔ اس کی تحقیق ہم آئندہ بیانات میں کریں گے۔ جو علم کلام کا ایک مسئلہ ہے۔ لیکن امام حسین علیہ السلام بالغ تھے اور مکلّف بامور شرعیہ تھے۔ اپنے اختیار اور نیک و بد کو سمجھنے کے بعد اپنا مذبوح ہونا اختیار فرمایا تھا تاکہ دین خدا کا بلند ہو اور اسلام باقی رہے۔ اور باوجود اس کے کہ معصیت خدا چشم زدن کے برابر بھی نہیں کی تھی۔ ہر قسم کے رجس سے خدا نے ان کو مع جد نامدار اور مادر گرامی اور پدر بزرگوار اور برادر عالیمقدار کے آیہ تطہیر نازل کر کے پاک رکھا تھا۔ لہٰذا وہ جناب بالغ معصوم ہیں۔ ان کا صبر کرنا اذیت پر اور خدا کے امر و نہی کا تسلیم کرنا عادل حقیقی کے عدل کے مطابق یقیناً موجب اجر و ثواب ہے۔ اب یہ چوتھا امر بھی مشترک نہ رہا اور فضیلت ثابت ہو گئی۔

**پانچواں امر:۔** مشترک یہ تھا کہ یہ واقعات ذبح شہر حرام میں رونما ہوئے۔ یعنی ذوالحجہ اور محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کو ہوئے۔ یعنی روز عرفہ دونوں ذبیح کا تھا اور دسویں تاریخ ذبح ہونے کا دن تھا

**چھٹا امر:۔** مشترک یہ ہے کہ دونوں کا ذبح اجاڑ اور غیر آباد زمینوں پر ہُوا۔ یعنی مکہ مکرمہ اور کربلا معلیٰ اجاڑ اور غیر آباد زمین کا اثر یہ ہے کہ آدمی کو وہاں دانہ پانی نہ ملے، بھوکا پیاسا رہے۔

اسماعیلؑ مکہ مکرمہ میں بھوکے پیاسے نہیں تھے ان کے والد بزرگوار نے اُن کو کھانا کھلایا اور پانی پلایا تھا لیکن امام حسین علیہ السلام زمین کربلا میں تین شبانہ روز بھوکے پیاسے رہے۔ لہٰذا زمین اُجاڑ اور ویران ہونا آپ کی نسبت درست ہے وہ اثر حضرت اسماعیل پر ظاہر نہ ہُوا۔

**ساتواں امر:** مشترک یہ ہے کہ دونوں حکم خدا کی تعمیل پر راضی تھے۔ یہ امر مشترک تو ضرور ہے۔ مگر حضرت ابراہیمؑ کے راضی ہونے اور امام حسینؑ کی رضا و تسلیم میں بڑا فرق ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے صرف ایک فرزند کی ذبح پر راضی ہوئے اور امام حسینؑ دو فرزندوں تین بھتیجوں دو بھانجوں اور نو عزیزوں اور تقریباً پچاس اصحاب و انصار کے ذبح ہونے پر راضی اور ہتک حُرمت اور اہل بیت کے قید ہونے پر رضامند ہوئے۔

مذبح کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی دو پوزیشنیں تھیں۔ یعنی جب خود ذبح ہوئے تو اسماعیل کربلا تھے۔ لیکن جب دو عظیم الشان بیٹوں کی قربانیاں دیں تو آپ ابراہیم کربلا تھے۔ ایک قربانی شبیہ رسول تھی جس نے اس قربانی کے لئے خود اپنے باپ کو رضامند کیا۔ جبکہ مکہ مکرمہ کے ابراہیم نے اپنے اسماعیلؑ کو رضامند کیا تھا۔ علی اصغر کی قربانی ایسی بے مثال قربانی تھی کہ اس کی مثال دُنیا میں نہیں ملتی۔ ماں حضرت رباب نے ان کو آنکھوں سے ذبح ہوتے دیکھا تو صرف ایک نقرہ کہا۔ اُمّلكَ مَنحر لئے بیٹا کیا تیرے جیسے بچے بھی نحر ہُوا کرتے ہیں۔ نحر تو تیرے سے بڑے جانور اونٹ وغیرہ ہوتے ہیں۔ اتنی قربانی پر رضامند ہونا ابراہیم کی ایک قربانی کی رضامندی سے بہت زیادہ ہے اس سے عظمت ذبح ظاہر ہوئی۔

**آٹھواں امر:** ذبح کا پس گردن پر ہونا تو حیوانات میں جاری نہیں۔ اور مجھے آج تک اس کا سبب معلوم نہ ہُوا۔ حالانکہ دو اجین کا کٹ جانا اس شکل میں دشوار ہے اور ایذا بھی زیادہ ہے۔ ہاں جب معلوم ہُوا تو خدا نے چھری کو کند کر دیا۔ اس کا باعث پیارے بیٹے پر ترحم ہے۔ تو کیا عجیب ہے کہ ابراہیمؑ کے دل میں ڈال دیا ہو کہ اس طرح لٹائیں کہ ذبح ہونے سے رکاوٹ پیدا ہو۔ لیکن ذبح حسینؑ ابن علی کا پس گردن سے ہُوا۔ چنانچہ زیارت ناحیہ مقدسہ میں ہے۔

## السلام علی المنحور فی الورئ

## السلام علی المذبوح من القفا

میرا سلام ہو اُس پر جو مخلوقات میں سے نحر کیا گیا۔ میرا سلام ہو اُس پر جو پس گردن سے ذبح کیا گیا۔ یہ غالباً اس لئے ہوا کہ امام حسین علیہ السلام سجدۂ معبود میں تھے۔ نماز جس طرح مومن کی معراج ہے۔ اسی طرح سجدہ نماز کا معراج ہے۔ مگر قاتل کی طرف سے ایسی صورت میں ذبح کرنا ایذا دینے کے لئے تھا یہ شقاوت جو قاتل نے کی ہے۔ مجھ میں اس کے بیان کرنے کی طاقت نہیں۔ دل بے قرار ہے اور آنکھوں سے قریب ہے کہ بجائے اشک کے خون جاری ہو۔

**نواں امر** جو باوجود دونوں ذبیحوں میں مشترک ہے، وہ چھری اور خنجر کا کند ہونا دونوں ذبیحوں میں تو مشترک ہے۔ مگر درحقیقت امر مشترک نہیں۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوری کوشش کی تھی کہ چھری کو پتھر پر رگڑ کر تیز کیا جائے۔ مگر خدا نے اُسے اپنی قدرت سے کند کر دیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل کا منہ کے بل لٹانا خدا کی حکمت سے تھا۔ خنجر کا امام حسین کے ذبح میں کند ہونا یہ شمر ملعون کی شقاوت و قساوت قلبی کی وجہ سے تھا۔ ہم اس کے متعلق بیان کرنا کچھ پسند نہیں کرتے۔ اس لئے کہ اس شقاوت پر دل پارہ پارہ ہو رہا ہے۔ الغرض ان دونوں ذبیحوں میں بہت سے امور مشترک ہیں۔ جن سے تقدیر شہادت امام حسینؑ بخوبی ثابت ہو گیا **الحمدللہ**

علامہ اقبال نے اِن دونوں واقعات پر اس طرح ایک شعر میں روشنی ڈالی ہے۔

ع غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسماعیلؑ

ابتداء اور انتہا میں جو فرق ہوتا ہے وہ اہلِ بصیرت پر واضح ہے۔ تعجب انگیز یہ بات ہے کہ اسماعیل کے واقعات کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن مجید میں بیان کیا۔ اُن کا بیان عبادت ہو گیا۔ ارکانِ حج بن گیا۔ مناسک حج شمار ہوا۔ اگر اسی قرآنی انداز میں امام حسین علیہ السلام کا تذکرہ کیا جائے تو کلمہ گو مسلمان اُسے شرک اور بدعت کہتے ہیں۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا ست تا بہ کجا

قرآن حکیم میں اللہ تعالےٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذکر میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّ الصفا وَالمروۃَ من شعائر اللہ ۔ (البقرہ آیت ۱۵۷ پارہ ۲ رکوع ۳)

بیشک صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے دو پہاڑیوں کو خدا کی نشانیاں کیوں قرار دیا۔ اس لئے کہ جب حضرت اسماعیل پہ پیاس غالب ہوئی اور حضرت ہاجرہ بے قرار ہو کر پانی کی تلاش میں نکلیں، کبھی دوڑی ہوئی مروہ سے صفا کی طرف جاتی تھیں اور کبھی صفا سے مروہ کی طرف۔ پس پانی کی جستجو اور اس کے لئے جد و جہد اللہ تعالےٰ کو ایسی محبوب ہوئی کہ اس کی وجہ سے ان دونوں پہاڑیوں کو شعائر اللہ بنا دیا اور حضرت ہاجرہ کی سعی کی نقل کو ارکان حج قرار دیا۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی مناسک حج میں سے ہے اور بڑی عبادت ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ ذبیح اوّل کی پیاس اور حضرت ہاجرہ کے لئے اُس کی سعی اللہ کو اتنی پسند آئی کہ اس کی نقل عبادت قرار پائی، حالانکہ حضرت اسمٰعیل کی پیاس زمزم کے نمودار ہونے سے ختم ہو گئی۔ حضرت اسمٰعیلؑ تو قربانی کی ابتدا ہے مگر حسینؑ جو قربانی کی انتہا ہیں، ان کی پیاس کو یاد دلانیوالی اشیاء علم و مشکیزہ کیوں من شعائر اللہ نہیں اور کربلا کے پیاسوں کے لئے آبروئے وفا کی لب فرات پر سعی و جہد اللہ کو کیونکر پسند نہیں ہوگی۔ اور اُن کا علم و مشکیزہ کیوں من شعائر اللہ نہیں ہوگا کربلا میں جو پیاسے تھے اُن میں تین امام معصوم تھے۔ سرکار سید الشہدآء و سید الساجدین اور امام محمد باقر علیہم السلام کچھ قاریٔ قرآن تھے کچھ عابد شب زندہ دار تھے کچھ مخدرات عصمت و طہارت تھیں کچھ ایسی تھیں کہ جن کی آغوش میں شیر خوار بچے تھے۔ پیاس کی وجہ سے اُن کا دودھ خشک ہو گیا تھا انہیں پانی بہم پہنچانے کے لئے سرکار وفا حضرت عباس وفا شعار نے جو قربانی دی وہ اپنی نظیر آپ ہیں اس سلسلہ میں دست ہائے مبارک کی قربانی دی۔ جہاں پر آقا حسینؑ کے بچوں کا پانی بہا وہاں اپنا خون بہا دیا۔ انصاف کا تقاضا اور قرآنی نص بتلا رہی ہے کہ علم و مشکیزہ شعائر اللہ ہے اور حضرت عباسؑ کی سعی اللہ کے نزدیک مشکور ہے۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ آیۂ مبارکہ وَالبُدنَ جَعَلنَا لکم من شعائر اللہ (سورہ الحج پارہ ۱۷ رکوع ۱۲ ) قربانی کا جانور جو حضرت ابراہیمؑ کی قربانی

کی نقل ہے۔ اللہ کے شعائر میں سے ہے۔ اگر ذبیح اوّل حضرت اسمٰعیل کی قربانی کو یاد دلانیوالے دنبے کی نقل من شعائر اللہ ہے تو قربانی کی انتہا حسین کی سواری کا وفا شعار ذوالجناح جس نے کربلا کے جہاد میں اپنے جسم کو تیروں کا نشانہ بنایا اور اس معرکۂ حق و باطل میں تین دن کی بھوک و پیاس میں حصہ لیا وہ یقیناً من شعائر اللہ ہے۔ اور شعائر اللہ کی تعظیم دلی تقویٰ کی دلیل ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا ہے۔ ذالک ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب (الحج آیت ۳۲ پارہ ۱۷ رکوع ۱۰)

تحقیق جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے یہ اس کے دلی تقویٰ کی دلیل ہے۔ اس قرآنی نص کی رو سے جو ہم کربلا کے شعائر اللہ کی تعظیم کرتے ہیں، وہ ہمارے دلی تقویٰ کی دلیل ہے۔ فتدبر ولا تکن من الجاھلین۔

---

# منزل (۲)

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ط اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۔ (سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ رکوع ۴)

اور جو شخص مظلوم قتل کیا جائے گا، ہم ضرور اُس کے وارث کو غلبہ دیں گے۔ پس وہ قتل میں زیادتی نہ کرے۔ بیشک وہ منصور ہے۔

اس میں امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت کا ذکر ہے۔ ایک لفظ مظلوم ہے گویا کہ یہ حضور سرکار شہادت کا نام ہو گیا ہے اور کسی دوسرے کے لئے کسی طرح راس نہیں آتا چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے حدیث میں فرمایا ہے مَنْ اَحَبَّ اَنْ تَكُوْنَ الْجَنَّةُ مَاوَاهُ فَلَا يَدَعْ زِيَارَةَ الْمَظْلُوْمِ یعنی جو شخص چاہتا ہو کہ بہشت اس کا مسکن اور جائے پناہ ہو پس چاہیئے کہ وہ مظلوم کی زیارت کو ترک نہ کرے۔ راوی نے عرض کیا مَنِ الْمَظْلُوْمُ وہ مظلوم کون ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تو مظلوم کو نہیں جانتا هُوَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ صَاحِبُ كَرْبَلَا۔ یعنی وہ حسین بن علی ہیں جو کربلا میں شہید ہوئے

بعض اوقات جب کوئی صفت انتہا کو پہنچ جائے تو نام ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ سرکار رسالت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت لفظ ذکر اس انتہا کو پہنچ گئی کہ وہ سرکار رسالت کے نام ہو گئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورہ طلاق میں ارشاد فرماتا ہے۔ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (سورہ طلاق پارہ ۲۸ رکوع ۱۷)

ترجمہ: یقیناً اللہ نے تمہاری طرف ذکر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جو تم کو خدا کی کھلی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے تاکہ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں۔ کفر کی تاریکیوں سے

ایمان کی روشنی کی طرف نکال لائے۔

اسی لحاظ سے اہلبیت رسالت کو اہل الذکر کہتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ فاسئلوا
اھل الذکران کنتم لا تعلمون ط اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے ہو۔ جس طرح سرکار رسالت کا نام
ذکر ہو گیا ہے۔ اسی طرح سرکار شہادت کا نام مظلوم ہے۔ جو آیت ہم نے عنوان کی ہے۔ اگرچہ وہ عام ہے اور
ظلم سے قتل کئے جانے والے مقتول کے وارث کے حق کو ظاہر کر رہی ہے۔ مگر اس آیت کے الفاظ ایسے ہیں۔
جس پر کافی میں سرکار صادق آل محمدؐ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت امام حسین علیہ السلام کے حق میں اتری ہے۔ اور
ایسا قرآن مجید میں اکثر ہے کہ خاص آیت کا مفہوم خاص ہونے کے باوجود عام پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔
یہ قرآن مجید کا اعجاز ایجاز ہے۔ اس آیت کا لفظ سلطان اور منصورا اس کی بین دلیل ہے کہ اس کا اطلاق خصوصیت
سے سرکار سید الشہدا پر ہو رہا ہے۔

معرکہ کربلا میں حق و باطل کا تصادم تھا۔ بظاہر امام حسین علیہ السلام یزید سے برسر پیکار تھے۔ مگر درحقیقت
یہ جہاد یزیدیت استبداد ظلم و جور، ستم و جفا، فسق و فجور، گناہ و معصیت عصیان و نافرمانی کی مارکیٹ کے
خلاف تھا اور رہے گا

یک حیلے نیست تا گردد شہید
ورنہ بسیار اند در دنیا یزید

یہ جنگ بعد شہادت جاری ہے اور وقت معلوم تک جاری رہے گی۔ قبل حسینؑ بھی جاری تھی۔
نمرود کے شداد کے، فرعون کے خلاف یہ جنگ اللہ کے نمائندے لڑتے رہے۔

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
این دو قوت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است (علامہ اقبال)

موسیٰ و فرعون، شبیر و یزید یہ دو طاقتیں زندگی سے پیدا ہوئی ہیں۔ مگر شبیری طاقت سے

حق (ہمیشہ کے لئے) زندہ ہوگیا (اگر یہ جنگ ہے) مگر آخر میں اس قوت سے جو شبیر علیہ السلام نے تخلیق کی ہے۔ آخر باطل نے حسرت زدہ ہو کر مرنا ہے۔

اگرچہ یہ جنگ ابھی جاری ہے مگر حسین علیہ السلام کے انداز جنگ ہیں، جس سے دُنیا میں استبداد کے خلاف دورِ حاضر کا انقلاب پیدا کیا ہے۔

یہ صبحِ انقلاب کی جو آج کل ہے ضَو — یہ جو چل رہی ہے صبا پھٹ رہی ہے پَو
یہ جو چراغِ ظلم کی تھرا رہی ہے لَو — در پردہ یہ حسینؑ کے انفاس کی ہے رو

حق کے چھڑے ہوئے ہیں جو یہ ساز دوستو
یہ بھی اسی جری کی ہے آواز دوستو

بہر کیف امام حسین علیہ السلام کا جو مقصد اس جہاد سے تھا وہ پورا ہوگیا۔ اس مقصد کے لئے جنگ جاری رکھنے کے بہترین انداز میں انہوں نے اپنی مہتم بالشان قربانیوں سے واضح کردیئے۔ سرکار سید الشہداء ارواحنالہ الفداء منتظر ہیں کہ اُن کی قربانیاں رنگ لائیں، شیطانی جدوجہد ختم ہو جائے۔ دُنیا جو ظلم و جور سے پُر ہے عدل و انصاف سے پُر ہو جائے۔ اس کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ جس کا قرآن حکیم میں وقت مقرر ہے۔ جب ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا تو رب العزت نے فرمایا۔ فاخرج منھا فانک رجیم وَاِنَّ علیکَ اللعنۃ الی یوم الدین۔ تو یہاں سے نکل جا اور فیصلہ کے دن تک کے لئے تجھ پر لعنت ہے۔ اس پر شیطان نے عرض کیا۔ قَالَ رَبِّ فَانظِرنی الی یوم یُبعثون قال فانک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم (الحجر آیت ۳۴، ۳۵ پارہ ۱۴ رکوع ۳) کہا پالنے والے اُس دن تک کے لئے مجھے مہلت دے دے، جس دن سب لوگ مبعوث کئے جائیں گے۔ فرمایا وقت معلوم کے دن تک کے لئے تجھے مہلت ہے۔ یہی وہ دن ہوگا جس دن امام مظلوم کے ولی حجت القائم حضرت مہدی آخرالزمان عجل اللہ فرجہ ظہور فرمائیں گے۔ دُنیا سے ظلم و جور اور فسق و فجور کا خاتمہ ہو جائے گا۔ دُنیا عدل و انصاف سے اس طرح پُر ہو جائے گی۔ جیسا کہ وہ ظلم و جور سے پُر تھی۔ اسی وقت امام حسین علیہ السلام کا مقصد پورا ہوگا۔ جبکہ ان کے ولی کو ظلم و جور، استبداد پر شاہانہ غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ جب ہر ینہ

سے قصاص لیں گے۔ امام حسینؑ کا قتل تمام انسانوں کا قتل تھا۔ جیسا کہ رب العزت نے سورہ المائدہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۖ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (سورہ المائدہ آیت ۳۲ پارہ ۶ رکوع ۹)

جو شخص کسی کو بغیر کسی شخص کے قصاص کے یا بغیر یعنی دین فساد کے لئے قتل کر ڈالے پس ایسا ہے جیسا کہ کل انسانوں کو قتل کر ڈالا۔ جس نے ایک نفس کو زندہ کر دیا تو اُس نے گویا کل آدمیوں کو زندہ کر دیا۔

سورہ بنی اسرائیل کی آیت میں جو اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مظلوم امام علیہ السلام کے ولی کو ایسا شاہانہ غلبہ ہوگا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کا قصاص لے گا۔ پھر ارشاد فرمایا۔ فلا یسرف فی القتل انه کان منصورا۔ وہ قصاص میں اسراف نہیں کرے گا۔ چونکہ وہ قصاص ایک ایسے انسان کا قصاص ہے۔ جس کا قتل تمام دُنیا کے انسانوں کا قتل اور جس کی زندگی تمام دنیا کے انسانوں کی زندگی ہے۔ اس لئے اُن تمام انسانوں کا قتل جو شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد بھی مقصد حسینؑ کے خلاف برسرپیکار رہے ہیں بھی اسراف نہیں ہے۔ امام حسین علیہ السلام کا ولی جیسا کہ آیۃ عنوان میں بیان ہوا ہے منصور ہوگا۔ یعنی کہ اللہ کی نصرت سے فسق و فجور پر غالب آئے گا۔ جور و استبداد پر غالب آئے گا۔ ادیانِ باطلہ پر غالب آئے گا وہ منصور عظیم امام حسین علیہ السلام کے مقصد کو پُورا کرے گا۔ اس کے ذریعہ دین اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا اور اہل اسلام کو دُنیا میں ایسی تمکین حاصل ہوگی کہ مذہب باطلہ دنیا سے محو ہو جائیں گے اور جاء الحق و ذھق الباطل ان الباطل کان زھوقا (پ ۱۵ ع ۹) کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ وہ دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا۔ جیسا کہ وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔ اس طرح ظہور امام علیہ السلام اور دُنیا میں قیام امن اور اسلام کے غلبہ کے متعلق کئی آیتیں ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لئے ہم یہاں ایک آیت پر اکتفا کرتے ہیں۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (سورہ توبہ آیت ۳۳ پارہ ۱۰ رکوع ۱۱)

وہ خدا ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ گو مشرکوں کو بُرا لگے اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے یہ پیشن گوئی فرمائی ہے کہ وہ دینِ حق جسے رسول خدا لائے ہیں۔ تمام ادیان پر ایک وقت میں غالب ہوگا۔ کوئی دین ایسا نہ آئے گا جو دینِ اسلام سے مغلوب نہ ہو جائے مگر معلوم ہے کہ تیرہ سو برس سے اس وقت تک کوئی زمانہ ایسا نہیں آتا جس میں تمام ادیان پر دین اللہ غالب ہوتا۔ حالانکہ یہ وعدہ الہٰی ہے جسے پُورا ہونا لازم ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ مُخْلِفَ وَعْدِہٖ رُسُلَہٗ سورۂ ابراہیم پ ۱۳ ع ۱۵ خدا اپنے وعدے میں جو رسولوں سے کیئے گئے ہیں کبھی خلاف نہیں کرتا۔ پس یہ وعدہ کیونکر بغیر ایفا کیئے رہ سکتا ہے۔ اور جب ایسا ہے تو اب یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ کون سا وقت ہوگا جس میں وعدہ الہٰی پُورا ہوگا۔ اگر معلوم ہو جائے تو سبحان اللہ جب ہم نے احادیث سے تلاش کیا تو معلوم ہُوا کہ یہ زمانہ وہ زمانہ ہوگا جس میں رسول اللہ کا فرزند مہدیٔ آخرالزمان عجل اللہ فرجہٗ جو سلسلۂ ائمہ اثنا عشر کا بارہواں رکن ہے۔ جو امام حسن عسکریؑ کا فرزند اور امیرالمؤمنین علی علیہ السلام کا پوتا اور خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ کا بیٹا ہونے کے لحاظ سے نواسہ ہے ظہور فرمائے گا۔ اُس وقت یہ وعدہ پورا ہوگا اور اُس حجت خدا کو دل سیّد الشہداء ہونے کے لحاظ سے شاہانہ غلبہ حاصل ہوگا۔ یقیناً اس وقت یہ وعدہ پورا ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث صحیح ہے بلکہ حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہے۔ جیسا سنن ابن داؤد میں مروی ہے اور ابن صباغ مالکی نے اپنی کتاب فصول مہمہ کے ورق ۲۸۴ پر لکھا ہے۔ یہ قلمی نسخہ کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ میں موجود ہے۔ سرکار رسالت فرماتے ہیں۔ قَالَ لَوْ لَمْ یَبْقَ مِنَ الدَّھْرِ اِلَّا یَوْمٌ لَبَعَثَ اللّٰہُ رَجُلًا مِّنْ اَھْلِ بَیْتِیْ یَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا۔ اگر زمانے کا صرف ایک دن بھی رہ جائے گا تو تب بھی اللہ تعالےٰ میری اہلبیت میں سے ایک شخص کو مبعوث فرمائے گا جو زمین کو عدل سے بھر دے گا جس طرح وہ جور و ظلم سے بھری ہوگی۔ دوسری روایت اسی کتاب میں ابوداؤد ترمذی سے نقل کی ہے۔ جو ابوسعید خدری تک سلسلۂ روایت پہنچاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سُنا فرماتے تھے۔ اَلْمَھْدِیُّ مِنِّیْ اَجْلَی الْجَبْھَۃِ

الاقنی الانف یملاء الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلما وجوراً۔ مہدی مجھ سے ہوگا یعنی میرے فرزندوں میں سے ہوگا جو روشن پیشانی ہوگا اور اونچی ناک والا زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ جور وظلم سے مملو ہوگی۔ پھر ورق ۲۸۵ پر لکھا ہے۔ المهدی ولدی وجهه کالقمر الدری واللون منه لون عربی والجسم جسم اسرائیلی یملاء الارض عدلا کما ملئت جورا یرضی بخلافته اهل السموات والارض والطیر فی الجو یملک عشر سنین۔ مہدی میرا فرزند ہوگا۔ اس کا چہرہ مثل قمر روشن ہوگا، رنگ اس کا عربی رنگ ہوگا جسم اس کا اسرائیلی جسم ہوگا۔ زمین کو عدل سے بھر دے گا جس طرح وہ جور سے مملو ہے اس کی خلافت سے اہل آسمان و زمین اور فضا کے پرندے بھی راضی ہوں گے وہ دس سال بادشاہ رہتے زمین رہے گا۔ اس سلسلہ میں بے شمار روایات کتب میں موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوا کہ ایک دن دنیا میں خاص روز آنے والا ہے۔ یہ دن وہی دن ہے۔ جسے ہم یوم وقت المعلوم والی آیت میں لکھ چکے ہیں جس میں شیطان کی مہلت و زمانہ ختم ہو جائے گا۔

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی جنگ یزید سے بظاہر تھی۔ لیکن وہ حقیقتہً یزیدیت سے جنگ تھی جو ابھی تک ختم نہیں ہوئی اور ان کے دل کے غلبہ پر ختم ہوگی۔ امام حسین علیہ السلام کا مقصد یعنی دنیا میں قیام امن پورا نہیں ہوا۔ اس لئے ان کی کربلا میں پانی کی پیاس ختم ہوگئی۔ مگر جو اصل پیاس تھی وہ ختم نہیں ہوئی یہ امر حیرت انگیز ہے کہ غیر مسلم مفکروں کو اس کا احساس ہے۔ مگر مسلمان مفکروں کی نظروں سے اوجھل ہے سندھ کے ایک ہندو مفکر سادھو ٹی۔ ایل۔ بسوانی جو مہندرا کالج پٹیالہ کے پرنسپل تھے۔ اس عظیم ملازمت کو چھوڑ کر انہوں نے پوجا پاٹ اور تپسیا کے لئے بن باشرم اختیار کر لیا تھا۔ اس زمانہ میں وہ آلہ آباد کے ایک ماہوار رسالہ ویدک میگزین کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ انہوں نے اس رسالہ کی اکتوبر ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں ایک مضمون سپرد قلم کیا تھا۔

کربلا کا پیاسا شہید اس عنوان کے متعلق یہ غیر مسلم مقالہ نگار لکھتا ہے کہ پیاسا شہید سے میری مراد پانی کا پیاسا نہیں ہے۔ کیونکہ بعد شہادت ان کی پیاس بجھ چکی ہے۔ لیکن انہیں پیاس تھی کہ ظلم و ستم مٹ

جائے۔ پاپ کا ناس ہو جائے۔ امام حسین علیہ السلام کی یہ پیاس نہیں بجھی، جب تک گناہ و ظلم دنیا میں موجود ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کی ابدی خواب گاہ کربلا سے آواز آرہی ہے کہ ظلم و استبداد فسق و فجور کے مٹانے میں میری مدد کرو اور میری پیاس کو بجھاؤ۔ کیونکہ بدکاری و بدکرداری ظلم و استبداد کا ستیاناس کرنا ہر دھرم کا رکشن ہے۔ اس لئے ہر دھرم کے پرشن کو محرم کی یادگار منانا چاہیئے۔ جب غیر مسلم اس کی افادیت کے اس طرح معترف ہیں تو ہم سب مسلمانوں کو خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں یہ یادگار مل کر منانا چاہیئے کیونکہ امام حسین علیہ السلام کسی خاص فرقہ کا اجارہ یا مناپلی نہیں ہے۔ بلکہ وہ سب مسلمانوں کا سرمایۂ افتخار ہے۔ ہمیں اسلام کی بقاء و فروغ کے لئے حسین علیہ السلام کی پیروی کرنا چاہیئے۔

# منزل (۳)

## آیہ اکراہ حمل و وضع

اس سلسلہ میں بارہ آیتیں ہیں۔ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسٰنًا ط حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ کُرْھًا وَّوَضَعَتْہُ کُرْھًا ط وَحَمْلُہٗ وَفِصٰلُہٗ ثَلٰثُوْنَ شَھْرًا ط حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ط (پارہ ۲۶ سورہ احقاف رکوع ۲ آیت ۱۴)

ترجمہ: ہم نے وصیت کی ایک خاص انسان کو۔ اپنے والدین کے حق میں احسان کرنے کا حکم دے دیا۔ اُس کی ماں نے تکلیف سے اس کو حمل میں رکھا۔ اور تکلیف ہی سے اس کو جنا اور اُس کے حمل کی اور اُس کے دودھ چھٹنے کی مدت تیس مہینے ہوئی۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوگیا۔ تو اُس نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری اُس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر مبذول فرمائی ہے اور میں کوئی ایسا نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور میرے لئے میری اولاد میں صالح پیدا کر دے۔ بیشک میں نے تیرے حضور میں رجوع کیا ہے۔ اور یقیناً میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

اس آیت کی تخصیص سے پہلے ہمیں معلوم کرنا چاہیئے کہ خدا نے انسان کو والدین سے نیکی سے پیش آنے کا تین آیتوں میں حکم دیا ہے۔ سورہ عنکبوت میں یوں فرمایا ہے۔ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا ط وَاِنْ جَاھَدٰکَ لِتُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ

عِلمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ط (سورہ العنکبوت پ ع ۱۳ آیت ۸)

ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ وہ ماں باپ سے نیکی کرے اگر وہ دونوں تجھ کو شرک بنانے کی کوشش کریں۔ ایسی بات سمجھا کر جسکا تجھے علم نہ ہو تو بعد علم کے ان کی اطاعت نہ کرو

یہ آیت جملہ مولودین کو شامل ہے۔ مگر معصوم کی اولاد کو شامل نہیں اس لئے کہ معصوم نہ تو خود مشرک ہوتا ہے اور نہ اولاد کو شرک کی تعلیم دیتا ہے۔ بشرطیکہ معصوم کا وجود مانا بھی جائے۔ اس آیت میں خدا نے وصیت کا سبب بھی ذکر نہیں فرمایا۔ پھر سورۂ لقمان میں فرمایا۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ج حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ط إِلَيَّ الْمَصِيرُ۔ (سورہ لقمان آیت ۱۴ پ ۲۱ ع ۱۱)

ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں وصیت کی۔ اس سبب سے کہ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو حمل میں رکھا اور دو برس میں بعد ولادت اس کا دودھ چھٹا۔ یہ حکم دیا کہ تو میرا بھی شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ آخری بازگشت میری طرف ہی ہوگی۔

یہ آیت بھی ہر انسان کو سوائے معصوم کے شامل ہے۔ کیونکہ اس آیت کے آخری حصہ میں بھی ماں باپ کی طرف سے ترغیب شرک کا ذکر ہے۔ اس آیت کی خوبی یہ ہے کہ اس کی ترتیب نہیں۔ اجمالاً وصیت میں وصیت کا ذکر فرمایا اور اس کی تفسیر فرمائی۔ پھر اس وصیت کی شکر گزاری پر شکر کا سبب جملہ معترضہ بیان فرمایا۔ اس کے بعد وصیت کی تفسیر فرمائی کہ کس کے لئے شکر گزاری کرو۔ پہلے خدا نے اپنی شکر گزاری کا ذکر فرمایا۔ کیونکہ خالق اصل میں مولود کا وہی ہے جو ماں کو حمل کے بار اٹھانے کی قوت دیتا ہے اور باپ کو اسی خدا نے قوت تولید عطا فرمائی ہے۔ اس کے بعد ماں کی شکر گزاری کا ذکر فرمایا۔ اس لئے کہ اس نے ایام رضاعت میں جفاکشی کی ہے اور باپ کی شکر گزاری اس لئے کہ ماں کے حاملہ ہونے اور دودھ والی ہونے کا سبب ظاہری وہی ہے۔

کتاب العیون میں امام رضا علیہ السلام سے ایک حدیث منقول ہے۔ جس کا ایک جزو یہ ہے کہ اللہ نے بندے کو اپنا شکر ادا کرنے کا بھی حکم دیا ہے پس جو شخص اپنے والدین کا شکر گزار نہ ہو۔ گویا اس نے خدا کا شکر ادا نہیں کیا۔ نیز انہی حضرت سے یہ بھی منقول ہے جو شخص بھی اس پر احسان کرنے والا ہو۔ جو اس کا شکر ادا نہ کرے

اس نے خدا کا شکر ادا نہیں کیا۔

اس آیت میں بھی زمانہ حمل کا ذکر مثل آیت سابق کے نہیں ہے بلکہ رضاع کامل کی مدت کا ذکر ہے۔ لہٰذا جو بچہ چھ مہینے کا یا ستمانسا خواہ نو مہینے کا پیدا ہو سب کو یہی آیت شامل ہے بلکہ اس مولود کے لئے پورا پورا رضاع ضروری ہے جو ضعیف الخلقت ہو اس لحاظ سے وھن کا لفظ جو آیت میں دوبارہ ہے۔ مولود کی صفت ہوگی۔ کچھ کیوں نہ ہو مگر جو امور دونوں آیتوں میں مذکور ہیں وہ سب امور فطری ہیں۔ ہر ایک ماں اور باپ اور بیٹیاں ان سے موصوف ہوتا ہے اور اس کو یہ امور شامل ہیں۔ اب باقی رہا تیسری آیت کا بیان جو سورہ احقاف میں ہے۔ اسی آیت سے ہمیں واقعات شہادت امام حسین علیہ السلام کو ثابت کرنا منظور ہے۔

اس آیت میں پہلی بات جو قرآن نے بیان کی وہ حملتہ اُمّہ کرھا ووضعتہ کرھا یعنی اُس کی ماں حاملہ کو ناگواری ہوئی اور ناگواری ہی میں اس کو جنا یعنی جنتے وقت بھی ناگوار ہی تھی۔ یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں کہ عورتوں کو خدا نے اسی غرض کے لئے پیدا کیا کہ حاملہ ہوں۔ اور بچے جنیں۔ عورتوں کی اس سے بڑی خواہش کوئی نہیں ہے کہ صاحب اولاد ہوں۔ لہٰذا یہ ناگواری عورتوں کی فطرت کے خلاف ہے۔

اب اس وقت ضروری ہے کہ اس آیت کا کوئی مصداق اس دنیا میں کوئی مخصوص انسان ہو۔ ہاں اس کا مصداق دُنیا میں سوائے خاتونِ جنت فاطمہ زہرا علیہا السلام اُن پہ ہمارا سلام ہو اور اُن کے فرزند حسینؑ پر کہ اُن کے حمل کے وقت اور وضع حمل کے وقت اُنہیں ناگواری اس لئے محسوس ہوئی کہ وہ جناب سرکارِ رسالت سے اُن کے مصائب کو سُن چکی تھیں۔ اور جانتی تھیں کہ وہ کس حالت میں شہید ہوں گے۔ اُن مصائب کا احساس سخت صدمے کا باعث تھا۔ کیونکہ راہ خدا میں جان دینے والوں کے مصائب سے جو غم ہوتا ہے وہ بھی عبادت ہے۔ دوسری بات تیس ماہ کا تعین حمل اور دودھ چھڑوانے کی مدت میں ہے۔ چونکہ امام حسینؑ کا چھ ماہ کا اور پوری مدت دودھ پلانے کی دو برس تھی جو مجموعی مدت تیسؔ ماہ بنتے ہیں۔ یہ بھی مخصوص عمل جناب امام حسین علیہ السلام کے لئے ہُوا۔ تیسری بات اُس مولود کا چالیس برس کے بعد پوری قوت کو پہنچا ہے۔ یہ تخصیص نبیؐ یا وصی نبیؐ کی ہوئی۔ چونکہ ان چالیس برس میں عملی زندگی پیش کرنے کے بعد نبوت یا وصایت کا اعلان کرنا ہوتا ہے۔ چوتھی بات اُس مولود کا دُعا کرنا ہے۔ جس کو خدا نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

جو نعمت اُن پر اور اُن کے والدین پر ہوئی اُن کا شکر کرتا ہے اور توفیق عملِ نیک طلب کرتا ہے جس سے خدا راضی ہو۔ ذبیح راہ خدا سے زیادہ کون ہے۔ جس سے خدا راضی ہو۔

پانچویں دُعاء اصلاح ذرّیت جس کا مستجاب ہونا۔ اس دلیل سے ثابت ہُوا کہ نو امام خدا نے آپ کی ذرّیت میں پیدا کئے۔

چھٹی بات۔ خُدا کی طرف رجوع کرنا۔

ساتویں۔ یہی دلیل خاص ہے کہ مراد اس آیت سے امام حسین علیہ السلام ہی ہیں اور کوئی نہیں۔

# منزل (۴)

## حکومتِ بنی اُمیّہ

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ٥ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ (سورہ محمد آیت ۲۳ پارہ ۲۶ رکوع ۷)

یہ بات دور نہیں کہ تم حاکم ہو جاؤ گے کہ زمین میں فساد کرو گے۔ اور قطع رحمی کرو گے۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی۔ پھر اللہ نے ان کو بہرہ کر دیا ہے۔ اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

اس آیۂ مبارکہ میں اللہ تعالےٰ نے اس زمانے کے مسلمانوں کو آگاہ کیا ہے کہ عنقریب تم والی ملک حکمران ہو جاؤ گے۔ زمین پر فساد کرو گے اور قطع رحم کرو گے "عسیتم" کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ بات بہت جلد ہونے والی ہے۔ یہ جملہ خبریہ ہے۔ جملہ انشائیہ نہیں۔ اس جملہ میں مخاطب کے صیغے ہیں اگر یہ جملہ انشائیہ ہوتا تو اس کے احکام قیامت تک کے لئے ہوتے جملہ خبریہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قریب زمانہ سرکار رسالت مسلمان حکمران ہو جائیں گے۔ اس سے مراد بنی اُمیّہ کا تسلط ہے۔ امام حسین علیہ السلام کو ایسی ہی حکومت سے جہاد کرنا پڑا اور ان کی بیعت سے انکار کرنا پڑا جنہوں نے اسلام کے آثار کو مٹانے اور زمانہ جاہلیت کی خصوصیات کو لوٹانے کا تہیّہ کر لیا تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے مختلف طریقوں سے اس حکومت کے خلاف بیان دیئے ہیں۔ سبط ابن جوزی نے اپنی کتاب تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام جب ۸، ذی الحجہ کو مکّہ سے باہر آئے اور عراق کی طرف روانہ ہوئے راستے میں جب آپ بوستان بنی عامر میں پہنچے تو فرزدق کو اس جگہ دیکھا۔ وہ فرزدق کہ جس کا نام تاریخ اسلام میں مشہور ہے اُس نے کہا اے فرزند رسولِ خدا آپ نے ایام حج میں مکّہ سے روانہ ہونے میں کیوں جلدی کی اور ارکان حج کو کیوں بجا نہ لائے۔ امام نے

فرمایا۔ اگر میں جلدی نہ کرتا تو گرفتار ہوجاتا۔ پھر فرزدق سے پوچھا کہ جن لوگوں کو تو پیچھے چھوڑ آیا ہے یعنی اہل کوفہ ان کی تجھے کیا خبر ہے۔ فرزدق نے عرض کیا کہ میں ان لوگوں کو ایسے مقام پر چھوڑ آیا ہوں کہ جبکہ اُن کے دل آپ کے ساتھ اور تلواریں بنی اُمیہ کے ساتھ تھیں۔ پھر عرض کیا میں جناب کی خدمت میں نہایت خلوص سے عرض کرتا ہوں کہ آپ یہیں سے واپس ہوجائیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا اے فرزدق بنی اُمیہ نے شیطان کا راستہ اختیار کرلیا ہے اور اطاعت خدا کو پس پشت ڈال دیا ہے اور جماعۂ اسلامیہ کو فاسد و تباہ کر دیا ہے۔ اور حدود الٰہی کو معطل کر دیا ہے۔ شراب پیتے ہیں اور مسلمانوں کے خزانے کو اپنے لئے مخصوص کرلیا ہے۔ میرے لئے آج شائستہ ترین بات یہی ہے کہ میں دین خدا کی مدد کروں۔ شریعت اسلامیہ کی عزت کا پاس کروں اور خدا کے راستے میں جہاد کے لئے اُٹھ کھڑا ہوں تاکہ اللہ کے لئے جہاد کرنے کو رفعت و عروج حاصل ہو۔ (تذکرہ سبط ابن جوزی باب ۹ صفحہ ۱۲)

جب امام حسین علیہ السلام منزل ذوحسم میں پہنچے اور لشکر عدو سے دوچار ہوئے اپنے اصحاب و انصار اور لشکر کو نماز ظہر و عصر پڑھائی۔ اس کے بعد آپ نے تمام مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا تم لوگ اگر تقویٰ اختیار کرو اور حقدار کا حق پہچانو تو خدا کی رضامندی حاصل ہوگی۔ حقیقتاً ہم اہلبیت امت اسلامیہ کی فرمانروائی کے لئے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں جو آج اس منصب کے غلط دعویدار ہیں اور مسلمانوں پر ستم ڈھاتے ہیں۔ اگر تم ہم کو ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق کا اقرار نہیں کرتے ہو اور اُس رائے کے خلاف ہو جو تمہارے خطوں اور قاصدوں کے بیانات سے ظاہر ہورہی ہے۔ تو میں واپس چلا جاؤں گا۔ حُر کے ساتھ اس گفتگو کے بعد آپ کا کوفہ جانے کا ارادہ بدل گیا۔ آپ نے اپنے اصحاب کو ایک جگہ جمع کیا اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا۔

صورت حال جو پیش آئی ہے تم دیکھ رہے ہو۔ یقیناً دنیا کا رنگ بدل گیا ہے اور اُس کی نیکی رخصت ہوچکی ہے اور اُس میں کچھ نہیں رہ گیا۔ سوائے تھوڑے سے حصّہ کے جو پانی بہنے کے بعد برتن میں بچ رہتا ہے اور ایک پست زندگی مثل زہریلی گھاس کے ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر امن نہیں ہوتا اور اس سے علیحدگی اختیار نہیں کی جاتی۔ اس صورت میں مومن خدا کی ملاقات کا آرزومند ہوتا ہے

میرے نزدیک تو موت کی صورت میں شہادت کی سی نعمت ہے اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا وبالِ جان ہے۔ اس سفر میں جب جناب سید الشہداءؑ منزل بیضیہ میں پہنچے تو اس مقام پر خطیب سلونی علی المرتضیٰ کے جانشین سرکار سید الشہداءؑ نے اپنے اصحاب و انصار اور لشکر اعداء کے سامنے تقریر فرمائی۔ ایہا الناس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی بادشاہ کو دیکھے جو ظلم و جور کرتا ہو، محرمات الٰہیہ کو حلال بنائے ہوئے ہو جو خدائی احکام کو توڑ رہا ہو، سُنّت رسول کی مخالفت کرتا ہو اور بندگان خدا میں معصیت کا طرز عمل اختیار کئے ہو، جو شخص ان باتوں کو گوارا کرے اور قولی یا عملی طور پر اصلاح کی کوشش نہ کرے خدا کو حق ہوگا کہ وہ اس شخص کو بھی اُسی بادشاہ کے درجہ میں محسوب کرے یعنی اُسی گناہ میں اُسے بھی شامل کر دے، تمہیں معلوم ہوگا کہ ان بنی اُمیہ نے اطاعت شیطان کو اپنا راستہ بنالیا ہے خدا کی اطاعت سے روگردانی اختیار کی ہے، مسلمانوں کے اَموال کو اپنا بنالیا ہے۔ حلالِ خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کر دیا ہے۔ اس صورت میں مجھ سے زیادہ کس پر حق عائد ہوتا ہے کہ وہ اصلاح کی کوشش کرے (تاریخ طبری)۔

اس تقریر میں سرکار سید الشہداءؑ نے ان تعلقات اور خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے جو آپ کو اسلام کے ساتھ تھے۔ رسول کے رشتے سے حسین علیہ السلام کا وہی تعلق تھا جو ایک گود میں پرورش پانے والے دو بچوں میں ہوتا ہے۔ اب جب اسلام کے گلے پر چھری چل رہی تھی، حسین سے زیادہ کس کے دل میں اس کا درد ہو سکتا تھا۔ اور حسین علیہ السلام سے بڑھ کر اس پر اس کی نصرت اور حمایت کا فرض کس سے ادا ہو سکتا تھا۔ منزل بیضہ کی اس تقریر میں سرکار شہادت نے قرآنی تعلیم وتعاونوا علی البرّ والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (پ۶ ع۵ ایت ۲ المائدہ) کی تشریح فرمائی ہے۔ ظلم و جور، گناہ و معصیت کی صورت میں عدم تعاون اختیار کرنا چاہیئے نہ افراد سے تعاون نہ جماعتوں سے تعاون اور نہ حکومت سے تعاون اور تعاون نہ اعمال و افعال سے ہونا چاہیئے اور نہ ہی اقوال سے نہ خاموشی نیم رضا سے اور نہ ہی حوصلہ افزائی سے یہ بھی بتا دیا کہ گناہ میں تعاون کرنے والا ایسا ہی ہے۔ جیسا خود گناہ کرنے والا۔ اگر دنیا واقعۂ کربلا کے اس ایک سبق پر بھی عمل پیرا

ہو جائے تو یہ دنیا جو آج گناہوں، معصیت، ظلم و جور اور کثرت جرائم سے جہنم کا نمونہ بن چکی ہے۔ یہ دنیاوی جنت بن سکتی ہے۔ ظلم و جور کے ساتھ تعاون نہ کرنے میں حسن اخلاق، حسن معاشرت اور حسن تمدن کا راز ہے مگر جرائم اور معصیت سے تعاون کرنا اخلاق و معاشرت اور تمدن کی تباہی ہے۔

یوں تو اصلاح خلق ہر انسان کا فرض ہے مگر جو دین کا قائل ہو، بقول سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اُس پر زیادہ ذمہ داری ہے۔ معلوم ہوا کہ اس فریضہ کی اہمیت دین کے دعویدار اور مذہبی رہنما ہونے کی حیثیت سے اور بڑھ جاتی ہے۔ ایک عام آدمی پر اصلاح خلق کا فرض اس طرح عائد نہیں ہوتا جس طرح ایک ذاکر حسین، ایک عالم دین ایک واعظ و خطیب پر عائد ہوتا ہے۔ پھر نواسۂ رسول پر امام ابن امام پر جسے رسول نے حسینؑ منی کہا ہو یعنی حسین مجھ سے ہے۔ کس قدر زیادہ ہوگا۔ اس حقیقت کی طرف سرکار شہادت نے اس جملہ میں اشارہ فرمایا ہے کہ مجھ سے زیادہ کس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اصلاح کی کوشش کرے امام حسین علیہ السلام کا یہ جملہ سورہ الشعرا کی اِن آیات کی تفسیر کر رہا ہے۔ فاتقوا اللّٰہ واطیعون ولا تطیعوا امر المسرفین الذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون (سورہ الشعرآء آیت ۱۵۰ تا پارہ ۱۹ رکوع ۱۲) پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اُن زیادتی کرنے والوں کی جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے پیروی نہ کرو۔

گویا امام علیہ السلام نے سورہ شوریٰ کی اس آیت سے فساد فی الارض کرنے والے کا انجام اس طرح بیان فرمایا ہے (تری الظالمین مشفقین مما کسبوا وھو واقع بھم ط سورہ الشوریٰ آیت ۲۲ پارہ ۲۵ رکوع ۴) ظالموں کو دیکھو گے کہ وہ اپنے گناہوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اُس کا وبال اُن کرنے والوں پر ہے۔ خداوند عالم فساد فی الارض کے متعلق سورہ اعراف میں ارشاد فرماتا ہے۔ لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا ط اور زمین میں بعد اُس کی اصلاح کے فساد مت کرو۔ سرکار رسالت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اروحنا لہ الفداء کی اصلاح کے بعد بنی اُمیّہ کے حکمرانوں نے وصال پیغمبر کے بعد جو دنیا میں فساد بپا کیا: اُس کا ہی ذکر سورہ اعراف کی آیات میں ہے۔ استبدادی حکومتوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب یہ مصلحین کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو فساد کا الزام مصلحین پر عائد کر کے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ خداوند عالم

نے سورہ بقرہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ واذا قیل لھم لاتفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون۔
جب اُن سے یہ کہا گیا کہ زمین میں فساد مت کرو تو اُنہوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں۔
چنانچہ جب حضرت مسلم بن عقیل زخموں سے چُور گرفتار کرلئے گئے اور وہ دربار ابن زیاد میں لائے گئے۔ تو
ابن زیاد نے حضرت مسلم سے اس طرح گفتگو کی۔

ابنِ زیاد: مسلم تم یہاں آئے ہو لوگوں میں تفرقہ ڈالنے اور اُن میں آپس میں فساد کرانے تاکہ ایک جماعت
دوسرے پر حملہ کرے اور جنگ کی صورت پیدا ہو۔

اس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ مصلح عالم کے نمائندے پر فساد فی الارض کا الزام لگایا گیا۔

حضرتِ مسلم: میں اس لئے تو نہیں آیا کہ مفسدہ برپا کروں بلکہ اس ملک والوں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا
اور لکھا تھا کہ تیرے باپ نے ان کے نیک آدمیوں کو قتل کیا اور اُن کے خون بہائے اور اسلام کی سادگی
کو مٹا کر وہ افعال و اعمال اختیار کرلئے جو کسریٰ و قیصر کی سنت ہیں۔ ہم آئے ہیں اس لئے کہ ان کی اخلاقی
اصلاح کریں اور عدل و انصاف و تعلیماتِ قرآن پر لوگوں کو عمل پیرا ہونے کی دعوت دیں۔

استبدادی سرکش حکومتوں کے سامنے دلیل و برہان کا جو حشر ہوتا ہے وہی ہوا حضرت امام حسین علیہ السلام
نے اپنے اس جہاد کی غرض اس خط میں بیان کر دی تھی۔ جو انہوں نے مدینہ سے رخصت ہوتے وقت اپنے
بھائی حضرت محمد بن حنفیہ کے سپرد کیا تھا۔

اُس کا مضمون یہ تھا "یہ وصیت نامہ ہے۔ حسین بن علی بن ابی طالب کا اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے
نام۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ اس کے بندہ خاص اور
رسول ہیں جو حق کی جانب سے حق کو لے کر آئے اور یہ کہ بہشت و دوزخ حق ہیں اور قیامت آنے والی
ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور یہ کہ اللہ تمام انسانوں کو ایک روز زندہ کرے گا۔ اور یہ کہ میں غرور
سربلندی جذبۂ تفوق یا فتنہ انگیزی یا ظلم کے لئے ہجرت نہیں کر رہا ہوں۔ صرف امت محمدیہ کی اخلاقی اصلاح
اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے نکلتا ہوں اور اپنے جدّ بزرگوار اور والد بزرگوار علی المرتضیٰ
کی سیرت پر چلنا چاہتا ہوں۔ جو شخص حق جان کر میری باتوں پر عمل کرے گا اور اپنا فرض انجام دے گا

اور جو میری باتوں کو مسترد کرے گا تو میں صبر و تحمل سے کام لوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ میرے اور دوسرے آدمیوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔"

اس وصیت نامہ کا ایک ایک لفظ جناب سید الشہداء کے حقیقی زاویہ نظر اور ذاتی نصب العین کا آئینہ ہے اور اس کو بنظر اعتبار دیکھنے والے اس میں کوئی شبہ نہیں کر سکتے کہ حضور کے سامنے جو مہم تھی وہ صرف یہ تھی کہ اسلامی دنیا کو سیرت نبویہ و علویہ یعنی صحیح انسانیت اور حقیقی اسلام کی طرف دعوت دیں۔ یزید کی حکومت کے متعلق کہ وہ کیسی تھی ہم چند مشاہیر کی آراء پیش کرتے ہیں۔ مؤرخین کو اس امر میں شک و شبہ نہیں کہ یزید میں حکومت کرنے کی شائستگی اور اہلیت و قابلیت نہیں تھی۔ کیونکہ وہ شراب خوار اور شب و روز عیش و عشرت میں مبتلا رہتا تھا اور شراب خواری کے سوا اُسے کوئی کام نہیں تھا۔ موجودہ زمانہ کا مصری مؤرخ طٰہٰ حسین لکھتا ہے کہ یزید لہو و لعب اور فسق و فجور سے ملول نہیں ہوتا تھا اور تھکتا نہیں تھا۔ کتاب علی و ابناہا صفحہ ۲۶۲ علی بن حسین مسعودی لکھتا ہے کہ یزید اہل طرب تھا۔ ہوا و ہوس میں زندگی بسر کرتا تھا عیاش آدمی تھا کتوں اور بندروں سے کھیلا کرتا تھا۔ اس قسم کے اُس نے بہت سے جانور رکھے ہوئے تھے ہمیشہ اپنی محفلوں کو شراب خواری اور رنگیاری سے آراستہ کرتا تھا۔ شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد محفل شراب خواری میں بیٹھا ہوا تھا اور ابن زیاد کو اپنی داہنی طرف بٹھایا ہوا تھا۔ پس اُس نے شراب پلانے والے ساقی محفل سے کہا۔

اسقنی شربۃ تروی مشاشی ؛ ثم مِلْ فاسق ابن زیادِ
صاحب السر والامانۃ عندی ؛ ولتشدید مغنمی وجہادِ

یعنی شراب کا مجھے ایک جام ایسا پلا جو کہ میری نرم ہڈیوں کو سیراب کر دے۔ پھر ابن زیاد کو بھی ایسا ہی جام پلا۔ وہ ابن زیاد جو میرا رازدار اور میرا امین ہے۔ اور میرے اموال اور جہاد کی بنیاد اسی نے مضبوط کی ہے۔ پھر اُس نے ناچنے والی کو کہا کہ وہ ناچنا اور گانا شروع کرے۔ یزید کا اعمال بد و کردار بد اُس کے گورنروں اور اہل کاروں میں اس قدر سرایت کر گیا تھا کہ وہ بھی گناہوں میں اس طرح مبتلا تھے اور اس بے پرواہی اور بے دینی تمام امت اسلامیہ میں سرایت کر گئی تھی۔ اُس کی خلافت کے زمانہ میں راگ و رنگ

ب خواری رقص اور موسیقی مکے اور مدینے میں بھی شائع ہوگئی تھی اور وہاں کے باشندوں کا معمول بن گئی تھی

ہے (النَّاسُ عَلیٰ دِینِ مُلوکِہم)

چنانچہ ان مقدس شہروں میں ان چیزوں کو لوگ آشکارا و اعلانیہ طور پر انجام دیتے تھے۔ یزید امت

امی میں فرعون کی مانند تھا، بلکہ اپنی رعیت میں فرعون سے بھی بدتر تھا (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۹۲)

آیتہ عنوان میں یہ بیان ہوا ہے کہ زمانہ قرب رسالت میں ایسے لوگ برسر اقتدار آنے والے تھے

وں نے فساد فی الارض اور قطع رحمی کا مرتکب ہونا تھا۔

**یزید کا کردار** چنانچہ ان حالات کو غیر مسلم مؤرخین نے بھی بیان کیا ہے۔ چنانچہ مسٹر ایڈورڈ جارج براؤن اپنی

ب تاریخ ادبیات ایران میں لکھتے ہیں کہ حسینؓ کا قتل مدینہ کی تاراجی اور مکے کا محاصرہ ان تین تاریخی چیرہ دستیوں

پہلی چیرہ دستی ایسی تھی جس نے تمام اسلامی دنیا کو لرزہ براندام کر دیا اور ایک شخص بھی جس کے سینے میں

بات تھے اس کہانی کو سن کر بے چین ہوئے بغیر نہ رہا۔ پھر یہی ایڈورڈ براؤن اپنی اسی کتاب ہسٹری آف

شیا کے صفحہ ۲۲۶ میں یزید کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ وہ ایک بدویہ ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

حرا کی کھلی ہوئی ہوا میں اس نے پرورش پائی تھی۔ شکار کا بڑا ماہر اور شائستہ ایک بلیغ شاعر اور عاشق جانباز

راب اور دیگر لہو و لعب کی باتوں کا شیدا اور رقص و سرود کا دلدادہ اور مذہب سے کوسوں دور تھا

یگر نے لکھا ہے کہ تخت نشین ہوتے ہی یزید نے مؤمنین کی بڑی تذلیل کی تھی وہ اعلانیہ شراب پیتا تھا۔

توں سے بے حد شوق رکھتا تھا اور اس طرح باز اور دوسرے اسی طرح کے جانوروں کا بہت شوقین

تھا (ہسٹری آف عرب جلد ۱ صفحہ ۱۲۳)

واقدی نے عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ خدا کی قسم ہم کو یزید کی حکومت میں

یہ خوف ہو گیا تھا کہ اب آسمان سے ہم پر پتھر برسیں گے۔ کیونکہ وہ ایسا شخص تھا جو اپنی سوتیلی ماؤں اپنی

بیٹیوں اور بہنوں تک کو نہ چھوڑتا تھا۔ شراب آزادی سے پیتا تھا نماز ترک کرتا تھا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۵

مطبوعہ مصر) اس کی جرأت و جسارت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ اس بارہ میں حرمتِ رسولؐ تک کا پاس نہ کرتا

تھا۔ چنانچہ شاہ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں کہ یزید نے حضرت عائشہؓ کے حسن و جمال کو سن کر آپ کے بارہ میں

ہوس کی۔ لوگوں نے جب منع کیا تو وہ باز رہا (مدارج النبوۃ صفحہ ۱۴۵)

اسی لئے آئینہ عنوان میں اللہ نے فرمایا ہے۔ اولئك الذین لعنهم الله۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے چونکہ یہ لعنت صیغہ ماضی میں بیان ہوئی ہے۔ اس لئے اُس کا ہونا ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی عبث فعل کا مرتکب نہیں ہوتا۔

اس خاندان پر اللہ نے لفظ شجرہ ملعونہ سے لعنت فرمائی ہے۔ آیہ مبارکہ

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا (بنی اسرائیل پ ۱۵ ع ۶ آیت

ترجمہ:۔ اور وہ خواب جو ہم نے تجھ کو دکھلایا ہے۔ ہم نے اسے مقرر نہیں کیا ہے مگر کل آدمیوں کے لئے ایک آزمائش و امتحان (فتنہ) اور قرآن مجید میں ایک لعنتی درخت (نسل یا خاندان) ہم اس کو ڈراتے ہیں۔ مگر اس میں سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا (بلکہ وہ زیادہ سرکش ہوتے ہیں)

ہم اس آیت کی تفسیر پہلی منزل میں ذبح عظیم میں کر چکے ہیں۔

# منزل (۵)

## حسین علیہ السلام سے یزید کا مطالبہ بیعت اور آپ کا قطعی انکار

آیۃ۔ وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (سورہ الانعام آیت ۱۱۶ پارہ ۸ رکوع ۱)

اگر تم اُن لوگوں میں سے جو زمین میں ہیں۔ اکثر کی اطاعت کروگے تو تمہیں راہ خدا سے گمراہ کردیں گے۔ چونکہ وہ ظن کی پیروی کرتے ہیں۔

### مسلمانوں کے دو فکری حلقے

### الٰہی حاکمیت اور انسانی حاکمیت

سرکارِ رسالت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارتحال پُر ملال کے بعد مسلمان دو فکری حلقوں میں تقسیم ہوگئے۔

آلِ محمد کا نظریہ الٰہی حاکمیت تھا اور صحابہ کی ایک جماعت کا نظریہ انسانی حاکمیت، پہلے نظریہ کو اختیار کرنے والے شیعہ کہلاتے ہیں، اور دوسرے نظریئے کو اپنانے والے اہلسنت والجماعت کے نام سے مشہور رہیں۔

**شیعہ** شیعہ کے معنی عربی زبان میں مقتدی اور پیرو جماعت کے ہیں، جو جماعت نظریاتِ اسلامیہ میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام بالخصوص خاتم الانبیاء محمد مصطفٰے ارواحنا لہ الفدا اور اُن کی آلِ اطہار علیہم السلام کی پیروی کرتی ہے۔ شیعہ کہلاتی ہے۔ الٰہی حاکمیت کا نظریہ وہ نظریہ ہے جس کی تمام انبیاء و مرسلین نے دعوت دی اور سرکارِ رسالت نے اپنے زمانہ میں اسے عملاً پیش کیا۔ یہی نظریہ آلِ محمد کا نظریہ ہے اس لئے وہ جماعت جو اس نظریہ پر برقرار ہے شیعۂ آلِ محمد یا شیعہ علی کہلاتی ہے۔

**اہلسنّت والجماعۃ** اہلِ سنّت والجماعۃ کے معنی ہیں سنّت اور جماعت والے ۔ چونکہ انہوں نے سنّت
کے علاوہ جماعتی فیصلوں کو بھی مذہب میں داخل کر لیا ہے ۔ اب اسلامی حکومت کا نظریہ مذہب کا
بلکہ جماعت کا فیصلہ ہے ۔ مسلمانوں کی اس جماعت میں مابعد سرکارِ رسالت اقتدارِ اعلیٰ کے مختلف نظر
اختیار کر لئے کبھی انتخاب کے ذریعہ منتخب ہوئی کبھی سابق حاکم نے اپنا جانشین منتخب کیا کبھی ایک کمی
کے ذریعے سے اقتدارِ اعلیٰ کا فیصلہ ہوا اور کبھی اقتدارِ اعلیٰ بزورِ شمشیر حاصل کیا گیا جس سے انسانی حکو
کے لئے چار اصول بن گئے ۔ اجماع ۔ استخلاف ۔ شوریٰ اور قہر و غلبہ ان چاروں طریقوں کی طرف نہ ق
رہنمائی کرتا ہے اور نہ سنّت رسول بلکہ یہ مسلمانوں کے جماعتی فیصلے ہیں ۔ اس لئے ان فیصلوں پر عمل کر
والے اہلِ جماعت کہلاتے ہیں ۔

**لفظ اسلام سے نظریہ حکومت کی توضیح** لغت کے لحاظ سے اسلام کے دو معنی ہیں ۔ ایک اطا
میں سر رکھنا یا گردن جھکا دینا یعنی اللہ کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کرنا اسلام ہے ۔ دوسرے سپردن یعنی ا
آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا ۔ قرآن حکیم نے لفظ اسلام میں ایک لطیف معنی رکھے ہیں ۔ اس نے سر گردن کی بجا
لفظ وجہ اختیار کیا ہے من اسلم وجھہ یعنی اللہ کی اطاعت میں اپنے چہرے کو جھکانا ۔ چہرے کو عربی زبا
میں وجہ اس لئے کہتے ہیں کہ چہرہ توجہ کا ذریعہ ہے ۔ توجہ پر ہم جب نفسیاتی طور پر توجہ کرتے ہیں تو انسانی نف
کا اپنی تمام طاقتوں قوتوں صلاحیتوں اور اہلیتوں کو ایک مرکز پر لے آنا توجہ کہلاتا ہے ۔ اس توضیح کے لح
سے اسلام کے معنی اپنی تمام طاقتوں صلاحیتوں قوتوں اور اہلیتوں کا ایک مرکز پر لا کر اللہ کی اطاعت میں
جھکا دینا یا اللہ کے سپرد کر دینا اسلام ہے ۔ اسی لئے اس اصول کو قرآنی الفاظ من اسلم وجھہ للہ (سورۃ
آیت ۱۲۵ پ۵ ع ۱۵) میں بیان کیا گیا ہے ۔ اس لئے لفظ اسلام کی رو سے اللہ کی مرضی کے مقابلہ میں انس
کا حق خود ارادی خواہ شخصی ہو خواہ جمہوری کوئی چیز نہیں ہے ۔ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک اور حاکم مطلق صرف اللہ
یا جسے وہ اپنا نائب بنائے ۔ اس لئے جب اللہ کا نامزد نمائندہ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہو تو اسلامی حکومت
کہلائے گی ۔ جب مسلمانوں کا نمائندہ حاکم ہو تو وہ مسلمانوں کی حکومت کہلائے گی ۔ اسلام کے نمائندہ کی تاریخ
اسلام کی تاریخ اور مسلمانوں کے نمائندہ کی تاریخ مسلمانوں کی تاریخ کہلائے گی ۔

**کلمہ توحید سے نظریہ حکومت کی توضیح** لا الٰہ الا اللہ وہ کلمہ توحید ہے جو اسلام کی بنیاد ہے۔ وہ حکومت الٰہیہ کا اقرار ہے۔ سرکار رسالت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ بلند کر کے نہ صرف بت پرستی عناصر پرستی اشجار پرستی اور حیوان پرستی کا خاتمہ کر دیا بلکہ اس سے انسان پرستی کو بھی ختم کر دیا ہے۔ جو انسانی حاکیت کے روپ میں انسانوں سے پرستش کراتی ہے۔ حضور نے انسانوں کی انسانوں پر حکومت کے غلط اصول کو پاش پاش کر دیا۔ انسان کو انسانی حکومت سے آزادی دی خواہ وہ حکومت ملوکیت ہو یا آمریت۔ سردار قبیلہ کی حکومت ہو یا اشرافیت، اعیانیت، جمہوریت ہو یا قہر و غلبہ کی حکومت اس قسم کی حکومت مادی اور دنیاوی حکومتیں ہوتی ہیں۔ رفع شر، رفع فتنہ و فساد اور قیام امن کے لئے ان سے تعاون کرنا انہیں نیک مشورے دینا اور ان میں حصہ لینا رعایا کا اُس وقت فرض ہے، جبکہ الٰہی حکومت نہ ہو

**نظریہ حکومت کی قرآنی توضیح** ان الحکم الا للہ قرآن صاف الفاظ میں اعلان کر رہا ہے کہ حکومت صرف اللہ کے لئے ہے پھر فرمایا لا یُشرک فی حکمہٖ احدًا۔ اللہ کی حکومت میں کسی کو شریک نہ بناؤ نہ ایک فرد کو نہ چند افراد انسانیہ کی کمیٹی کو اور نہ ہی جمہور کو پھر ارشاد ہوا الم یکن لہ شریکٌ فی الملک ملک اُسی اللہ کا ہے اور اُس ملک کی حکومت میں کوئی اُس کا شریک نہیں حکومت کا نہ ملوک کو حق ہے اور نہ آمروں کو نہ اشراف و اعیان کو حق ہے نہ جمہور کو اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ جن امور کو اپنی طرف نسبت دیتا ہے۔ اُن کا انصرام اُس کے نمائندوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس لئے حکومت جو امر الٰہی ہے اُس کا اظہار بھی اُس کے نمائندوں کے ذریعہ ہوگا۔ اور اُس کا نمائندہ وہ ہے جس کو وہ خود مقرر کرے نہ کہ جمہور اور جسے وہ خود مقرر کرے وہ معصوم ہوتا ہے۔ اور علم لدنی کا مالک ہوتا ہے۔ اس اصول کی مثال قصہ بنی اسرائیل میں موجود ہے، جبکہ بنی اسرائیل نے اپنے نبی کے ذریعے اپنے بادشاہ کا تقرر چاہا تو اللہ نے طالوت کو مقرر کیا۔ ظاہر بین نگاہوں نے اُس پر اعتراض کیا کہ اس کو تو ہم پہ مالی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ اس کے جواب میں اللہ نے صاف فرمایا قَالَ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ط (سورہ بقرہ آیت ۲۴۷ پارہ ۲ رکوع ۱۶) اللہ نے اس کو پاکیزگی میں چنا ہے اور اُس کو علم و جسم یعنی علم و شجاعت میں فوقیت دی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مثال میں خدائی

نمائندہ کے تقرر کے لئے نص، عصمت، اعلم اور شجاعت ہی شرائط ہیں۔ کیا اس کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ نے نظریہ حکومت کی وضاحت نہیں فرمائی تھی اور نہ رسول اللہ نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔ اس لئے سرکار رسالت کے بعد مسلمانوں کو رسم و رواج زمانہ جاہلیت کی طرف پلٹنا پڑا جیسا کہ عصر حاضر کی مشہور تاریخ کی کتابوں میں منقول ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر حمید الدین صاحب ایم اے لیکچرار شعبۂ پنجاب یونیورسٹی نے لکھا ہے کہ خلافت کے متعلق قرآن مجید میں کسی مخفی طریق انتخاب کا ذکر نہیں، معتبر حدیثیں بھی اس بارہ میں خاموش ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے اس نظام کو خود امت پر چھوڑ دیا ہے۔ فاضل موصوف کو اپنے بیان کا مندرجہ ذیل سوالات کی روشنی میں جائزہ لینا چاہیئے تھا۔

۱۔ کیا قرآن مجید نامکمل کتاب ہے جو نظریہ حکومت جیسے اہم اصول کے متعلق خاموش ہے۔ جس پر انسانی معاشرہ اور تمدن کا انحصار ہے۔

۲۔ کیا معتبر حدیثوں کی خاموشی معاذ اللہ رسول اللہ کے فرائض کی کوتاہی کی دلیل ہے۔

۳۔ کیا نظریہ حکومت مسلمانوں میں تشنۂ تکمیل ہے۔ پھر الیوم اکملت لکم دینکم کے کیا معنی ہیں۔

۴۔ کیا یہ کہنا کہ اسلام نے نظریہ حکومت بیان نہیں کیا قرآن کریم کی تکذیب نہیں ہم نے قرآن کا بیان قصہ طالوت میں لکھ دیا ہے۔

۵۔ یہ اصول کہ شریعت میں اس نظام کو خود امت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ قرآن کی کس آیت یا رسول اللہ کی کس حدیث سے مستنبط ہے۔ کیا ایسے حضرات جو نہ نص الٰہی سے اور جو نہ نص رسالت سے خلیفہ ہوئے ہوں انہیں خلیفۃ اللہ یا خلیفۃ الرسول کہہ سکتے ہیں۔

۶۔ جنہیں مسلمان منتخب کریں کیا وہ خلیفۃ اللہ یا خلیفہ رسول کی بجائے خلیفۃ المسلمین کہلانے کے زیادہ مستحق نہیں۔ شیعوں کا نظریہ حکومت قرآن و سنت کے مطابق ہے۔ شیعوں نے قرآنی نظریہ حکومت وہی اختیار کیا ہے۔ جس کی عملی وضاحت رسول اللہ نے میدان خم غدیر میں فرما دی تھی۔ جب عام مسلمانوں نے انسانی حاکمیت کے نظریہ کو عملاً اپنا لیا تو یہ گروہ حزب اختلاف میں تبدیل ہو گیا۔

## حزبِ اقتدار کے مؤرخین کا ایک مغالطہ اور اس کی تردید

مؤرخین عامہ عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے شیعوں کے نظریہ حکومت کی ترجمانی اس طرح کرتے ہیں، شیعہ ایک خاص خاندان یعنی اہلبیت کو حکومت کا حقدار سمجھتے ہیں۔ انہوں نے یہ تخیل ایران سے لیا تھا۔ ایران میں شاہی خاندان کے افراد کے سوا کوئی دوسرا بادشاہ بننے کا اہل نہیں سمجھا جاتا تھا (تاریخ خلافت اسلامیہ) حالانکہ شیعوں کا یہ نظریہ ہرگز نہیں ہے۔ شیعوں کے ہاں خلافت الٰہیہ کے لئے شیعہ مذہب میں الٰہی نمائندہ کے شرائط نص عصمت اور علم ہیں۔ خاندان اہلبیت میں جن افراد میں یہ شرائط موجود ہوں، ان کو بھی ہم الٰہی نمائندہ اور خدا تعالیٰ کا خلیفہ اور مستحق نیابت سمجھتے ہیں، اگر خلافت کو شیعہ وراثت پر مبنی جانتے تو مذہبی قیادت کا حقدار امام حسن علیہ السلام کے بعد اُن کی اولاد کو سمجھتے۔ شیعوں کا امام حسین علیہ السلام کو اور اُن کے بعد اُن کے نو معصوم فرزندوں کو امام سمجھنا اس غلط فہمی کی تردید ہے۔ شیعوں کا عمل سنت الٰہیہ پر ہے۔ اللہ بھی صفات کی بنا پر خاندان ابراہیم کو موردِ الطاف و عنایات قرار دیتا ہے۔ اگر اس لطف و کرم پر لوگ حسد کریں تو یہ ان کا اپنا فعل ہے، چنانچہ خاندان ابراہیم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا (سورہ النساء، آیت ۵۴ پ ۵ ع ۵)

کیا لوگ اس چیز پر جو ہم نے آل ابراہیم کو عطا کی حسد کرتے ہیں، ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں عظیم سلطنت عطا کی

وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (سورہ عنکبوت آیت ۲۷ پ ۲۰ ع ۱۵)

"ہم نے اس کی ذریت میں نبوت اور کتاب کو رکھا۔" المختصر شیعہ نص عصمت اور علم کو محل اعتقاد سمجھتے ہیں، شیعوں کا نظریہ حکومت الٰہیہ قرآن اور سنت کا نظریہ ہے اور عقل بھی اس کی تائید کر رہی ہے۔

اللہ نے انسان کو آزاد اور خود مختار پیدا کیا ہے۔ پھر وہ اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے اپنا سر کیوں جھکائیں اور وہ کون سی خصوصیت ہے۔ جس کی وجہ سے انسانوں پر اقتدار حاصل کر کے انہیں اپنی غرض کا تختۂ مشق بنائیں، اشتراکیت کا بھی یہی اعتراض ہوتا ہے۔ جسے جمہوریت کہتے ہیں وہ بھی ایک پارٹی کی حکومت ہوتی ہے، آخر اس پارٹی کو حکومت کا حق کیوں ہے۔ اگر جمہوریت میں کل قوم حاکم ہے اور خود ہی محکوم تو اس کا

لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مفاد حکومت ختم۔ کہ سرکار سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ وہ انسان کو ماسوائے اللہ کی غلامی سے نجات دلائے۔ چنانچہ علامہ اقبال کہتے ہیں۔

ماسوا اللہ را مسلمان بندہ نیست　　　پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

خون او تفسیر این اسرار کرد　　　ملت خوابیدہ را بیدار کرد

خدا کے سوا مسلمان کسی کا بندہ نہیں ہے اور کسی فرعون کے سامنے سر جھکائے ہوئے نہیں ہے اسی اصول کی امام حسین علیہ السلام نے اپنے خون سے تفسیر کی ہے۔ جس سے سوئی ہوئی امت بیدار ہو گئی ہے۔ اس اصول کے انسان سے کس طرح ممکن تھا کہ یزید کے مطالبہ بیعت پر وہ بیعت کر لیتے۔ ان کے انکار بیعت میں ان کے اپنے خون کی قربانی مضمر تھی اسی حقیقت کو علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں اس طرح بیان کیا ہے۔

چون خلافت رشتہ از قرآن گسیخت　　　حریت را زہر اندر کام ریخت

جب خلافت نے قرآن سے رشتہ توڑ لیا اور الٰہی حاکمیت کی بجائے وہ انسانی حاکمیت ہو گئی تو اس نے آزادی کے حلق میں زہر ڈال دیا۔

خاست آن سر جلوۂ خیر الامم　　　چون سحاب قبلہ باران در قدم

بر زمین کربلا بارید و رفت　　　لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

تا قیامت قطع استبداد کرد　　　موج خون او چمن ایجاد کرد

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است　　　پس بنائے لا الہ گردیدہ است

خیر الامم یعنی امت اسلامیہ کا جلوۂ نما ہادی اٹھا اور قبلہ کے بادل کی طرح برس پڑا زمین کربلا پر برسا اور چلا گیا۔ اس ویرانی میں لا الہ الا اللہ کے پھولوں کی کاشت کر کے چلا گیا۔ اس نے قیامت تک کیلئے استبدادی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس کے خون کی موج نے چمن شہادت ایجاد کیا۔ حق کے لئے خاک و خون میں تڑپا اور لا الہ الا اللہ کی بنیاد ہو گیا۔ الٰہی حاکمیت کے نظریہ کو انگریزی علم سیاست (پالیٹکس) نے تھیوری آف ڈیوائن رائٹ کہتے ہیں۔ یورپ کے مفکر پروفیسر گلکرائیسٹ اس نظریہ کے متعلق جو کچھ

انگریزی میں کہتے ہیں اس کا اُردو ترجمہ یہ ہے ۔

حکومت الٰہیہ نظم و نسق کے قائم رکھنے اور طوائف الملوکی کو روکنے کا ذریعہ تھا۔ یہ ریاست کے اخلاقی انجام پر زور دیتا ہے۔ حکومت کو خدا کا فعل سمجھنا اس کے بلند و اخلاقی معیار کا ضامن و کفیل ہے۔ اس حکومت کا قیام اُسے قابل احترام و تعاون بناتا ہے۔ اس کا قیام انسانی زندگی کا کمال سمجھا تا ہے یورپ کے اکثر مفکرین نے اس نظریہ کے تقدس کو اس طرح بیان کیا ہے۔ اگر انہیں اِس پر اعتراض ہے تو انسانی خواہشات میں اس کا ماحول پیدا نہ ہونے دیا اور اس کا صحیح نمائندہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اسی خیال کو مشرق کے شاعر علامہ اقبال نے اپنے مفکرانہ انداز میں اس طرح پیش کیا ہے ۔

ع کبھی جہاں میں نہ قائم ہوئی حکومت عشق — سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں

یہی ہوا کہ خاندان رسالت کے فرد اعلیٰ حسین علیہ السلام کو پیچھے ہٹا کر انسانی حکومت کا نمائندہ یزید کس طرح آگے بڑھا کہ اس سے پہلے حکومت اہل جماعت کے کسی ایک اصول پر قائم ہوتی تھی مگر یزید نے اقتدار اعلیٰ کے قائم کردہ اصول جن کو مذہب نے نہیں بلکہ جماعت نے قائم کیا۔ یزید میں چاروں کے چاروں موجود تھے اجماع بھی نص بھی شوریٰ بھی اور غلبہ بھی۔

یزید کے برسر اقتدار آنے کے لئے پہلا اصول اجماع تھا۔ اس اجماع کی کیفیت یہ ہے کہ امیر معاویہ کے لئے ان کی زندگی کا طویل دور کم نہ تھا۔ جس میں انہوں نے مسلمانوں کی قسمت کے مالک بن کر دنیا کی جاہ و حشمت اور مال و دولت کے خوب مزے لوٹے۔ جس کا اقرار اُس نے ایک انداز میں خود بھی کیا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے دنیا سے فائدہ نہ اُٹھایا حضرت عثمان نے دنیا میں کچھ حصہ لیا۔ لیکن ہم تو دنیا میں ایسے غلطاں ہو گئے اور لوٹ لوٹ کر اُس میں رہے۔ طبری تاریخ جلد ۶ صفحہ ۱۸۶ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اُس کی اولاد بھی اُن فوائد سے اسی طرح بہرہ اندوز ہو جس طرح وہ خود ہوا ہے وہ یزید کو اپنے بعد اقتدار پر لانا چاہتے تھے۔ مگر وہ یزید کے افعال اور آداب کی وجہ سے اس خیال کو زبان پر نہیں لا سکتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو اس وقت تیار کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ معاویہ کے گرد و پیش رہنے والے بھی یہ جانتے تھے کہ معاویہ کی یہ دلی خواہش ہے۔ اُسی زمانہ میں واقعہ یہ

پیش آیا کہ معاویہ مغیرہ بن شعبہ سے جو گورنر کوفہ تھا ناراض ہو گئے اور اُسے حکومت کوفہ سے الگ کر دیا۔ اُس نے کوفہ کی حکومت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے یزید کے پاس جا کر اُسے یہ پٹی پڑھائی کہ اپنے باپ سے اپنی ولیعہدی کا اعلان کراؤ چنانچہ جب معاویہ نے یزید سے یہ سنا تو خوش ہو کر مغیرہ کو دوبارہ کوفے کا گورنر مقرر کر دیا۔ مغیرہ نے کوفے پہنچ کر ایک وفد تیار کیا کہ وہ کوفے سے جا کر معاویہ سے یہ التجا کرے کہ وہ یزید کو اپنا ولیعہد بنا دے کوفے میں ایسے لوگ کم ملتے تھے جو اس وفد میں شریک ہونا پسند کریں، اس لئے مغیرہ کو اپنی جیب خاص یا خزانۂ سرکاری سے تیس ہزار درہم رشوت میں صرف کرنا پڑے اور اس طرح کوفیوں کا ایک وفد مرتب کر کے اپنے بیٹے موسیٰ کی قیادت میں معاویہ کے پاس روانہ کیا وفد نے جیسا سبق اُسے پڑھایا گیا تھا امیر معاویہ سے یزید کی نامزدگی کے لئے درخواست کی۔ امیر معاویہ اس التجا کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے انہوں نے وفد کو مناسب جواب دے کر علیٰحدگی میں موسیٰ بن مغیرہ سے پوچھا کہ سچ بتاؤ کہ کتنے پر تمہارے باپ نے ان لوگوں کے دین و ایمان کو خریدا کیا۔ موسیٰ نے کہا تیس ہزار درہم کو صرف کیا ہے (تاریخ کامل ابن اثیر جزری)

اس تدبیر کو مستحکم کرنے کے لئے معاویہ نے زیاد بن سمیہ کو جسے وہ سیاسی طور پر اپنا بھائی بنا چکے تھے اس بارے میں مشورہ لینے کے لئے خط لکھا، مگر معاملے کی نزاکت اور اُس کے تمام پہلو زیاد کو لرزہ براندام بنا رہے تھے۔ چنانچہ اُس نے خاص محرم راز عبید بن کعب نمیری کو بلا کر کہا کہ حضرت خلیفۃ المسلمین نے مجھے خط لکھا ہے اور یزید کی بیعت لینے کا ارادہ کیا ہے، مگر اُن میں لوگوں کی نفرت اور بیزاری کا خوف ہے اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح جمہور مسلمین متفق کئے جا سکیں اور اس بارے میں مجھ سے مشورہ کیا ہے۔ اسلامی ذمہ داری کا احساس بہت اہم ہے یزید ایک آوارہ اور مطلق العنان شخص ہے اور شکار کا بڑا دلدادہ ہے۔ تم میری طرف سے سرکار کے پاس جا کر یزید کے افعال و کردار کا تذکرہ کرو اور کہو کہ ذرہ سوچ سمجھ کر اس کام کو کیجئے، تھوڑے دن کی تاخیر کر لینا اس سے بہتر ہے۔ کہ جلد بازی سے کام لیا جائے۔ جس کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں ظاہر ہو (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۱۹)

معاویہ نے یزید کی اصلاح کے لئے وہ کچھ کیا جسے ابن مغازلی اور ابن الانباری نے اپنی

تاریخوں میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ نے یزید کو شراب پینے سے روکا اور خفیہ طور پر کہا کہ کم از کم وہ دن کو ایسا نہ کرے تاکہ لوگوں کی نظروں میں حقیر نہ ہو جائے (روض الجنان مولانا اشرف علی مطبوعہ ۱۲۷۷ھ

**یزید کی ولیعہدی کے لئے ہتھکنڈے** یزید کی ولیعہدی کو بروئے کار لانے کے لئے شام میں جو اُس کا اپنا ملک تھا کم از کم دو مخالف موجود تھے۔ ایک سعید بن عثمان اور دوسرے عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید ان دونوں کا وجود معاویہ کے لئے تشویش و تفکر کا باعث تھا۔ معاویہ نے عبدالرحمٰن کو یوں ختم کرایا کہ وہ ایک دفعہ بیمار پڑے معاویہ نے ابن اثال عیسائی طبیب سے مل کر جس کے زیر علاج عبدالرحمٰن تھے۔ دوا میں زہر ڈلوا دیا۔ اس صلے میں ابن اثال کو حمص کا خراج انعام میں بخشا (کامل بن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۹) سعید بن عثمان کو یزید کی اطاعت قبول کرنے پر خراسان کا گورنر بنا دیا (کتاب الامامتہ والسیاستہ ابن قتیبہ جینوری جلد ۱ صفحہ ۱۰۳) معاویہ نے شام اور عراق کو ہموار کرنے کے بعد مکے اور مدینے کا خیال کیا۔ مروان مدینے کے حاکم اور گورنر تھے وہ یزید کی ولیعہدی پر ناراض ہو کر معاویہ سے بات چیت کرنے کے لئے دمشق روانہ ہوئے۔ معاویہ کے ساتھ غصے سے بھری ہوئی تیز و تند گفتگو کی۔ معاویہ نے یزید کے بعد مروان کو ولیعہد بنا کر اس سیاسی منطق سے مروان کے غصہ کو ختم کیا مدینے میں معاویہ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عائشہ بنت ابی بکر، عبداللہ بن عمر، حسینؑ بن علیؑ، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر کو خوف دلا کر دبانا چاہا اور لالچ دلا کر مائل کرنا چاہا۔ چنانچہ جب وہ سب سے پہلے مدینے کے قریب پہنچے تو حضرت حسین بن علی سے پہلے ملاقات ہوئی اور امام حسین علیہ السلام کو دیکھ کر معاویہ نے کہا نہ تمہارے لئے خوشی ہو اور نہ برکت تم ایک قربانی کا دنبہ ہو۔ جس کا خون جوش کھا رہا ہے، خدا کی قسم یہ خون ضرور گرایا جائے گا (یہ باپ کی اپنے بیٹے یزید کو وصیت تھی جو کربلا میں رنگ لائی) امام حسین علیہ السلام نے فرمایا چپ رہو ہم ایسا کلام سننے کے اہل نہیں ہیں، معاویہ نے کہا اس سے بھی بدتر کلام کے مستحق ہو۔ پھر اس کے بعد ابن زبیر سے ملے اُن سے بھی یہی کہا کہ تو ایک چھپے ہوئے مکار، سوسمار (گوہ) کی مانند ہے جو سر کو اپنے سوراخ میں ڈال کر دم ہلاتا ہے۔ قسم ہے خدا کی عنقریب اُس کی دم پکڑ لی جائے گی اور پھر اُس کے کمر کو چابک مار کر دور ہٹایا پھر اُس کے بعد عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے ملے اُن کو بھی کہا کہ یہ بڈھا بھی سٹھیا گیا ہے۔ اس کی

عقل جاتی رہی ہے۔ پھر حکم دیا کہ اُس کی سواری کے خچر پر بھی تازیانہ مارو اور ہٹا دو۔ پھر عبداللہ بن عمر سے بھی ایسا ہی کیا (کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۵۴) حضرت عائشہ نے جو یہ سنا تو غصے میں معاویہ کے پاس گئیں۔ اور کہا کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم پہلے میرے ایک بھائی محمد بن ابی بکر کو قتل کر چکے ہو اور تم نے ان کی لاش کو آگ میں جلایا۔ آج مدینے میں آکر میرے دوسرے بھائی عبدالرحمٰن کو تکلیف پہنچاتے ہو اور فرزند رسول امام حسینؑ اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو بھی دھمکاتے ہو۔ تم اُن لوگوں میں سے ہو جنہیں رسول نے رحم کھا کر فتح مکہ میں قتل ہونے سے آزاد کر دیا تھا۔ تمہارے لئے یہ حرکتیں ہرگز زیب نہیں دیتیں (روضۃ الصفاء) طبری نے امیر معاویہ کا مقابلہ جو عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ درج کیا ہے۔ حسب ذیل ہے۔

معاویہ نے کہا اے عبدالرحمٰن تم میری نافرمانی کرنے کی جرأت کرتے ہو۔ عبدالرحمٰن نے کہا اس لئے کہ اس امر کے لئے میں اپنے آپ کو زیادہ مستحق سمجھتا ہوں۔ امیر معاویہ نے کہا میں اس صورت میں تمہارے قتل کا ارادہ رکھتا ہوں۔ عبدالرحمٰن نے کہا اگر تم ایسا کرو گے تو خدا کی لعنت اور آخرت کی سزا کے مستحق ہو گے (طبری صفحہ ۱۷۱) یہ یزید کو خلیفہ بنانے کی ترکیبیں تھیں، دھمکیاں تھیں۔ جب یہ کامیاب نہیں ہوئیں تو دوسری صورتیں بھی اختیار کی گئیں۔ چنانچہ کتاب استیعاب میں عبداللہ ابن ابی بکر کے حالات میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ نے بیعت یزید کے لئے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے پاس ایک لاکھ روپیہ بھیجا۔ مگر انہوں نے روپیہ واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہم دین کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کریں گے اور مکے سے ہجرت کر گئے ایسے ہی عبداللہ بن عمر کو بھی ایک لاکھ درہم بھیجے گئے مگر اُنہوں نے بھی فرمایا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرا دین ایک درہم سے زیادہ قیمتی ہے۔ یہ کہہ کر روپیہ واپس کر دیا۔ پھر خدا معلوم کیا وجہ تھی کہ یزید کی بیعت کر لی۔ اور اس کی فسخ بیعت پر اہل مدینہ کو ڈانٹنے لگے۔ امام حسین علیہ السلام کو بھی بہت کچھ ہدایا و تحائف اور زر و مال بھیجا گیا تھا مگر امام حسین علیہ السلام نے لینے سے انکار کر دیا اور واپس کر دیا۔ طبری نے اپنی تاریخ میں پھر مالکی نے فصول مہمہ میں اور مولانا محمد مبین محلی نے وسیلۃ النجات میں کہا ہے یہ ہے وہ اجماع جسے دھمکیوں سے لالچ سے قتل سے اور رشوتوں سے تیار کیا گیا تھا۔ دوسری شرط پہلے حکمران کی نص ہے۔ وہ امیر معاویہ نے بیانگ دہل کر دی تھی۔

**یزید کے لئے شوریٰ اور غلبہ** اس میں ایسے ارباب حل و عقد نے جنہیں رشوت سے خوف سے آمادہ کیا گیا تھا اصولِ شوریٰ کو اپنا لیا اور یزید کو قہر و غلبہ بھی حاصل ہوا۔ اب بتلایئے کہ حکومت الٰہیہ کے نمائندے امام حسین علیہ السلام ان جماعتی فیصلوں سے بنے ہوئے حکمران کو کس طرح تسلیم کریں۔ جبکہ انہیں قرآن مجید سے یہ آواز آرہی تھی۔ **ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن** (سورہ الانعام آیۃ ۱۱۶ پارہ ۸ رکوع ۱) اگر تم اُن لوگوں میں سے زمین میں ہیں اکثر کا کہا مانو گے تو تمہیں راہ خدا سے بھٹکا دیں گے۔ کیونکہ وہ ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ ان چار اصولوں کی بنا پر یزید بادشاہ ہوگیا۔ درحالانکہ باقی بادشاہ ہونے والے کے لئے صرف ایک اصول کارفرما نظر آتا ہے۔ ہمارے تعجب کی کوئی انتہا نہیں۔ جب حضرات اہلسنت کے معتبر علماء اُسے خلیفہ ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں

**ابوالکلام آزاد** مولانا ابوالکلام آزاد اہلسنت کے ایک بلند پایہ عالم تھے۔ جب وہ خلافت کانفرنس بنگال میں صدر کانفرنس بنائے گئے تو انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں جسے لاہور کی خلافت کمیٹی نے شائع کیا تھا۔ فرمایا کہ یزید ان اصولوں کی بنا پر اسلام کا خلیفہ تھا۔ انہیں فوراً خیال آیا کہ اس پر فرقۂ امامیہ کے لوگ ناراض ہو جائیں گے۔ انہوں نے پلٹا بدل کر کہا کہ امامیہ حضرات کہیں گے کہ اگر وہ خلیفہ اسلام تھے۔ تو امام حسین علیہ السلام نے ان کی بیعت بھی نہ کی اور ان کے خلاف خروج کیوں کیا دراصل بات یہ تھی کہ اُس وقت تک یزید پر اجماع نہیں ہوا تھا۔ جو شہادت حسین کے بعد ہوا۔ میں نے تنہائی میں ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے آج اجماع کی بھونڈی حیثیت کو نمایاں کر دیا ہے۔ نواسۂ رسول کو قتل کرنے مخدراتِ عصمت و طہارت کو قید کرنے اور تشہیر کرنے کے بعد بھی ان افعال کے باوجود کوئی شخص خلیفہ ہو سکتا ہے۔ تو اسلام اخلاق و تمدن اور عقل کے لحاظ سے بالکل عاری ہو جائے گا۔ ہم اجماع کو کیا سمجھیں حقیقت یہ ہے کہ عوام مسلمانوں میں حسین علیہ السلام کی حق کی حمایت اور مظلومیت نے اس خلافت کے ڈھونگ کو دبا دیا تھا۔ مگر عصر حاضر کے مخالفین و معاندین نے اہلبیت کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کیا ہے اور محمود احمد عباسی ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں اور خلافت معاویہ و یزید جیسی کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ الی اللہ المشتکی

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن ❊ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

جب یزید ان خلافِ عقل و اسلام اصولوں سے بادشاہ بن گیا۔ اب اُسے خلیفہ بننے کی فکر ہوئی۔ سب سے پہلے جو سیاسی کام کیا یہی کہ اپنے چچازاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو جو مروان کی معزولی کے بعد اُس زمانہ میں مدینہ کا حاکم ہوا تھا۔ اُس نے دو خط لکھے ایک میں صرف معاویہ کی خبر مرگ تھی، دوسرا خط جسے آج کل کی اصطلاح میں ڈیمی آفیشل یا کانفی ڈینشل خط کہا جا سکتا ہے۔ وہ ولید کو بھیجا گیا۔ تاریخ حبیب السیر نے تو یزید کے خط کا مضمون صاف یہ لکھا ہے۔ حسین بن علی عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے بیعت لو اگر وہ منظور نہ کریں تو اُن کے سر قلم کر کے شام کی طرف روانہ کرو۔ حبیب السیر مطبوعہ بمبئی حصہ اوّل جلد دوئم صفحہ ۲۲)

**ولید کی طرف یزید کا خط** یزید کا خط ولید کو پہنچا۔ لیکن اُس نے باوجودیکہ وہ بھی خاندان بنی اُمیہ سے تھا۔ یزید کی اس تجویز کو پسندیدہ نہیں سمجھا۔ وہ حسین علیہ السلام کے تقدس اور ذاتی بلندی کے سبب ان کی عزت کرتا تھا وہ حیران تھا کہ اس کام کو کس طرح کیا جائے۔ باوجودیکہ اُس کے اور مروان کے درمیان مخالفت تھی، اُس نے اس معاملہ میں مروان سے مشورہ کو ضروری سمجھا، مروان آیا اُسے صلاح دی کہ تم ان لوگوں کو بلا بھیجو اگر وہ بیعت نہ کریں تو ابھی اُن کے سر قلم کرا دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر ان لوگوں کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ ہے۔ ولید کے پیغام پر حسین علیہ السلام اپنے خاندان کی ایک جماعت کو لے کر آئے اور کہا کہ باہر ٹھہرے رہو جب میری آواز بلند ہو تو اندر آنا۔ حسین علیہ السلام اور عبداللہ بن زبیر مدینے کے گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچے انہوں نے ولید اور مروان کو ان کی مخالفت کے باوجود پاس بیٹھے ہوئے دیکھا ایک خاموشی تھی جو چھائی ہوئی تھی۔ امام حسین علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ اتفاق اور اتحاد نزاع و اختلاف سے بہتر ہے۔ خدا تم دونوں کے تعلقات کو خوشگوار بنائے۔ ولید نے یزید کا خط پڑھ کر سنایا معاویہ کی خبر مرگ سنائی، بیعت یزید کا مطالبہ کیا اس صورت کو دیکھ کر اور اس مطالبہ کو سن کر امام حسین علیہ السلام کی نگاہوں میں وہ مصائب پھر گئے، جو آپ پر ہونے والے تھے۔ ان مصائب کے تصور میں آپ نے فرمایا اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُون پھر فرمایا وہ کیا یہ امر کہ میں بیعت کروں تو ظاہر ہے کہ میرے جیسے شخص کی بیعت مخفی طور سے تو ہو نہیں سکتی اور نہ تم لوگ اس کو کافی سمجھو گے۔

جب تک کہ اس کا عام طور پر اعلان نہ ہو۔ ولید نے کہا بیشک پھر آپ نے فرمایا جب تم معاویہ کی وفات کا اعلان کرنا اور تمام لوگوں کو بیعت یزید کی دعوت دینا تو سب کے ساتھ ہم سے بھی یزید کی بیعت کا مطالبہ کرنا۔ تاکہ معاملہ یکساں رہے اور کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔ ولید نے جواب سنا تو وہ اسے غنیمت سمجھا اور خوش ہو کر کہا۔ فی الحال واپس جائیں اور سب کے ساتھ پھر آیئے گا۔ مروان اب تک خاموش تھا۔ اُس نے ولید کا جب یہ طرز عمل دیکھا تو چپ نہ رہ سکا۔ ولید یہ کیا غضب کرتا ہے کہ اگر حسین اس وقت ہاتھ سے نکل گئے اور بیعت نہ کی تو پھر ایسا موقعہ حاصل نہ ہوگا۔ جب تک بہت سے لوگ طرفین کے قتل نہ ہوں بہتر ہے کہ ابھی ان کو گرفتار کر لے۔ تیرے گھر سے جانے نہ پائیں۔ جب تک کہ بیعت نہ کریں یا قتل کئے جائیں۔ یہ سن کر امام غصے میں آ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ کیا مجال ہے تیری یا ولید کی جو مجھے قتل کرے۔ تو نے غلط کہا اور گنہگار ہوا۔ یہ فرما کر آپ باہر نکل آئے۔ اور اپنے اصحاب کے ساتھ گھر واپس تشریف لائے۔ مروان نے ولید سے کہا کہ تم نے میرا کہنا نہ مانا اب ایسا موقع نہیں ملے گا۔ ولید نے کہا مروان یہ کسی اور سے کہو۔ تم نے مجھے وہ صورت بتائی تھی جس میں میرے مذہب کی موت تھی۔ خدا کی قسم مجھے پسند نہیں کہ تمام مشرق و مغرب کا مال میرے قبضے میں ہو اور میں حسین علیہ السلام کو قتل کروں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کے بعد ولید مدینہ کی گورنری سے ہٹا دیا گیا اور عمر بن اشدق گورنر مقرر کیا گیا۔ اب اس پر غور کیجئے کہ یزید کی بیعت اختیار کر لینا کون سا ایسا ناقابل عمل امر تھا۔ جسے حضرت امام حسین علیہ السلام کسی صورت سے گوارا نہیں کرتے تھے۔ اس کے لئے آپ کو ایک نظر مولا حسین کی ان ذمہ داریوں پر کر لینا چاہیئے۔ جو خاندان رسول کے نمائندہ ہونے کے اعتبار سے اُن پر عائد ہوتی تھیں۔ اور اُن قدیم روایات کو دیکھنا ہوگا۔ جو خاندان رسول کے نمائندہ ہونے کے اعتبار سے اُن پر عائد ہوتی تھیں اور اُن قدیم روایات کو دیکھنا ہوگا۔ جو اسلام اور حقانیت کی حفاظت کے لئے امام حسین علیہ السلام کے آباؤ اجداد کی وراثت بنی ہوئی تھی۔ جن کے حسین اُس وقت حامل تھے۔ اور پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ حسینؑ اپنے فرض کی تکمیل کس طرح کر سکتے تھے اسے امام حسین علیہ السلام کے ایک شعر نے واضح کر دیا ہے۔

شعر ان کان دین محمدٍ لم یستقم　　　الّا بقتلی یا سیوف خذینی

اگر میرے نانا محمد مصطفیٰؐ کا دین میرے قتل کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تو اے تلوارو آؤ اور مجھے اپنی آغوش میں لے لو۔

## صرف فرزند رسولؐ سے مطالبہ بیعت کیوں؟

یہ بھی آپ کو دیکھنا ہوگا، کہ یزید کو حضرت امام حسینؑ سے بیعت لینے پر اتنا اصرار کیوں تھا۔ خلافت کے ہر دور میں کچھ لوگ ایسے ہوتے تھے جو بیعت نہیں کرتے تھے۔ خود علیؑ کے زمانۂ خلافت میں سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر اور کئی آدمی ایسے تھے جو ان کی بیعت سے کنارہ کش رہے۔ بیعت نہ کرنا کوئی قابل سزا جرم نہیں سمجھا گیا۔ مکہ مدینہ میں سینکڑوں آدمی ایسے ہوں گے، جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی ہوگی۔ کسی کے لئے بیعت کی ضد نہیں کی گئی، پھر حسینؑ کے لئے کیا بات ایسی تھی کہ آپ سے بیعت حاصل کرنے کے لئے سلطنت شام کی پوری مشینری حرکت میں آجائے۔ شاہی جبروت کی تمام طاقت صرف کردی جائے۔ حسینؑ سے بیعت ملک عرب کے ایک فرد کی حیثیت سے طلب نہیں کی جارہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حسینؑ صرف حسینؑ نہ تھے بلکہ اس وقت وہ خاندان رسالت میں سب سے بزرگ ہونے کے لحاظ سے اس ورثہ کے حامل تھے۔ جو رسول اللہ کے بعد اسلام کی حفاظت کے لئے ان کی اولاد میں منتقل ہو رہا تھا، کیونکہ خاندانِ رسولؐ یا خاندانِ علیؑ میں محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن جعفر بھی تو تھے، حضرت عباس ابن علیؑ اور ان کے بھائی بھی تو تھے۔ ان میں سے کسی نے یزید کی بیعت نہیں کی، لیکن تاریخ نہیں بتا سکتی کہ ان میں سے کسی سے بھی بیعت طلب کی گئی ہو۔ اسی لئے کہ کسی کو حسینؑ کی موجودگی میں وہ ذمہ دارانہ حیثیت حاصل نہ تھی جو حسینؑ کو حاصل تھی۔ یزید بادشاہ بننے کے بعد خلافتِ رسولؐ کا پیراہن جو کسی طرح اس کے جسم پر راست (FIT) نہیں تھا۔ اور یہ بات اسے اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ حسین علیہ السلام سے بیعت نہ لے اور حسینؑ کی ذمہ داریاں اسے قبول کرنے کے لئے کسی طرح بھی آمادہ نہیں تھیں۔ یزید کو حسینؑ سے بیعت حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی، اگر وہ صرف دنیوی قسم کی سلطنت کا مالک ہوتا مگر وہ جس قسم کی سلطنت کا مالک بن رہا تھا۔ وہ تو خلافتِ اسلامیہ تھی۔ جو رسولؐ کی جانشینی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا یہ نظریہ تھا کہ روحانی و مذہبی پیشوائی پر سیاسی رہبری مقدم ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ مذہبی قوانین بادشاہوں کی خواہشوں کے پابند کر دیئے جائیں اور سوال یہ تھا کہ مذہب کی سچی پیشوائی

پر مہر تصدیق کون ثبت کرے کہ یہ فرض شامی عراقی مکی اور مدنی رعایا انجام دے سکتی تھی یا نہیں، اس لیے ضروری تھا کہ وہ اس خاندان کے اس فرد کامل سے اپنی حکومت تسلیم کرائے، جو رسول اللہ کی دینی وراثت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔ اور اسی خاندان سے اُس وقت سب سے بزرگ حسین علیہ السلام کی ذات تھی، یہ فرض صرف حسینؑ علیہ السلام سے وابستہ تھا اور وہی اُس کی تصدیق کر سکتے تھے۔ یزید کا مقصد یہ نہیں تھا کہ حسینؑ بحیثیت حسینؑ یزید کی اطاعت قبول کرے بلکہ حسین بحیثیت جانشین رسول اس کی بیعت کو قبول کرے۔

**بیعت کیوں نہ کی** اگر حسین علیہ السلام بحیثیت مذہبی پیشوا کے اس کے مطیع و فرمانبردار ہو جاتے تو حسین علیہ السلام کا بیعت قبول کر لینا اُس کا ایک بیّن ثبوت ہوتا کہ یزید حق پر تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا کہ یزید بادشاہت میں خدائی اختیار کا مالک ہو جاتا اگر ایسا ہوتا تو بس یہی ہوتا کہ اس کے ایک لفظ ایک حرکت اور ایک قلم پر مذہب کا انحصار ہو جانا چاہیئے وہ اُسے باقی رکھتا یا فنا کر دیتا۔ حسین علیہ السلام کے لیئے یہ سخت اور آزمائش کا وقت تھا۔ کیونکہ اُن کا بیعت کر لینا امام حسن علیہ السلام کا بیعت کر لینا ہوتا۔ اور امام حسن علیہ السلام کا جناب علی مرتضیٰ اور رسول اللہ کا بیعت کر لینا ہوتا۔ اگر رسول اللہ ہوتے تو یزید اپنی حکومت کا جواز اُن سے طلب کرتا۔ پس حسینؑ جانتے تھے کہ اگر میں نے بیعت کر لی تو ایسا ہے گویا اُن سب نے اُس ناجائز حکومت کو تسلیم کر لیا۔ آپ نے اس سخت ذمہ داری کی بنا پر تمام مشکلات کو برداشت کرنا گوارا کر لیا اور یہ طے کر لیا کہ میں کسی صورت میں بیعت نہیں کروں گا۔ خواہ مجھے جان پر کھیلنا پڑے۔

حسین علیہ السلام نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اسلام کی حفاظت کے لیئے اُس سے زیادہ قربانیاں دیں گے، جو اُن کے خاندان کے افراد نے زمانۂ رسالت میں دیں۔ یزید کی بیعت کر لینے کے معنی یہ تھے کہ حسین علیہ السلام ہر قسم کے شریفانہ شعور اور مسلمانوں کے ہر قسم کے حقوق بیچ ڈالتے۔ حسین علیہ السلام کے لیئے یہ محال تھا کہ حسین علیہ السلام فضیلت اور رذیلت کو ایک درجہ میں رکھتے۔

سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن زبیر نے بھی حسین علیہ السلام کے علاوہ یزید کی خلافت کو پسند نہ کیا۔ ان لوگوں نے معاویہ کے سامنے ہی یہ کہہ دیا تھا کہ اُن کا یہ طریق عمل کسی طرح مناسب نہیں، لیکن حسین علیہ السلام، سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن زبیر وغیرہ سے اسلام کا حق

زیادہ رکھتے تھے۔

حسین علیہ السلام زیادہ حق رکھتے تھے کہ وہ یزید کے مطالبات کو حقارت کی نظر سے دیکھیں، اور ہر قسم کی قربانی اپنے مقاصد کی حمایت میں پیش کریں۔ حسین علیہ السلام کو یہ بھی یقین تھا کہ بیعت کا قصہ اس وقت برائے نام ہے۔ وہ خواہ بیعت کریں یا نہ کریں۔ یزید اُن کو زیادہ دنوں تک زندگی کے سانس نہیں لینے دے گا۔ اگر وہ یزید کی بیعت کریں تو نہ صرف خود قتل ہوں گے، بلکہ اُن کے ساتھ نانا کے عظیم الشان کارنامے بھی قتل ہو جائیں گے۔ اور بیعت نہ کرنے سے چند جانیں تو ضرور برباد ہوں گی لیکن اسلام اور اسلام کے آثار، اسلامی عقائد، اسلامی اصول اور شریعت اسلامیہ زندہ ہو جائیں گی۔ اور اسلامی عقائد یا اصول و فروع کو دائمی حیات مل جائے گی۔

# منزل (۶)

## ہجرت حسین علیہ السلام

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ؏

اور جو شخص خدا اور رسول کے لئے اپنے گھر سے ہجرت کر کے نکلے گا، پھر اس کو موت آ گئی تو اس کا اجر یقیناً خدا کے ذمہ رہا اور اللہ بڑا بخشش والا اور رحم کرنے والا ہے۔

(سورہ النسا آیت ۱۰۰ پارہ ۵ رکوع ۱۰)

ہجرت سنت انبیاء و مرسلین ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ہجرت کی، اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی ہجرت اختیار کی۔ سرکار رسالت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں دو ہجرتیں ہوئیں، ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ۔ علامہ اقبال ہجرت کے اسلامی اصول کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

ع عقدۂ قومیت مسلم کشود — از وطن آقائے ما ہجرت نمود

تاز بخشش ہائے آں سلطان دین — مسجد ما شد ہمہ روئے زمین

ہمارے آقا محمد مصطفیٰ ارواحنا لہ الفدا نے وطن سے ہجرت کر کے قومیت کے مشکل مسئلہ کو کھولا اس لئے کہ شہنشاہ دین کی بخشش سے تمام روئے زمین ہماری مسجد بن گئی۔

ہجرت کا حکم قرآن مجید میں سخت حالات پیش آنے پر ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کو ایسے حالات درپیش تھے کہ اُن پر ہجرت کرنا واجب ہو گیا تھا۔ ہجرت کے وقت قرآن حکیم کی یہ آیت اُن کے پیش نظر تھی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۙ (سورہ النساء آیت ۹۷ پارہ ۵ رکوع ۱۱)

وہ لوگ جن کا خاتمہ فرشتے اس حال میں کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم توڑنے والے ہوں تو وہ کہتے ہیں تم کس حال میں تھے تو وہ جواب دیتے ہیں ہم اس زمین میں کمزور کر دیئے گئے تھے۔ فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اُس میں ہجرت کر جاتے پس انہیں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بُری بازگشت ہے۔

ان حالات میں امام حسین علیہ السلام پر جو کہ معصوم تھے۔ ہجرت کر جانا واجب ہو گیا تھا۔ حسین علیہ السلام کی پوزیشن مدینہ میں بہت نازک تھی وہ صرف تنہا ایسے آدمی تھے۔ جنہوں نے یزید کی حکومت سے اختلاف کیا تھا۔ اُن کے انکار بیعت پر یزید جیسا جابر حاکم شدید غضبناک ہُوا تھا۔ اندیشہ تھا کہ وہ نہ صرف ان کو بلکہ رسول کے خاندان بنی ہاشم کو ذلیل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اُس کی نظر میں رسول اور ان کے مذہب کی بہت کم عزت تھی۔ اُس نے اپنے تمام ملازموں کو جو مدینہ میں تھے۔ حکم دے دیا تھا کہ وہ ہر طرح سے حسین علیہ السلام سے بیعت حاصل کریں۔

اب مدینہ زمانۂ رسالت کا مدینہ نہیں تھا۔ زمانہ رسالت میں وہ صداقت کا گہوارہ تھا۔ اُن کے زمانہ میں مدینے کے رہنے والے انصار نے سرکار ولایت علی علیہ السلام کی قیادت میں جمیع مشرکین عرب کو شکست پر شکست دی۔

**اہلِ مدینہ کی بزدلی** اب اُن میں وہ جوش اور جذبۂ مذہبی سرد ہو چکا تھا۔ اب وہ تین خلافتوں کے زمانہ میں ملکی فتوحات کے لئے لشکر غنیمت کے لالچ اور حکومت کے جذبۂ حصول کے لئے لڑ سکتے تھے ان کی زبوں حالی کی یہ حالت تھی کہ مجسمۂ فسق و فجور کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے کے لئے سب کے سب ہمہ تن تیار تھے اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہ کسی کو یہ احساس بھی نہیں تھا کہ یہ بُری بات ہے۔ اگر کسی کے دل میں

احساس تھا بھی تو اس کی زبان حکومت کے خوف سے بند تھی، ہر طرف بنی اُمیہ کے سطوت و جبروت کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ رسول کے نواسے سے سختی سے یزید کی بیعت کا مطالبہ ہو چکا تھا۔ ان حالات کے پیشِ نظر بیعت کے انکار کی صورت میں امام حسین علیہ السلام کا مدینہ میں قیام جس قدر خطرناک تھا، اُسی قدر بے نتیجہ بھی تھا اموی حکومت اپنی انتہائی طاقت خرچ کرنے کے لئے آمادہ تھی۔ کسی پشت کی عمی جمائی سلطنت سے مقابلے کا یہی نتیجہ ہوتا کہ خاندانِ نبوت تباہ ہوتا اور حرم رسول کی بے حرمتی اور مدینے کی بربادی کا الزام ہمیشہ کے لئے امام علیہ السلام کے دامن پر رہ جاتا۔ اہلِ مدینہ کی بزدلی لاپرواہی اور جاہ طلبی کے تمام واقعات امام حسین علیہ السلام کے پیشِ نظر تھے۔ حضرت عثمان جو دنیاوی سربراہ مملکت تھے۔ اُن پر مدینے میں حملہ ہوا۔ حملہ کرنے والے صرف چالیس افراد تھے۔ ان کی پشت پر کوئی سیاسی طاقت بھی کام نہیں کر رہی تھی۔ اہلِ مدینہ کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ حضرت عثمان کو ان چالیس افراد کی جماعت کے محاصرے سے نکال سکیں اُن کو محاصرے سے آزاد کرانے میں طلحہ اور زبیر جیسے افراد نے بھی مدد نہ کی۔ جو بعد میں سیاسی اغراض کے ماتحت قتل عثمان کے معاملے میں جنگ جمل میں لڑے۔ اُدھر حضرت عثمان کو سیاسی ہتھکنڈہ بنا کر ان کی برادری کے باوجود حضرت معاویہ نے بھی دمشق سے کوئی فوج نہیں بھیجی۔ جو دمشق سے مدینہ میں پہنچ سکتی تھی۔ اہلِ مدینہ محاصرہ کی شدت کو تماشائی بن کر دیکھتے رہے۔ درد دل رکھنے والے مولا علی مرتضیٰ نے پانی اور رسد رسانی کا انتظام کیا اور حسنین علیہ السلام نے پہرہ دیا۔ آخر اُن کا جو انجام ہوا وہ ظاہر ہے پھر امام حسین علیہ السلام کی نظر میں اپنے برادر ذی الاحترام امام حسن علیہ السلام کے دفن کا واقعہ بھی پیشِ نظر تھا۔ یہی نہیں کہ انہیں روضۂ سرکار رسالت مآب میں دفن نہیں ہونے دیا۔ بلکہ اہلِ مدینہ نے اُن کے جنازے پر تیر برستے ہوئے دیکھے اور اہلِ مدینہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ مدینے میں یا ابن رسول اللہ ارواحنا لک الفدا کہنے والے بہت تھے۔ مگر حکومت کے خلاف مدد دینے والا کوئی نہیں تھا۔ سب کی زبان پر تھا کہ آپ مدینے سے تشریف نہ لے جائیں۔ لیکن کسی نے یہ نہ کہا کہ اموی حکومت کی سیاسی کارروائیوں اور مخالفتوں کے خلاف وہ فرزند رسول سے کس طرح تعاون کریں گے اور اُن مصائب میں کس طرح حصّہ لیں گے۔ حسین علیہ السلام ہجرت کے وقت مدینے سے اس طرح نکلے۔

ع جس طرح نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے

اس لئے میں نہیں کہہ سکتا کہ کربلا کی سی صورت مدینے میں پیش آتی تو حضرت کی حمایت کے لئے کوئی نکلتا اور حق جانثاری ادا کرتا اور اسے نتیجے میں کیا کامیابی ہوتی۔ اہل مدینہ کی نگاہوں میں فرزند رسول کی جس قدر وقعت و قدر و منزلت تھی۔ امام کو اُس کا پورا پورا اندازہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یابن رسول اللہ بابی انت کی صدائیں آپ کو فریب نہ دے سکیں۔ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ خاندانِ نبوت کا وہ درجہ اہل مدینہ کی نگاہوں میں نہ تھا جو ارباب اقتدار کا درجہ ان کی نگاہوں میں تھا۔ حسین علیہ السلام جیسے مبصر انسان کو اس کا کس قدر احساس ہوگا۔ چنانچہ اہل بصرہ کو جو خط آپ نے لکھا۔ اُس میں صاف طور پر اپنے حقوق کی پامالی اور اغیار کے منتخب ہونے کا تذکرہ فرمایا اور بتایا کہ ہمارے مقابلہ میں دوسروں کو ترجیح دی گئی۔ بہر حال سرکار شہادت امام حسین علیہ السلام کو ہجرت اختیار کرنا پڑی۔ قرآن حکیم میں امت محمدیہ کی دو ہجرتوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ ہجرت جو زمانہ رسالت میں ہوئی ہجرت مدینہ اور دوسری جو بعد زمانہ رسالت ہونے والی تھی۔ یعنی ہجرت حسینیہ ان دونوں کا ذکر اس طرح پر ہے۔

۱۔ ہجرت نبویہ:۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ط (سورہ النساء آیت ۹۹ پ ۵ ع ۱۰)

اور جو شخص راہ خدا میں ہجرت کرے گا تو وہ زمین میں بڑی کشائشیں اور وسعت پائے گا

۲۔ ہجرت حسینیہ:۔ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ؑ (سورہ النساء آیت ۱۰۰ پ ۵ ع ۱۰)

اور جو خدا اور رسول کے لئے اپنے گھر سے ہجرت کر کے نکلے گا اور پھر اسے موت آئے گی۔ تو اس کا اجر یقیناً اللہ کے ذمہ رہا۔ اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے

ہجرت مدینہ میں رسول اللہ اور اُن کے ساتھیوں کی ہجرت کشائش اور وسعت کے لئے تھی۔ جیسا کہ آیۂ مبارکہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔

مکہ مکرمہ میں جو انہیں تنگی اور تکالیف در پیش آئیں۔ ان کو دُور کرنے کے لئے انہوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی تھی، مدینہ پہنچ کر ان کی تکالیف رفع ہوگئیں۔ ان کی تنگیاں کافور ہوگئیں۔

مگر حسین علیہ السلام اور شہدآء کربلا کی ہجرت کو خدا نے اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ گھر سے ہجرت کرکے محض اللہ اور رسول کے لئے نکلے۔ پھر چونکہ انہیں موت آگئی۔ اس لئے ان کی اس ہجرت کا اجر اللہ پر ہے۔ جو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ ہجرت صرف اللہ اور اُس کے رسول کے لئے تھی اور اس میں کوئی دوسری غرض مضمر نہیں تھی۔ یزید کی حکومت میں اللہ کا دین خطرے میں تھا۔ آثارِ دینِ الٰہی اور اس کی تعلیمات کو مٹایا جا رہا تھا۔ سید الشہدآء کی یہ ہجرت رسول اللہ کی ختمِ نبوت کے عقیدے کے لئے تھی۔ جو مصیبت دین پر آئی تھی اگر رسول اللہ کے بعد کوئی نبی آنے والا ہوتا تو وہ ان خرابیوں کو دُور کرتا۔ جو اس حکومت میں پیدا ہونے والی تھیں۔ حسین علیہ السلام کو ایسی جانکاہ اور دوسروں کے لئے ناقابلِ برداشت مصائب اٹھانے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے معلوم ہوا کہ حسین علیہ السلام خدا کے دین اور رسول اللہ کی شریعت کی حفاظت کے لئے نکلے تھے۔

جو مولا علیؑ ابن ابی طالب جناب فاطمہؑ زہرآء اور حضرت حسنینؑ کا قرآنی قصیدہ ہے اُس میں ان کی شانِ عظمت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ وَمَا تَشَآءُونَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (سورہ دہر آیت ۳۰/۲۹ پارہ ۲۹/۲۹ رکوع ۲/۲)

اے خاندانِ رسالت تم کچھ نہیں چاہتے۔ مگر وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے۔ تم مشیّتِ الٰہیہ کے بندے ہو۔ اس ہجرت کے وقت سرکارِ شہادت کی نظر میں یہی آیہ مبارکہ تھی۔

آج کہا جاتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہ اور مدینہ کے مدبّر انسان امام حسین علیہ السلام کو مشورہ دے رہے تھے کہ آپ مدینہ سے باہر نہ جایئے۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے مدینے کیوں ہجرت کی؟۔ اس کا جواب اپنے سفر میں امام حسینؑ کئی دفعہ دے چکے تھے۔ کہنے والوں کو جواب دیتے تھے کہ اللہ نے چاہا کہ مجھے شہید دیکھے میں بھی چاہنے والا ہوں جو اللہ چاہے تو پھر غیر معصوم لوگوں کے مشورہ پر کیسے عمل کر دوں۔

امام حسین علیہ السلام کی مشیئت الٰہیہ پر نظر تھی، وہ پیش آنے والے واقعات کو جانتے تھے حکومت اور خلفاء کے ارادے پیش نظر تھے، اگرچہ مدینہ سے نکلنا ان کے لئے ناگوار تھا، یہ وہی مدینہ تھا جس میں اُن کے نانا رسول اور ان کے خاندان کی تاریخ وابستہ تھی، وہیں پرورش پاکر وہ جوان ہوئے تھے، اپنے نانا، باپ اور اعمام و خاندان کی قربانیاں اور جانثاریاں وابستہ تھیں، وہ اِن ناگوار حالات میں رخصت ہو رہے تھے۔

امام حسینؑ کی ہجرت اللہ کے لئے اللہ کی توحید کے لئے تھی، کلمۂ توحید کی بقاء کے لئے تھی۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔ ؎

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است

پس بنائے لاالہ گردیدہ است

امام حسینؑ خاک و خون میں اللہ کے لئے لوٹے ہیں اور لاالہ الا اللہ کی بنیاد ہو گئے ہیں۔ خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

شاہ است حسین بادشاہ است حسین

دین است حسین و دین پناہ است حسین

سرداد نداد دست در دست یزید

حقا کہ بنائے لاالہ است حسین

شاہ بھی حسین ہیں بادشاہ بھی حسین ہیں، دین بھی حسین ہیں، دین پناہ بھی حسین ہیں۔ سر دے دیا مگر یزید کی بیعت نہیں کی۔

## شہادت حسینؑ وجود صانع کی دلیل ہے

حق یہ ہے کہ لاالہ الا اللہ کی بنیاد ہی حسین ہیں، امام حسینؑ جیسے مدبر انسان کا اس قدر مصائب برداشت کرنا اور اس قدر قربانیاں دینا صانع مطلق (اللہ تعالیٰ) کے وجود کی واضح دلیل ہے۔ اسی لئے ابن عربی نے کہا ہے کہ حسینؑ فرزند رسولؐ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے دلائل میں سے ایک بیّن دلیل ہے۔

علامہ بدخشی لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ الحسین دلیل ذات اللہ کہ حسینؑ ذات الٰہی کی ایک دلیل ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسینؑ نے مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا جو ہجرت فرمائی تھی۔ وہ اللہ کے لئے اللہ کی راہ میں تھی۔ حسین علیہ السلام کی ہجرت رسول اللہؐ کے دین کی بقا کے لئے تھی۔ جیسا کہ فرمایا تھا۔

ان کان دین محمد لم یستقم
الا بقتلی یا سیوف خذینی

اگر دینِ محمد میری شہادت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا تو اے تلوارو آؤ میرا جسم حاضر ہے۔ مجھے اپنی تیز دھاروں میں لے لو۔

اسی لئے سرکار رسالتؐ نے فرمایا الحسین منی وانا من الحسین حسین مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ یعنی اگر میں نہ ہوتا تو حسین نہ ہوتے اگر حسین نہ ہوتے تو میں نہ ہوتا۔ میرے آثار نہ ہوتے میرے اعمال و افعال نہ ہوتے میری تعلیمات نہ ہوتیں۔ حسینؑ شہید راہ خدا ہو گئے اس لئے ان کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ جتنا بڑا کارنامہ اتنا ہی بڑا اجر ہوگا۔ اس لئے وہ اس اجر کے لئے رحمت الٰہی کے اُمیدوار ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے۔ وہ مدینہ سے روانہ ہونے کے وقت روضۂ رسول میں بہ زبان حال یہ عرض کر رہے تھے۔

اے بہ سرا پردۂ یثرب خواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

اے اپنی ابدی خواب گاہ یعنی یثرب کے پردہ میں سونے والے اب اُٹھئے کہ مشرق اور مغرب خراب ہو گئے۔ اب مدینہ چھوڑنے کی تیاری شروع ہوئی۔ آپ نے اپنے دادا حضرت ابوطالب کی تمام اولاد کو اپنے ساتھ لیا۔ سوائے محمد بن حنفیہ کے جو مصلحتاً مدینہ میں چھوڑ دیئے گئے۔ عبداللہ بن جعفر اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں بیمار پڑ گئے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے اپنے بدلہ میں اپنے دونوں بیٹوں کو حسینؑ کے ساتھ روانہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق اپنی ایک بیٹی کو بھی جو کہ بیمار تھیں۔ جن کا نام فاطمہ صغریٰ تھا۔

جن کی تیمار داری حضرت ام سلمہ زوجۂ رسول سے متعلق تھی۔ ام ہانی بنتِ ابی طالب پیرانہ سالی کی وجہ سے نہ جاسکیں۔ بس ان کے علاوہ ابوطالب کے مردوں اور عورتوں میں سے کوئی بھی امام حسینؑ سے الگ ہو کر مدینہ میں نہیں رہا۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حسین علیہ السلام کے ساتھ بنی ہاشم میں سے سوائے اولادِ ابوطالب کے کسی اور سلسلہ کا ایک شخص بھی میدان کربلا میں نظر نہیں آتا۔ یہ سعادت قدرت نے ابوطالب کے خاندان ہی کے لئے مخصوص کی تھی، کہ اسلام کی اس عظیم قربانی میں انہیں کے مرد، عورتیں اور بچے حصّہ لیں اور بس۔ عام طور پر خاندانِ رسالت کے المیہ کربلا میں شہید ہونے والے اکیس افراد کو شہدائے بنی ہاشم کہا جاتا ہے۔ یہ خاص کو عام کرنے کی صورت ہے ہم انہیں شہدائے بنی ہاشم تب کہہ سکتے تھے اگر ابوطالب کی اولاد کے سوا کسی اور ہاشمی نے بھی اس عظیم الشان المیہ میں حصّہ لیا ہوتا۔ سرکارِ شہادت جن لوگوں کو مدینہ سے لے جا رہے تھے اور جنہیں مدینہ میں چھوڑ رہے تھے۔ ان کا عمل مشیّتِ الٰہیہ کے مطابق تھا۔ اُسے لے جا رہے تھے جسے اللہ چاہتا تھا کہ جائے اور اُسے چھوڑ رہے تھے جسے اللہ چاہتا تھا کہ چھوڑا جائے۔

## من گھڑت روایات

دورِ حاضر میں اس دور کے کم علم، جاہل اور آلِ محمد کے عرفان سے محروم رونے رُلانے کے تخنف میں ایسی روائتیں گھڑ رہے ہیں۔ جو خاندانِ رسالت خاندانِ عصمت کی شانِ عصمت کی تنقیص کر رہی ہیں۔ مثلاً آج کل بے علم ذاکروں نے حضرت صغریٰ کے متعلق ایک روایت ایجاد کی ہے۔ اور ہم نے کئی جگہ اُسے پڑھتے سنا اور واقعۂ کربلا کے عرفان نہ رکھنے والے غنا کے شوقین خبطِ نفس کے شیدائی سامعین کو اُس پر حوصلہ افزائی اور حسینیت کے نعرے بلند کرتے سُنا یہ غلط روایت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے جناب صغریٰ کو لے جانے سے انکار کر دیا تو اُنہوں نے اپنی مادرِ گرامی سے کہا کہ میں (معاذ اللہ) چار شخصیتوں سے ناراض ہوں اور اُن پر غضبناک ہوں۔ ان میں سے کوئی میرے مرنے کے بعد میرے جنازے پر نہ آئے۔ دریافت کرنے پر انہوں نے جواب دیا کہ وہ چار شخص یہ ہیں۔ بھائی علی اکبرؑ، چچا عباسؑ، بابا جان حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ۔ اُس پر معاذ اللہ نقلِ کفر کفر نہ باشد حضرت عباس نے کہا بیٹا میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔

تمہیں یہاں چھوڑ جانا معاذ اللہ یہ میری غلطی نہیں تمہارے بابا حسین کی غلطی ہے۔ صرف اس قدر توہین پر ہی اکتفا نہیں کی گئی بلکہ ناراض ہو کر اونٹ پر سوار ہو کر چل دیں۔ بڑی مشکل سے حضرت علی اکبر نے انہیں اونٹ سے اُتار کر گھر روانہ کیا۔ اس روایت کے بنانے والے اور اہل بیت کی توہین کر کے اس اختراع اور کذب پر سامعین کو رُلانے والے ذاکرین نے یہ نہیں سمجھا کہ امامؑ سے غصے ہونا ناراض ہونا اُن پر غضبناک ہونا کفر ہے۔ اور یہ بھی نہیں سمجھا کہ خاندان رسالت کا فرد ہونے کی حیثیت سے صغیرنا وکبیرنا کا مصداق ہوتا ہے یعنی ہمارے چھوٹے بھی بڑوں کی مانند ہیں۔ امام کی بیٹی ہوتے ہوئے اس مسئلہ سے ناواقف تھیں

ہم ذاکرین کی خدمت میں التجا کرتے پر مجبور ہیں کہ وہ اس عبادت عظمیٰ کو اپنی جہالت سے گناہ نہ بنائیں۔ ایسا گناہ کہ آپ کی اس حرکت سے آپ بھی گنہگار ہو جاتے ہیں۔ اور سامعین کو بھی گناہ میں مبتلا کر رہے ہیں۔

## امام کا مقصد جنگ کرنا نہ تھا

بہر حال حسین علیہ السلام کے سفر کے اس طرز عمل سے آئینہ کی طرح صاف اور روشن تھا کہ وہ کسی جنگ کے لئے نہیں جا رہے ہیں، اور اس لئے اُنہوں نے صرف اپنے گھر والوں کو جن کے وہ کفیل اور سرپرست ہیں اپنے ساتھ لیا۔ اور مدینہ میں کسی شخص کو یہاں تک کہ بنی ہاشم میں سے اپنے عزیزوں کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت نہیں دی ہے۔ اس سے ہر شخص حسینؑ کے مقصد کو سمجھ سکتا ہے۔ اگر حضرت علی اصغر شیر خوار کی عمر یوم عاشورہ چھ ماہ کی تھی تو اٹھائیس رجب المرجب کو جبکہ حسین علیہ السلام مدینہ سے روانہ ہوئے تو ان کی عمر صرف اٹھارہ دن کی تھی۔ گرمیوں کے موسم میں جزیرہ عرب جیسے ملک میں اٹھارہ دن کے پھول جیسے بچے اور اس کی ماں زچہ کو سفر میں لے جانا ظاہر کر رہا ہے کہ اس میں کوئی اہم راز مضمر تھا۔ الغرض اس معاملہ میں علامہ اقبال نے خوب کہا ہے۔ ؎

مدعایش سلطنت بودے اگر　　　　باچنیں ساماں چرا کردے سفر

بہر حال مدینے سے یہ آیہ پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے۔ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

(سورہ القصص آیہ ۲۱ پ ۲۰ ع ۵) وہ اس مقام سے حالت خوف میں اس اُمید میں نکل پڑے کہ اے اللہ مجھے ظالموں سے نجات دے

# منزل (۷)

## خوف اور ہجرت

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

(القصص آیہ ۲۱ پارہ ۲۰ رکوع ۵)

پس موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے اور آس لگائے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔ عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھے ظالموں کے ہاتھ سے نجات دے۔ یہ آیہ مبارکہ سورہ القصص کی آیت ہے

### کلیم اللہ اور سید الشہدا کی ہجرت میں فرق

یہ اُس وقت کی آیت ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس قبطی کو جو اُن کے بنی اسرائیل شیعہ سے لڑ رہا تھا قتل کر کے مدائن کی طرف روانہ ہوئے تھے تو انہوں نے روانگی کے وقت یہ آیت پڑھی تھی۔ اِس حالت میں اُن پر خوف طاری تھا۔ کہ حکومت فرعون انہیں گرفتار کر کے انتقام میں قتل نہ کر دے۔ وہ خدا سے نا اُمید نہیں تھے۔ اس وقت انہوں نے کہا تھا "اے میرے پروردگار مجھے ظالموں سے نجات دے۔

امام حسین علیہ السلام جب مدینہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے اُس آیت کی تلاوت فرمائی، چونکہ امام حسین علیہ پر بھی خوف کا عالم طاری تھا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کے خوف اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے خوف میں ایک فرق تھا۔ خداوند عالم نے آیہٗ ابتلا میں اُس خوف کا ذکر اِن الفاظ میں فرمایا ہے۔

وَلنبلونکم بشئ من الخوف والجوع ونقصٍ من الاموال والانفس والثمرات و بشر الصابرین (سورہ البقرہ آیت ۱۵۵ پارہ ۲ رکوع ۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم ضرور تمہارا امتحان لیں گے۔ ایک بڑے خوف سے بھوک سے، اموال کی کمی سے اور جانوں کی کمی اور ثمرات کی کمی سے ثمرات سے یہاں پر مراد اولاد

ہے۔ جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، اور نہ ہی اس میں کوئی امر مشتبہ ہے۔ وہ پانچ امر یہ ہیں۔

۱۔ خوف ۲۔ بھوک ۳۔ اموال کی کمی ۴۔ جانوں کی کمی ۵۔ ثمرات یعنی اولاد کی کمی

**خوف کی توضیح** ظاہر ہے کہ سوائے بھوک کے، ہر ایک کمی سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ پھر خوف کو جداگانہ ذکر کرنا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خوف جس سے خدا کسی کا امتحان لے گا، جداگانہ امر ہے۔ اِن سہ اقسام خوف سے میری یہ مراد ہے کہ خوف کی لفظ اِن تینوں خوفوں کو شامل ہے۔ پھر اس کے بعد اِن خوفوں کا ذکر کرنا ضرور اس پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ خوف کمی مال، کمی جان اور ثمرات یعنی اولاد کا نہ ہوگا۔ بلکہ اور کسی امر کا خوف ہوگا۔ چونکہ اِن تینوں امور میں نقصان سے جو خوف پیدا ہوگا، دینوی خوف ہوگا۔ اور کوئی دنیاوی خوف اس سے باہر نہیں۔ اب یہی بات باقی رہی کہ یہ خوف دینی امور میں خوف ہے۔ اور یہی خوف بڑا خوف اور اہم خوف ہے۔ اور اسی وجہ سے خدا نے اس کو پہلے ذکر کیا ہے۔ دوسرے امتحانات اس کے بعد ہیں۔ اور وہ عنوانِ نکرہ جس پر تنوین تعظیم کی ہے، ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی ایک بڑی چیز کا خوف اس آزمائش میں ہوگا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اُمورِ دینیہ میں خوف انہیں حضرات سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ جنکی خدا نے دین کی حفاظت کا کفیل اور ذمہ دار بنایا ہو۔ اور امور دینیہ کا انتظام اُن کے سپرد کیا ہو۔ اُن کو قرآن حکیم میں اولی الامر کی لفظ سے یاد فرمایا ہے اور وہ حضرات انبیاء کرام اور آئمہ معصومین اوصیائے انبیاء ہیں۔ اِن سب پر خدا کا درود و سلام ہو۔ امام حسین علیہ السلام بھی ان میں سے ہیں۔ اب ہم دیکھیں کہ اس وقت امور دینیہ کی ابتری یزید کی وجہ سے تھی جو خلیفۂ رسول ہونے کا مُدعی تھا۔ اور اس میں وہ چاروں شرطیں اجماع، نصِّ غیر معصوم شوریٰ اور غلبہ اس میں موجود تھیں، یہ شرطیں بدعتی ہیں، نہ قرآن ان کی نشاندہی کرتا ہے، نہ کسی حدیث رسول سے ظاہر ہوتی ہیں۔ باوجود اِن تینوں شرطوں کے موجود ہونے کے۔ وہ تارک الصلوٰۃ تھا۔ اور بیٹیوں، ماؤں اور بہنوں سے زنا کرتا تھا۔ ہر دم شراب سے مست و مدہوش رہتا تھا۔ اور شراب کو حلال اور مباح جانتا تھا۔ جیسے کہ تاریخ اہلسنت کے امام واقدی نے اس کو اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ پھر کیا کوئی وقت اس وقت سے زیادہ سمجھ میں آسکتا ہے۔ جس میں امور دینیہ پر خوف اس خوف

سے زیادہ ہو۔

اب اگر امام حسینؑ دین کی امداد اور حمائیت دین کے لئے اُٹھ کھڑے نہ ہوتے تو ملّتِ اسلامیہ کے لئے شرائع اسلام اور احکام دین باقی نہ رہتے۔ اسی جہاد کی طرف ہمارے نبی اکرم ارشاد فرماتے تھے۔ الحسنؑ والحسینؑ ھٰذان ابنای قاما اوقعدا کہ یہ حسن اور حسین دونوں میرے بیٹے ہیں، جہاد کریں یا جہاد ترک کر کے صلح کریں۔ قاعد سے مراد امام حسن علیہ السلام ہیں اور قائم سے مراد امام حسین علیہ السلام ہیں۔ اب ثابت ہو گیا کہ جس خوف کا ذکر خدا اس آیت میں فرماتا ہے۔ یا جس خوف کا ذکر امام حسین علیہ السلام نے سورۂ قصص کی آیت پڑھ کر فرمایا ہے۔ وہی خوف بربادیٔ اسلام کا خوف ہے۔ یہی خوف ایسا خوف عظیم تھا کہ اس کے سامنے کی اموال، کی جان اور کی ثمرات کا خوف کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ پھر خدا نے اس خوف سے کسی اور نبی یا امام کا کسی وقت قبل امام حسینؑ کا امتحان لیا ہو یا آئندہ لے گا۔ اس کا انکار میں نہیں کرتا۔ مگر امام حسین علیہ السلام کا اس خوف میں مُبتلا ہونا اس طرح ثابت ہے کہ کوئی منکر اپنے عناد اور دشمنی کے باوجود اس سے اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہی ہمارا مطلب ہے جو بحمد اللہ بخوبی ثابت ہو گیا۔ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کا اس کے افعال سے امتحان لیتا ہے۔ یہ امتحان دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم اسی بندے کے افعال سے متعلق ہوتی ہے۔ جس کا امتحان لینا منظورِ الٰہی ہے۔ دوسری قسم اس بندے کے افعال اور اس کے غیر کے افعال سے بھی متعلق ہوتی ہے۔ مثلاً اگر خدا کسی کا مظلوم ہونے کی حیثیت سے امتحان لے تو اس کا امتحان یہ ہوتا ہے کہ یہ بندہ کہاں تک ظلم برداشت کر سکتا ہے اور ظالم کا امتحان یہ ہے کہ آخر کس حد تک وہ ظلم کر سکتا ہے۔ امام حسینؑ کا امتحان اسی دوسری قسم کا تھا۔ یعنی خدا نے جیسا کہ آپ کا امتحان ظلم برداشت کرنے کے متعلق لیا۔ اسی طرح ظالمین کا امتحان لیا کہ وہ کس حد تک ظلم کر سکتے ہیں؟

یہ ظلم کرنے والے اپنے ظلم میں اُس درجے کو پہنچے کہ اس سے بڑھ کر ظلم نہیں ہو سکتا۔ حضرت موسیٰ نے جب فرعون کے ظلم سے تنگ آ کر آیۂ مذکورہ پڑھ کر مصر کو چھوڑا۔ اس وقت آپ بھوکے تھے۔ اور روٹی طلب کر رہے تھے۔ جناب امیر علیہ السلام نے یہی ارشاد فرمایا ہے کہ جب فرعون کے خوف سے

حضرت موسیٰ نے ہجرت کی تو آبادی کو چھوڑ کر جنگل اور صحرا میں فرعون کے خوف سے سفر کر رہے تھے۔ اور جنگل کی پتیاں کھاتے تھے۔ لاغر اس قدر تھے کہ سبزی نباتات کی جلد شکم سے نظر آتی تھی۔ باوجود اس ضعف کے اور عین بھوک حالت میں چشمۂ مدین سے وہ پتھر تنہا اُٹھا لیا تھا جس کو چالیس یا پچاس افراد اُٹھاتے تھے۔ جناب شعیب کی صاحبزادیوں کی بھیڑ اور بکریوں کو پانی پلایا۔ پھر سایہ میں درخت کے نیچے آرام کیا۔ اور خاص غرض سے بیٹھے بھوکے زیادہ تھے۔ تب یہ دُعا فرمائی کہ پروردگار میں محتاج ہوں۔ اب خدا کا یہ قول صادق آیا کہ موسیٰ اپنے ضعفِ جسمانی کو پہنچ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت شعیب سے آپ کی ملاقات ہوئی اور اپنا عصا اُنہوں نے حضرت موسیٰ کو دیا اور فرمایا اب خوف نہ کرو۔ تم نے قوم کے ظالمین سے نجات پائی۔ بہرکیف موسیٰ کا خوف صرف فرعون سے تھا۔ اور یہ صرف اپنی جان کا خوف تھا مگر امام حسین علیہ السلام نے جس خوف کے متعلق دعا فرمائی وہ جان کا خوف نہیں بلکہ دین و ایمان کا خوف تھا۔ حضرت موسیٰ کو روٹی اور شعیب کی پناہ مل جانے سے خوف سے نجات ہوئی۔ مگر امام حسین علیہ السلام کو اپنی جان اور اپنی اولاد اور اپنے ساتھیوں کی جانیں دے کر اپنا خون بہا کر اُس خوف سے نجات ملی۔ جس کے لئے وہ مدینہ سے یہ آیت پڑھتے ہوئے نکلے تھے۔

**مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت** اب اس کے بعد یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ مدینہ سے کس طرف ہجرت کرنا مناسب اور مفادِ دینی کے لئے مفید تھا۔ آپ کی دور بین نگاہیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ بنی اُمیّہ کو نہ حلال و حرام کی پرواہ ہے نہ ان کے دلوں میں شعائر اللہ کی عظمت باقی ہے۔ وہ یقیناً خانہ کعبہ پر بھی حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ آپ اپنے لئے حرم کعبہ ہی نہیں حرم امن کو مامن کہتے تھے۔ ہاں اتنا ضروری ہے کہ جب کوئی حکومت بڑا اقدام کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے موقع کی تلاش میں رہتی ہے۔ بالخصوص خانہ کعبہ پر حملہ کرنا جو تمام عربی ذہنیت سے مستقل جنگ تھی، اس کا وقوع پذیر ہونا آسان نہ تھا۔ بالخصوص ایام حج میں چونکہ تمام اطراف و جوانب سے لوگوں کے گروہ در گروہ آتے ہیں۔ اِن کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگنا سخت بلوے کا باعث ہو سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ بڑے سے بڑا جرم انسان کر سکتا ہے۔ دوسرے بھی دیکھتے دیکھتے عادی ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص اگر مذہبی رنگ میں رنگ دیا جائے تو دوسرے بھی اس جرم کی طرف سبقت کرنے

ہیں۔ لیکن یکایک کوئی سخت جرم اس قسم کا کرنا باعث ہلاکت ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کچھ دنوں کے لئے
مأمن ہو سکتا تھا تو فقط حرم کعبہ چنانچہ فرزند رسول نے مکہ میں ورود فرمایا اور حرم میں پناہ لی۔ حضرت
کا مکہ میں ورود تمام عالم اسلامی کے لئے ایک خاموش پیغام تھا کہ حسینؑ یزید کی خلافت سے جس کی بنیاد
ظلم و سرکشی پر ہے۔ سخت بیزار ہیں اور اس کی بیعت سے دست کش ہیں۔

سکوت ما است تمنا بیان ہر غم دل	ہزار گفتن ما ہست در نہ گفتن خویش

(شہید انسانیت صفحہ ۲۴۸ اور صفحہ ۲۴۹)

**اپنے مقصد کی نشر و اشاعت** سرکار شہادت امام حسین علیہ السلام نے جو مدینہ طیبہ سے
مکہ مکرمہ کی طرف جانے اور ایک مدت مقررہ تک وہاں قیام فرمانے کا قصد کیا وہ ایک دلیانہ تدبیر
تھا۔ اپنے مشن اور اپنے اغراض و مقاصد کو تھوڑی سے تھوڑی مدت میں تمام دنیا میں نشر کر دینا اہم کی
کامیابی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ عصر حاضر میں نشر و اشاعت کے جو ذرائع موجود ہیں اور سائنس کے جدید انکشافات
نے جو پیدا کئے ہیں۔ وہ سرکار شہادت کے زمانہ میں موجود نہیں تھے۔ موجودہ زمانہ میں وہ ذرائع ڈاکخانے
ہیں۔ ٹیلیگراف ہیں وائرلیس ٹیلیگرافی ہے، روزنامے ہیں ریڈیو ہے۔ ٹیلی ویژن ہے اس زمانہ میں اہم مقاصد
کی نشر و اشاعت کے لئے یہ سب ذرائع موجود ہیں جن سے وہ جلد سے جلد دنیا میں نشر ہو جائیں۔ لیکن
امام حسین علیہ السلام نے اس زمانہ میں جبکہ حج کے ایام تھے اور کرۂ ارض کے گوشہ گوشہ سے مسلمان نمائندے
مکہ معظمہ میں آ چکے تھے یا آ رہے تھے یا آنے والے تھے۔ وہی حسینی اغراض کو جلد سے جلد نشر کرنے
کا ذریعہ ہو سکتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام ۲۸ رجب کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے۔ گویا تین
مہینے سے زیادہ عرصہ حج کے لئے باقی تھا۔ حج کے لئے آنے والے حیران ہوں گے کہ مکہ اور مدینہ
کا فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔ پھر روضۂ رسول کے مجاور مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر اتنا عرصہ قبل مکے میں کیوں
چلے آئے ہیں۔ وہاں قیام کے زمانہ میں انہیں اس بات کا علم ہو جانا ضروری تھا کہ حکومت بنی امیہ
کا بدکار، بدعمل شراب خوار اور عیاش تاجدار اُن سے بیعت کا مطالبہ کر رہا ہے اور امام حسین علیہ السلام
کے انکار پر اُن کے مدینہ میں شہید ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہے اور وہ یہ نہیں چاہتے کہ مدینہ

کوئی جعدہ بنت اشعث پیدا کر کے انہیں شہید کرا دیا جائے اور ان کی شہادت پر اخفا کے پردے پڑے رہیں۔ اس لئے اتنا عرصہ مکہ مکرمہ میں قیام نہایت روحانی تدبر کا نتیجہ تھا۔

مکے میں عرب کی قدیم روایات اور اسلام کی مخصوص تعلیمات کی بنا پر کسی جانور تک کا قتل جائز نہیں تھا۔ امامؑ نے یہاں پہنچ کر اپنے تئیں ظاہری طور سے ایک محفوظ آغوشِ پناہ میں پہنچا دیا جہاں وہ رہ کر نہایت خاموشی کی زندگی گزارنے لگے نہ امیر سلطنت سے غرض نہ مہمات سلطنت سے کوئی سرکار آپ نے مکے پہنچ کر بھی کوئی خطوط و رسائل روانہ کئے اور نہ مختلف اطراف و جوانب کے لوگوں کو اپنی نصرت کی دعوت دی یہ بھی آپ کے مقصد کے تعین کے لئے آپ کے کردار کا ایک اہم جزو ہے۔

**مکہ مکرمہ میں ورود** آپ کا مکہ معظمہ میں ورود بروز جمعہ ۳ شعبان ۶۰ھ کو ہوا ارشاد شیخ مفید صفحہ ۲۰۵) اس کے معنی یہ ہیں کہ پانچ دن میں آپ مدینہ سے مکہ پہنچ سکے اُس زمانہ کے لحاظ سے یہ مدت بتاتی ہے کہ راستہ بہت تیزی سے طے کیا گیا اور یہ موقع کی نزاکت کی بنا سے ضروری بھی تھا۔ آپ نے مکہ میں پہنچ کر شعب ابی طالب میں قیام کیا۔ عبداللہ بن زبیر آپ سے دو ایک دن پہلے پہنچ چکا تھا۔ اُس کے مکہ میں اچانک پہنچنے کے ساتھ لوگ اس کے گرد جمع رہتے تھے۔ اور اسے ایک مرکزیت حاصل رہتی تھی اور امام حسین علیہ السلام کے مکہ میں پہنچنے کے ساتھ لوگوں نے عبداللہ بن زبیر کو چھوڑ دیا اور وہ اب فرزند رسول امام حسین علیہ السلام کے ارد گرد رہنے لگے اور اسے یہ ناگوار گزرا اور اُسے یہ علم ہو گیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی موجودگی میں اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ مصلحت وقت کی بنا پر وہ بھی صبح و شام دونوں وقت امام حسین علیہ السلام کے پاس آنے جانے لگا۔ (الاخبار الطوال صہ ۲۲۹) اب امام حسین علیہ السلام کے پہنچنے کے متعلق قرآنِ حکیم میں جو کچھ بیان کیا ہے۔ اُسے ہم پیش کریں گے)

اس وقت امام حسین علیہ السلام کا مکہ معظمہ میں قیام ایک پناہ گزین کی حیثیت سے تھا اور یہی مشورہ تھا جو آپ کو مدینہ سے روانگی کے وقت آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے دیا تھا۔ جسے آپ نے پسند کیا۔ مکہ میں حالات کے ناسازگار ہونے کی صورت میں کیا ہو گا۔ اس کے متعلق محمد بن حنفیہ

کی رائے یہ تھی کہ اگر وہاں حالات آپ کے موافق نہ ہوں تو آپ نکل جائیں۔ ریگستانی صحراؤں اور
پہاڑوں کے دامنوں میں اور ایک شہر سے دوسرے شہروں میں منتقل ہوتے رہیں، یہاں تک کہ
ان لوگوں کے موجودہ حالات کا آخری نتیجہ سامنے آجائے۔ اس وقت کوئی قطعی رائے قائم کر لینا۔
(طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۲۔ ارشاد صفحہ ۲۲۱)

آپ کا قیام مکہ میں ظاہری طور پر مستقل حیثیت رکھتا تھا اور کوئی مقصد آپ کے پیش نظر نہیں
سوائے ایک پُر امن زندگی کے کہ جسے (جیئو اور جینے دو) کی لفظوں سے آگاہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں
آپ نے نہ تو اپنے ساتھ کوئی افسری طاقت فراہم کی اور نہ جمہور کو یزید کے خلاف مشتعل کیا۔ تقریباً
ہے کسی صورت سے بھی ایسی کوئی کوشش ثابت نہیں کی جا سکتی۔ اب مسجد حرام کے اہل کو مسجد حرام
سے نکالنے کی عملی صورت کیا تھی۔ اسے قرآن کی زبان سے سنئے۔

# منزل (۸)

## قتالِ محرم الحرام ۔ بنی امیہ اور جہادِ حسینی علیہ السلام

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورہ البقرہ آیت ۲۱۸ پارہ ۲ رکوع ۱۱)

ترجمہ: اے رسول! تم سے لوگ حرمت والے مہینے کی نسبت پوچھتے ہیں کہ آیا قتال اس میں جائز ہے کہ نہیں! تم ان سے کہہ دو۔ کہ قتال اس مہینے میں بڑا گناہ ہے۔ اور خدا کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا خدا سے انکار کرنا اور مسجد الحرام کے اہل کو وہاں سے نکالنا اس سے بڑا گناہ ہے اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑا گناہ ہے اور یہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔ اور جو شخص اپنے دین سے پھر جائے وہ کفر کی حالت میں مرے گا۔ ایسوں کا کیا کرایا سب کچھ دُنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہے اور یہی لوگ جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں

جہاد کیا، یہی لوگ اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں، اور اللہ غفور و رحیم ہے

المیہ کربلا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے۔ جس کے نتیجہ میں آج دنیا میں اسلام باقی ہے۔ اس عظیم الشان واقعہ کا ذکر قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔ اس واقعہ سے متعلق جو آیات ہیں، اگرچہ عموم پر بھی ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ لیکن حقیقتاً اس واقعۂ کربلا کو ہی بیان کرنا مقصود ہے

**حرمت والے مہینے** اے رسول! لوگ تم سے حرمت والے مہینے کے متعلق پوچھتے ہیں کہ آیا قتال اس میں جائز ہے کہ نہیں! شہرِ حرام وہ مہینہ ہے جس میں کشت وخون حرام ہے وہ چار مہینے ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ط

(سورہ التوبہ پارہ ۱۰ رکوع ۱۱ آیت ۳۶)

کتاب اللہ میں اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ ۱۲ ہے، جن میں چار حرمت والے ہیں۔ یعنی جن میں کشت وخون حرام ہے۔ یہ چار مہینے محرم الحرام رجب المرجب، ذی القعدۃ الحرام اور ذی الحجۃ الحرام ہیں۔ پھر چونکہ ان سوال کرنے والوں نے لفظِ جمع سے سوال نہیں کیا۔ یہ نہیں پوچھا کہ حرمت والے مہینوں میں قتال آیا جائز ہے یا نہیں بلکہ صرف ایک مہینہ کے متعلق سوال کیا ہے۔ اگرچہ اسے بدل بدل کے چاروں مہینے مراد ہو سکتے ہیں۔ مگر یہاں ایک مہینہ مراد ہے۔

علم معانی و بیان اور اصول فقہ وغیرہ علوم میں لغت کے اصول بیان ہوتے ہیں۔ مگر قاعدہ بلاغت یہ ہے کہ جب کسی چیز کو مطلق ذکر کیا جائے اس سے فردِ کامل مراد لیا جاتا ہے، اور فردِ کامل ان چاروں میں یہی محرم الحرام ہے۔

علامہ فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ بزرگ مہینوں میں خدا کے نزدیک محرم الحرام کا مہینہ ہے۔ اسلام تو اسلام زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ محرم میں خون کرنا اور لڑنا حرام جانتے تھے۔ اس سوال سے صاف ظاہر ہے کہ سوال کرانے والے مسلمان

ہیں، چونکہ غیر مسلموں کو پیغمبر اسلام سے جائز اور ناجائز کے متعلق پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟
یہ سوال سرکارِ رسالت محمد مصطفیٰ ارواحنا لہ الفداء سے مسلمانوں نے ہی کیا ہے۔ تاریخی امور کا ثبوت
عقلی اصول سے تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اب قرآن شریف سے تو صراحتہً چاروں مہینوں میں قتال کی حرمت
ثابت ہے۔ مگر ماہ محرم کی تخصیص قواعد علمیہ سے ہم کر چکے ہیں

ایسے متبرک مہینہ میں جو برائے نام مسلمان تھے۔ انہوں نے نواسۂ رسول سے قتال کیا اور
کشت و خون کا ایسا مظاہرہ کیا کہ جس سے بڑھ کر کوئی جنگ نہیں ہو سکتی۔ قرآنِ مجید کی یہ آیات واقعہ
شہادت سے پوری پوری مطابقت رکھتی ہیں۔ اور یہ آیات سرکار شہادت امام حسین علیہ السلام کی
شہادت کا بیّن ثبوت ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے پورے واقعات کی پیشن گوئی فرمائی
ہے۔ اور یہ تفصیل ثابت کر رہی ہے کہ قرآن مجید کا نزول معدن حکمت ربانی سے ہوا ہے۔ جو طاقت
بشری سے بالا و برتر ہے۔

قرآن مجید کی آیت سے ظاہر ہے کہ شہر حرام میں قتال کا سوال کرنے والے تمام کے تمام یا ان
میں سے بعض ایسے ہیں جن کی دلی خواہش ہے کہ اسی ماہِ (محرم) میں کشت و خون کے مرتکب ہوں۔ اگر
زندہ رہیں یا پھر اپنی اولاد کو وصیت کر جائیں کہ وہ اولادِ رسول سے لڑائی جھگڑا کریں اور ان لوگوں
سے لڑیں جنہیں یہ رسول اپنا خلیفہ مقرر کر جائے۔ پھر دیکھئے کہ امام حسین علیہ السلام کی سیاست
ربانی نے وہ راستہ اختیار کیا جو ان کے لئے ان آیات میں تجویز کیا گیا ہے۔

اس آیت میں سوال صرف ماہ محرم میں قتال کے جائز یا ناجائز ہونے کا تھا۔ اس کا جواب
یہی کافی تھا کہ اے رسول ان سے کہہ دو کہ اس ماہِ محرم میں قتال گناہِ کبیرہ ہے۔ یہاں پر سوال کا
جواب ختم ہو گیا۔

اللہ تعالےٰ نے اس سوال کے جواب کے بعد واقعاتِ کربلا کو عجیب انداز سے بیان فرما رہا ہے
اللہ کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنا یعنی ہدایت الٰہیہ سے باز رکھنا اور اللہ سے کفر کرنا اور اہلِ کعبہ
کو کعبہ سے نکال دینا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے اور فتنہ برپا کرنا قتل سے بھی زیادہ

بدتر ہے. گویا اللہ بیان کر رہا ہے کہ محرم الحرام میں قتال کے علاوہ یہ لوگ ان باتوں کے مرتکب ہوں گے.
جو اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اب اس کی تفصیل پر غور کیجئے. یزید خلافتِ رسالت کے ادعاء کے
باوجود اپنے اقوال و افعال سے اللہ کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کر رہا تھا. اور کفر کا مرتکب تھا وہ
شاعر تھا. چنانچہ اپنی محبوبہ سے کہہ رہا ہے

**یزید کے کافرانہ اشعار**

علیۃ ھاتی و اعلنی و ترنّمی
بذالک انّی لا احبّ التناجیا

اے نازنین محبوبہ آ مجھے سُنا اور بلند آواز سے سُنا اور گا کر سُنا مجھے چپکے چپکے گفتگو اچھی
معلوم نہیں ہوتی۔

حدیث ابی سفیان قدما سما بھا
الی اُحدٍ حتی اقام البواکیا

سُنا ابو سفیان کا وہ پُرانا قصہ اُحد میں اس کا کارنامہ جہاں اُس نے اپنے دشمنوں (محمدؐ و آلِ محمدؐ)
کے گھروں میں ماتم برپا کر دیا تھا (جاہلیت کے کارناموں پر پسندیدگی)

الاھات سقّینی علی ذاک قھوۃ
تخیّرھا العنبی کرماً شامیا

ہاں اسی افسانہ کے ساتھ مجھے جام شراب پلاتی جا وہ شراب جسے شام کے بہترین چیدہ
انگوروں سے بنایا گیا ہو۔

اذا ما نظرنا فی امور قدیمۃ
وجدنا حلالاً شربھا متوالیا

جب ہم قدیمی عمل درآمد پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس کا پینا ہمیشہ ہی حلال نظر آتا ہے. اس چیز کو
جسے سرکارِ رسالتؐ نے حرام قرار دیا تو ہمیں اِس کا پینا ہمیشہ ہی حلال نظر آتا ہے۔

اُس چیز کو جسے سرکارِ رسالتؐ نے حرام قرار دیا اُسے حلال سمجھنا کیا منافیٔ اسلام نہیں ہے۔

وَاِن مت یا اُمّ الاحیم فانکحی
ولا تأملی بعد الفراق تلاقیا

اگر میں مر جاؤں اے نازنین محبوبہ! تو تو کسی اور سے نکاح کر لینا اور یہ امید نہ کرنا کہ اِس
جدائی کے بعد کبھی پھر ملاقات بھی ہوگی۔

فَاِنَّ الذی حدّثت عن یوم بعثنا　　احادیث طسم تجعل القلب ساھیا

یہ جو دوسری زندگی کے متعلق تو نے قصّے سُنے ہوں گے یہ بیکار قصّے ہیں۔ جو انسان کے دل کو نادانی میں مبتلا کرتے ہیں۔

(یہ دیکھئے عقیدہ معاد سے انکار یہ کیسا اسلام ہے۔)

لابُدّ لی من ان اَزور محمّداً　　بمشمولة صفراء تروی عِظامیا

اگر مجھے محمدؐ مصطفیٰ سے ملنا ہی پڑا تو ایسی شراب کے نشہ میں مست ملوں گا۔ جس کا اثر ہڈیوں تک پہنچ چکا ہوگا　　(دیوانِ یزید ۔ ردیف الف)

یہ ہے مسلمان کہلانے والے خلافت کے دعویدار کی شریعت طاہرہ سے تضحیک اور سرکار رسالت سے استہزار۔

یزید کا نہ خدا پہ ایمان تھا نہ وحی الٰہی پر نہ رسولؐ اللہ کی نبوت پر چنانچہ کہتا ہے۔

لَعبَ بنو ھاشم بالملک　　فلاخبر جاء وَلا وحی نزل

(اکثر کتب تاریخ)

بنو ہاشم نے سلطنت کا ایک کھیل کھیلا تھا نہ کوئی خبر آئی تھی نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی (اس سے بڑھ کر قرآن اور نبوت کا انکار کیا ہو سکتا ہے)

دیکھئے نماز اور شراب خوری کا موازنہ کرتا ہے اور نماز کا استخفاف کرتا ہے۔

ماقال ربك ویل للذین شربوا　　بل قال ربّك ویل للمُصلّین

خدا نے شراب خوروں کو عذاب خدا سے ڈرانے کے لئے ویل الشاربین "شراب پینے والوں کے لئے ویل ہے" کہیں نہیں کہا بلکہ قرآن میں نماز گزاروں کے لئے ویل للمصلین کہا ہے۔

(دیوان یزید ردیف نون)

"شراب خوری کے جذبہ میں دین احمد کو بدلنے کی آمادگی"

فان حرمت یوماً علی دین احمد　　فخذھا علی دین المسیح ابن مریم

اگر دین احمد میں شراب پینے کو حرام سمجھا گیا ہے تو خیر دین مسیح ابن مریم پر ہی ہو کر پی لو۔

اس کی زندگی کا فلسفہ یہی تھا کہ آخر فنا ہونا ہے۔ اس نے جتنا ممکن ہو دنیا میں خوب مزے لوٹ لو

اقول لصحب ضمت الکاس شملهم    ودداعی صبابات الهوی یترنّم

ان ہم نشینوں سے جنہیں ساغر شراب نے ایک مرکز پر جمع کر دیا ہے اور جن کے پیش نظر عشق و محبت کے محرکات نغمہ سرائی کرتے ہیں۔

خذوا بنصیب من نعیم ولذۃٍ    فکلٌّ وإن طال المدیٰ یتصرم

میرا یہ قول ہے کہ جتنا ممکن ہو عیش و نشاط سے بہرہ اندوز ہو لو۔ کیونکہ کتنی ہی مدت طولانی ہو جائے آخر میں تو ختم ہی ہونا ہے۔ (صواعق محرقہ صـ۱۴۲)

**یزید کے افعال شنیعہ** | یہ ہیں مدعی خلافت کے افکار اب ذرا اس کے کردار پر غور کیجئے۔

واقدی نے عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کی زبانی نقل کیا ہے۔

خدا کی قسم ہمیں یزید کی حکومت میں یہ خوف لاحق ہو گیا تھا کہ اب آسمان سے ہم پر پتھر برسیں گے وہ ایسا شخص تھا جو اپنی سوتیلی ماؤں اور اپنی بیٹیوں اور بہنوں تک کو نہ چھوڑتا تھا اور شراب آزادی سے پیتا تھا اور نماز کو ترک کر دیتا تھا (صواعق محرقہ صـ۱۳۵ مطبوعہ مصر)

یزید کی شراب خوری اس قدر زبان زد عوام تھی کہ عبداللہ بن زبیر نے اس کا نام مسکران (بدمست) رکھ دیا تھا (الاخبار الطوال صـ۱۲۶)

خلافت رسول کا یہ مدعی اس قدر جری و جسور ہو گیا تھا کہ حضرت رسول اللہ کی حرمت کا بھی پاس نہیں کرتا تھا۔ اس نے حضرت عائشہ کے حسن و جمال کو سن کر آپ کے بارے میں ہوس کی تھی۔ لوگوں نے جب منع کیا تو باز رہا (مدارج النبوۃ صـ۱۴۵)

ایڈورڈ براؤن یزید کے متعلق لکھتا ہے۔

یزید ایک بدویہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ صحرا کی کھلی ہوا میں اس نے پرورش پائی تھی۔ شکار کا بہت ماہر اور شیفتہ۔ ایک بلیغ شاعر اور عاشق جانباز۔ شراب اور لہو و لعب

کی باتوں کا شیدا، رقص و سُرود کا دلدادہ مذہب سے کوسوں دُور تھا (لٹریری ہسٹری آف پرشیا ص۲۲۶)

مشہور مورخ آسبرن (OSBORN) نے لکھا ہے۔

تخت نشین ہونے سے قبل ہی یزید نے مومنین کی بہت ہی تذلیل کی تھی وہ علانیہ شراب پیتا

تھا، کتوں سے بے حد شوق رکھتا تھا۔ اسی طرح باز اور دوسرے اس طرح کے جانوروں کا

شوقین تھا۔ ص۱۲۲

یہ ظاہر ہے کہ الناس علٰے دین ملوکھم

لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پہ ہوتے ہیں۔

ارباب حکومت کی سیرت کے اثرات رعایا کے اخلاق، معاشرت اور تمدن پر پڑتے ہیں۔

اس طرح یہ ننگِ اسلام بادشاہ اپنے اقوال و کردار سے دین کے راستہ میں رکاوٹیں بھی پیدا کر رہا

تھا اور کفر کا بھی مرتکب ہو رہا تھا۔ جس کو اللہ نے ان آیات میں پیشین گوئی کے طور پہ بیان کر دیا

ہے۔ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منه اکبر (پارہ ۲ رکوع ۱۱ آیت ۱)

اور خانہ کعبہ اور اس کے اہل بیت کو خانہ کعبہ سے نکالنا سب سے بڑا گناہ ہے۔

مسجد الحرام خانہ کعبہ کے اہل یہی اہل البیت ہیں۔ اللہ عزوجل نے خانہ کعبہ کو بیت کے

لفظ سے تعبیر کیا۔ عربی زبان میں گھر کے لئے دو لفظیں ہیں "بیت" اور "دار" اللہ عزوجل نے

خانہ کعبہ کو "دار اللہ" نہیں کہا بلکہ بیت اللہ کہا ہے۔

اِنَّ اَوَّل بیت وضع لِلنَّاسِ لَلَّذِی ببکة مبارکاً وّھدیً للعالمین

فیہ آیاتٌ بیّناتٌ مقام ابراھیم ومن دخلہ کان امناً

(آل عمران ۹۶-۹۷ پ ۴ ع ۱)

لوگوں کی عبادت کرنے کے لئے جو گھر سب سے پہلے بنایا گیا وہ یہی کعبہ ہے جو کہ مکہ معظمہ

میں ہے۔ بڑی خیر و برکت والا اور عالمین کے لئے رہنما ہے۔ اس میں بہت سی واضح اور

روشن نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم ہے۔ جو اس گھر میں داخل ہوا امن میں آگیا۔

**بیت اللہ کی وجہ تسمیہ** | المختصر اللہ عزوجل نے اسے بیت اللہ کہا ہے اور سب مسلمان اس کو بیت اللہ کہتے ہیں۔ بیت کا لفظ بات، یبیت سے مشتق ہے۔ جس کے معنی رات بسر کرنا ہے علام الغیوب اللہ جانتا تھا کہ اس گھر کے اہل نے اس میں رات بسر کرنا ہے۔ اس لئے اس گھر پران کے حق ملکیت کو ثابت کرنے کے لئے بیت اللہ کہا ورنہ اللہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اس کی طرف رات بسر کرنے کو منسوب نہیں کیا جا سکتا اس کی ذات اس قسم کے افعال کی نسبتوں سے منزہ و مبرا ہے۔ اسے بیت اللہ اس شب بسری کی وجہ سے کہا گیا جو حضرت فاطمہ بنت اسد نے ولادت علیؑ کی رات یہاں گزاری تھی عالم الغیوب خدا جانتا تھا کہ اسطرح رات گزارنا ہے اس لئے پہلے اسے لفظ بیت سے منسوب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ کے متعلق اس کے معماروں حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ سے ایک عہد بھی لیا تھا

وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔ (البقرہ آیت ۱۲۵ پ ع ۱۴)

ہم نے ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام سے عہد و پیمان لیا کہ میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اعتکاف کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھیں۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ یہ بیت اللہ مقام طہارت ہے اور اسے پاک و پاکیزہ رکھنے کا دو نبیوں سے عہد لیا گیا ہے۔ اگر اس مقام میں کسی بچہ کی پیدائش منشائے الٰہی کے مطابق ہو تو وہ بچہ طاہر ہے اور ان تمام آلائشوں سے پاک ہے جو وقت ولادت نمایاں ہوتی ہیں۔ نیز اس بچہ کو اور اس کی اولاد کو اللہ کے گھروں پر حقوق ملکیت حاصل ہیں اور وہ اس گھر کے اہل کہلائیں گے نہ کہ کوئی اور یہ امر مسلمہ فریقین ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی ہے۔

ع موت ہو یا ہو ولادت جو ہوا اپنے گھر میں ہو
مولد و مشہد تمہارا گھر خدا کا ہوگیا

امام حسین علیہ السلام اولادِ ابراہیم میں امتِ مسلمہ کے فرد اور مولود کعبہ علی علیہ السلام

کے فرزند ہیں۔ تولیتِ کعبہ کا عظیم الشان اور جلیل القدر منصب اسی خاندانِ رسالت و ولایت یعنی اُمتِ مسلمہ کو تفویض رہا۔ یہ خاندان اس منصبِ جلیل کے فرائض کو باحسن وجوہ انجام دیتا رہا، اور خانہ کعبہ کے متولی اہل بیت اور اہل مسجد الحرام کے معزز القاب سے ہمیشہ یاد کئے گئے ہیں

اللہ تعالیٰ واقعہ کربلا کی اس پیشین گوئی میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ محرم الحرام میں قتال کے متعلق سوال کرنے والے نہیں جانتے کہ محرم الحرام میں قتال کے علاوہ مسجد الحرام کے اہل کو مسجد حرام سے نکالا جائے گا جو قتال سے بھی بڑا گناہ ہے۔

**سید الشہداء کی مکہ مکرمہ سے ہجرت** چنانچہ اسی بلد الامین سے اہل مسجد الحرام کو نکالنے کے لئے اموی ڈپلومیسی نے کیا کیا تدابیر اختیار کیں اور ان تدابیر کو ناکام بنانے کے لئے امام حسینؑ نے مکہ معظمہ کو مجبوراً چھوڑ دیا۔ اگر آپ حالات پر گہری نظر سے غور کریں گے تو آپ کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ قیام مکہ معظمہ کی صورت میں حضرت سید الشہداؑ کا مکہ معظمہ میں شہید ہونا یقینی تھا جسے بعد کے واقعات نے بھی ثابت کر دیا۔ کیونکہ عبداللہ بن زبیر پر اسی بلد الامین میں فوج کشی ہوئی اور وہیں وہ قتل کئے گئے۔

اسی طرح آپ پر بھی فوج کشی ہوتی اور آپ کو یہیں محصور ہو کر شہید ہونا پڑتا۔ عبداللہ بن زبیر ہر قیمت پر برسر اقتدار آنا چاہتا تھا۔ اس لئے انہیں مکہ معظمہ کے احترام کا احساس نہیں تھا۔ سید الشہداؑ کو کسی طرح گوارا نہیں تھا کہ ان کے قیام مکہ کی وجہ سے اس مقدس سرزمین کی عزت و احترام میں کوئی فرق آئے۔ مختلف اشخاص نے آپ کو قیام مکہ کا مشورہ دیا، تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

"مجھے معلوم ہے کہ یہاں ایک شخص مینڈھے کی طرح ذبح ہوگا جس سے یہاں کی حرمت زائل ہوگی۔ میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۷ صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۴)

ایک دوسرے موقع پر عبداللہ بن زبیر نے حاضر خدمت ہو کر چپکے سے امام حسین علیہ السلام کے کان میں کچھ کہا اس کے چلے جانے کے بعد آپ نے اپنے مخصوص اصحاب سے فرمایا۔

"کیا آپ جانتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر نے کیا کہا اس نے مجھ سے کہا ہے کہ مکہ میں قیام

فرمایئے اور باہر نہ جایئے۔"

پھر آپ نے اپنے اصحاب و انصار سے فرمایا۔

"خدا کی قسم! میں ایک بالشت بھر مکہ کی حدود سے باہر قتل ہوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ ایک بالشت بھر حدود مکہ کے اندر مارا جاؤں۔ خدا کی قسم اگر میں کسی سوراخ کے اندر جا کر رہوں تب بھی یہ لوگ مجھ کو وہاں سے باہر لے آئیں گے۔ یہاں تک کہ جو چاہتے ہیں میرے ساتھ سلوک کریں گے۔ خدا کی قسم یہ لوگ مجھ پر تعدی کریں گے۔ جس طرح یہود نے روز شنبہ کے بارے میں ظلم و تعدی سے کام لیا۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۷)

۷ ذی الحجہ تک بظاہر مکہ معظمہ میں کوئی فوج موجود نہ تھی کوئی لشکر نہ تھا اگر فوج کشی ہوتی تو ایام حج کے بعد مگر اموی سیاست نے حاجیوں کے لباس میں فوج کے سپاہی بھیج دیئے تھے کہ حسینؑ جس حال میں ہوں انہیں گرفتار کر لو۔ امام علیہ السلام کو یہ معلوم ہو چکا تھا۔ لیکن عوام پر یہ راز بعد میں کھلا جب آپؑ مکہ سے باہر آ چکے تھے۔ چنانچہ اثنائے راہ میں فرزدق شاعر نے آپ سے ملاقات کی اور عرض کیا۔

"مولا آپ نے اس قدر جلدی کس لئے فرمائی کہ حج بھی نہ ہو سکا"

تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔

اگر میں اتنی جلدی نہ کرتا تو وہیں گرفتار کر لیا جاتا۔

اموی سیاست سے یہ بھی بعید نہیں تھا کہ جو فوجی سپاہی حاجیوں کے لباس میں مکہ معظمہ میں مامور کئے گئے تھے وہ حالتِ طواف میں امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیتے۔ اور پھر اموی حکومت جسے علم تھا کہ عبداللہ بن زبیر کا دل امام حسین علیہ السلام کے متعلق صاف نہیں ہے۔ امام ہمام کے قتل کے الزام میں عبداللہ بن زبیر کو گرفتار کر لیتا اور ان پر مقدمہ چلتا اور انہیں امام حسین علیہ السلام کے قصاص میں سزائے موت دے دی جاتی۔ اس طرح اموی حکومت کے دو مخالف ایک ہی سیاسی چال میں ختم کر دیئے جاتے اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت بھی

خفی شہادت ہوتی جیسا کہ امام حسن علیہ السلام کی شہادت ہوئی۔ اس صورت میں بنی اُمیہ کی وہ سیاہ کاریاں چھپی رہتیں، جنہیں امام حسین علیہ السلام نمایاں کرنا چاہتے تھے۔ مکہ معظمہ کے قیام کی صورت میں امام مظلوم شہید کر دیئے جاتے، عبداللہ ابن زبیر قتل کے الزام میں سزا لئے موت پاتے اور اموی سیاست کا دامن اس الزام سے بری ہوتا۔ امام حسین علیہ السلام اس طرح دنیا سے رخصت ہو جاتے اور اموی حکومت کے چہرے پر انسانیت، اسلام اور خلافت کی نقاب پھر بھی پڑی رہتی، حسین علیہ السلام اپنی شہادت کو اس مقام پر پہنچانا چاہتے تھے، جہاں پہنچ کر اموی حکومت کے استبداد، ظلم و جور، سیاسی چالبازیوں اور خلاف اسلام بدعنوانیوں کے خدوخال نمایاں ہو جائیں۔ چنانچہ مکہ معظمہ کو چھوڑ کر حسینی سیاست ربانی اور حسینی تدبر اپنے اغراض و مقاصد میں اس طرح کامیاب ہوئے کہ اس سے زیادہ کامیابی کا امکان نہ تھا۔

بہرکیف اموی حکومت نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو مکہ معظمہ سے نکال دیا، جیسا کہ قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا تھا کہ مسجد الحرام کے اہل کو مسجد الحرام سے نکالنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ اور اموی حکومت اس سب سے بڑے گناہ کی مرتکب ہوئی۔

والفتنة اکبر من القتل

اور فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔

اللہ تعالےٰ اہل مسجد الحرام کے مکہ سے اخراج کے بعد ایک خاص فتنہ کا ذکر کرتا ہے یہ خاص فتنہ کون سا ہے۔ قرآن مجید ہی نے اس فتنہ کو بیان کیا ہے۔ اور اس آیت کی تفسیر ہم چوتھی منزل میں کر چکے ہیں۔

ولا یزالون یقاتلونکم حتیٰ یردوکم عن دینکم ان استطاعوا۔

اور یہ (بنی اُمیہ) ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں گے (پارہ ۲ رکوع ۱۱)

اس آیت میں خاندان بنی اُمیہ کی پوری تاریخ ہے زمانہ رسالت میں لڑتے رہے آخر

فتح مکہ کے بعد بقول جناب امیر علیہ السلام ما اسلموا ولکن استسلموا وہ اسلام نہیں لائے بلکہ اُنہوں نے اسلامی طاقت کے سامنے سر جھکا دیئے۔ اور فتوحات کے دروازہ سے داخل ہو کر حکومت کے ایوان میں پہنچ گئے۔ پھر عسکری طاقت کو بڑھا کر لڑنا شروع کیا۔ اسی سلسلہ کی کڑی کربلا میں ماہ محرم الحرام میں ان کا قتال تھا۔ قرآن مجید تصریح فرما رہا ہے۔ کہ (ابوسفیان لڑتا رہا اسی طرح اس کی اولاد تم سے لڑتی رہے گی) ان کی لڑائی کی غرض یہ ہوگی کہ اگر وہ کرسکیں تو تمہارے دین سے تم کو برگشتہ کر دیں۔ چنانچہ بنی اُمیہ نے ایسا ہی کیا جیسا کہ امام حسین علیہ السلام کی اس تقریر سے ظاہر ہے۔ اس کی وضاحت منزل ۲ میں بیان کر چکے ہیں۔

من یرتدد منکم عن دینہ وھو کافر فاولیٰئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ اولیٰئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کا انجام بیان کیا ہے۔ جو بنی امیہ کی تحریک پر اپنے دین سے پھر جائیں گے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ وہ کافر ہوں گے اور ان کا کیا کرایا دنیا و آخرت دونوں میں اکارت ہو جائے گا۔ یہی لوگ جہنمی ہیں جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

پھر اس قتال کے خلاف کربلا کے مجاہدین کے جہاد کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

ان الذین امنو والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اُولیٰئک یرجون رحمۃ اللہ واللہ غفور رحیم۔

اور وہ ایمان دار لوگ جو ایسے زمانہ میں ہجرت کریں گے۔ اور خُدا کے راستے میں جہاد کریں گے۔ وہی رحمت خدا کے اُمیدوار ہیں۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔

یہ امام حسین علیہ السلام کا گروہ ہے۔ جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے رستہ میں جہاد کیا۔ قرآن مجید میں ہجرت کو مختلف عنادین سے بیان کیا گیا ہے۔

اس جہاد کے سلئے امام حسین علیہ السلام نے کس طرح لوگوں کو دعوت جہاد دی یہ اس خطبہ سے ظاہر ہے جو امام مظلوم نے مکہ معظمہ سے رخصت ہونے سے پہلے شب کو ارشاد فرمایا

**مکہ سے ہجرت کے وقت خطبہ** الحمد للّٰہ وما شاء اللّٰہ ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ وصلی اللّٰہ علی رسولہ وسلّم خطّ الموتُ علی وُلدِ آدم مخط القلادۃ فی جید الفتاۃ وما اولھنی الی اسلافی اشتیاق یعقوب الی یوسف وخیّر لی مصرع اُنا لاقیہ کاَنّی باوصالی تیقطعھا عسلان الفلوات بین النواویس وکربلا فیملأنّ منی اکراشاً جُوفاً وَاَجْرِبۃ سغباً لا محیص عن یومٍ خُطّ بالقلم رضاءُ اللّٰہ رضانا اھل البیت نُصْبِرَ علی بلائہ ویوفینا اجور الصابرین لن تشذّ عن رسُول اللّٰہ لحمتہٗ وھی مجموعۃ لہ فی حَظیرۃ القدس تقربھم عینیہ وینجزھم وعدہ من کان فینا باذلاً مھجتہٗ موطناً علی لقاء اللّٰہ نفسہ فلیرحل معنا فانی راحل مصبحاً انشاء اللّٰہ (مقتل العوالم صد ۶۹)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ جو اللہ نے چاہا ہے کوئی بازگشت اور قوت کے سوا نہیں اس کے رسول پر درود و سلام ہو۔ موت فرزند آدمؑ کے گلے کا اسی طرح ہار ہے۔ جس طرح نوجوان لڑکی کا گلو بند جس طرح یعقوب علیہ السلام کو جناب یوسف علیہ السلام کے ملنے کا اشتیاق تھا ویسے ہی مجھے میرے اسلاف سے ملنے (ملاقات) کا اشتیاق ہے اور میرے لئے بہت اچھی ہے وہ جگہ جہاں میں کشتہ ہو کر گروں گا گویا میری آنکھوں میں وہ سماں پھر رہا ہے کہ میرے جوڑ بند کو صحرائی درندے جدا کر رہے ہیں۔ اس دن سے جو خطِ تقدیر میں گذر چکا ہے کوئی چارہ کار نہیں۔ خدا کی مرضی میں ہم اہل بیت کی مرضی ہے۔ ہم اس کے امتحان پر صبر کرتے ہیں۔ اور صابروں کے اجر کو حاصل کرتے ہیں۔ رسولؐ اللہ سے ان کے جسم کے ٹکڑے الگ نہیں ہو سکتے۔ وہ عالم قدس میں رسول اللہ کے ساتھ جمع رہیں گے۔ اس سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے گی اور ان کے لئے وعدہ کا ایفا ہوگا جو کوئی ہمارے ساتھ اپنی قربانی کو آمادہ ہو اور اپنا خونِ دل ہمارے لئے صرف کرنا چاہیے اور خدا سے ملاقات پر تیار ہو وہ ہمارے ساتھ سفر کرے۔ میں کل صبح کو انشاء اللہ روانہ ہو جاؤں گا۔

# منزل (۹)

## ترک جہاد در زمانہ امام حسنؑ در وجوب جہاد در زمانہ امام حسین علیہ السلام

اب ہم اپنے اس مقالہ کو صرف اس بات پر ختم کرتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کو ترکِ جہاد کا حکم تھا۔ اور امام حسین علیہ السلام کو جہاد کرنے کا حکم تھا۔ اس کو قرآنِ حکیم نے ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا ہے۔ سورۂ نساء میں اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ (پارہ ۵ رکوع ۸ آیت ۷۷)

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ

(سورہ آلِ عمران پارہ ۴ رکوع ۷ آیت ۱۵۴)

اے محمدؐ! آیا تو نے ان لوگوں کو دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ تم اپنے ہاتھ قتال سے روک لو۔ اور نماز پڑھتے رہو اور پھر جب ان پر قتال واجب کیا گیا۔ ایک فریق ان میں سے آدمیوں سے ڈرتا تھا مثل خدا سے ڈرنے کے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے پروردگارا کیوں ہم پر قتال کو واجب کیا۔ کاش کہ ایک زمانہ قریب تک مہلت دیتا ہم جہاد نہ کرتے۔ اے محمدؐ ان سے کہہ دے کہ متاعِ دُنیا (جس کی نظر سے تم مہلت مانگتے ہو) اور قلیل ہے آخرت کا فائدہ اس کے لئے بہتر ہے جو اللہ سے ڈرے۔ یہ وہی لوگ ہیں۔ جن کے حق میں خدا فرماتا ہے کہ اگر تم لوگ اپنے

گھروں میں بیٹھے رہو گے۔ تو ضرور وہ لوگ اپنی خواب گاہوں کی طرف نکلیں گے۔ جن پر قتل ہونا واجب کیا گیا۔

**صلح و جہاد:** جن کو جہاد سے منع کیا گیا تھا وہ امام حسین علیہ السلام اور اُن کے اصحاب ہیں۔ اس لئے وہ جناب مجبور تھے کہ فائر بندی کا معاہدہ کریں۔ چونکہ معاویہ اور ان کے ساتھی کفر کا اعلان نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ یزید کرتا تھا چنانچہ یزید کے اعلانِ کفر۔ انکارِ وحی و رسالت پر پھر ہی جہاد کا حکم ہُوا۔ لوگ حکومت کے خوف سے جہاد کی تاخیر چاہنے لگے۔ یہ وہ لوگ تھے جو حکومت کے ارکین کا خوف اللہ کے خوف سے زیادہ اپنے دلوں میں رکھتے تھے۔ اس لئے جناب امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھی جن پر صیانت دین فرض تھی اور ان پر قتل ہونا واجب تھا۔ وہ لوگ بغرض جہاد اپنی خواب گاہوں یعنی مقامات شہادت کی طرف نکل پڑے۔ یہی وہ آیت ہے جس کی تفسیر عالیہ جناب بی بی زینب طاہرہ سلام اللہ علیہا نے اپنے سراپا بلاغت خطبات میں پیش فرمائی ہے۔

اصل واقعہ یوں ہے کہ جب سیدہ طاہرہ جناب زینبؑ عالیہ دربار ابن زیاد گورنر کوفہ میں قید ہو کر آئیں۔ تو اس ملعون نے خاندان رسالت کو ایذا پہنچانے کے لئے اور ان کا دل دکھانے کے لئے کہا۔ فکیف رأیت صنع اللہ باھلبیتکؑ

اچھا تم نے دیکھا خدا نے تمہارے گھرانے کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ یہ ایک طنزیہ فقرہ تھا ایسے حالات میں اس قسم کے طنز کا جو اثر عورتوں کے نازک دلوں پر ہوتا ہے۔ وہ اُن کے ہی دل سے پوچھئے۔ بہرکیف قرآن ناطق علی ابن ابی طالب کی بیٹی نے پوری جرأت سے حقیقت کا اظہار فرمایا آپ نے کہا۔ کتب علیھم القتال فبرزوا الی مضاجعھم لیسمع اللہ بینک و بینھم فتحاجون الیہ وتخاصمون عندہٗ

کیا سلوک خدا نے کیا۔ انہوں نے درجہ شہادت پر فائز ہونا تھا اور یہ صورت ہونے والی تھی اس لئے وہ اپنے پاؤں سے چل کر اپنی ابدی خوابگاہوں کی طرف گئے۔ عنقریب اللہ تعالے تجھے اور انہیں ایک جگہ جمع کرے گا۔ اور یہ گروہ اُس جگہ اپنی حجت خدا کے حضور میں پیش کرے گا۔ اور

اسی کا فیصلہ چاہیں گے۔ تو وہاں حجت تمام ہو جائے گی۔ اور مکمل فیصلہ ہو جائے گا۔

بہرحال یہ آیۃ قتال دو حکموں کو شامل ہے۔

ایک وقت تو جہاد کا ترک کرنا واجب تھا اور دوسرے وقت جہاد کرنا واجب تھا۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قتال نہ کرنے کا حکم پہلے تھا اور قتال کرنے کا حکم اُس کے بعد اور یہ دونوں حکم ایک ہی جماعت کو ہوئے تھے۔ ہماری مراد یہ ہے کہ جو لوگ جہاد کرنے سے منع کئے تھے اُنہی پر دوسرے وقت میں جہاد واجب تھا۔ اس قول میں اللہ تعالٰے نے ثابت کیا ہے کہ اس کے پورے مصداق امام حسن علیہ السلام کے اصحاب تھے۔ اس لئے تو وہ جناب مامور تھے کہ صلح کرلیں اور جہاد نہ کریں۔ معاویہ اور اُس کے لشکر سے جنگ نہ کریں اور ایسا ہی ہوا جناب رسول اللہ نے ایک روایت میں جو فریقین میں موجود ہے فرمایا تھا کہ یہ میرا فرزند یعنی حسن علیہ السلام مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے گا یہ آیت امام حسن علیہ السلام اور اُن کے اصحاب پر بلکہ عدم قتال کے بارے میں پورے طور پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ قتال اس لئے واجب نہیں فرمایا تھا کہ معاویہ اور اصحاب معاویہ اپنے کفر کا اعلان بظاہر نہیں کرتے تھے۔ شرائع اسلام کے علی الاعلان اور بالکل تارک نہ تھے جیسا کہ یزید اپنے عہد سلطنت میں تھا۔ اسی لئے جناب رسالتمآب محمد مصطفٰی صلعم نے فرمایا کہ امام حسن علیہ السلام مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرادیں گے۔ حضرت کی مراد یہ ہے کہ معاویہ اور اصحاب معاویہ زمانہ صلح میں بظاہر محکوم باسلام ہوں گے۔ پھر جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا اور اُس نے شرائع اسلام کو مٹانا شروع کیا اور اپنی بدکرداری میں پناہ بخدا باوجودیکہ مدعیٔ خلافت رسول تھا۔ حق سے تجاوز کر گیا۔ اب تو جملہ مسلمانوں پر قتال کرنا واجب ہو گیا۔ اسی لئے خلیفۂ برحق نواسۂ رسول بھی اُن کو دعوت جہاد فرما رہے تھے اور یہ امام جہاد کرنے پر مامور تھے۔ جس طرح ان کے بھائی امام حسن علیہ السلام ترک جہاد پر مامور تھے۔ کیونکہ سرکار رسالت روحی لہ الفداء نے فرمایا تھا کہ میرے یہ دونوں فرزند امام ہیں جہاد کریں یا ترک جہاد کریں۔ دیکھو لو یہ حدیث آیۃ قتال کے کس قدر مطابق ہے۔

پھر جب خلیفہ برحق کے ہمراہ مسلمانوں پر جہاد واجب ہوا۔ کہنے لگے پروردگار کیوں ہم پر تم نے جہاد واجب کردیا کاش کہ ایک زمانہ قریب تک تو ہم کو مہلت دیتا وہ یزید کے خوف سے ڈرتے تھے اور ان کا یہ خوف خدا کے خوف سے بھی زیادہ تھا۔ اس آیتہ کی تفسیر دوسری آیت سے ہوگی۔ جسے ہم عنقریب لکھیں گے۔ لوگوں کی درخواست تاخیر وجوب جہاد میں تھی۔ خدا نے فرمایا کہ وہ کہتے تھے پروردگار ہم کو مہلت دے قلیل زمانہ تک کہ ہم تیری دعوتِ جہاد کو قبول کریں اور رسولوں کی پیروی کریں۔ اب معنی اس آیت کا یہ ہوا کہ وجوب جہاد کو ہم سے اُس زمانہ تک ساقط کردے جو زمانہ قریب آنے والا ہے اور یہ درخواست اس وجہ سے کی تھی کہ اللہ تعالےٰ نے اُس جہاد میں جو امام حسین علیہ السلام کے قصاص کے لئے کیا جائے گا۔ نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں خدا نے فرمایا۔ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا۔ (سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ رکوع ۴)

جو شخص مظلوم ہو کر مارا جائے اُس کے وارث کو ہم نے اقتدار دیا ہے اس کو لازم ہے کہ وہ زیادہ اسراف نہ کرے اس لئے کہ وہ فتحیاب ہوگا۔ اس آیت کی تفسیر ہم منزل ۲ میں کر چکے ہیں۔ اس آیت کا اطلاق دو زمانوں کے لئے ہے ایک زمانہ قائم آلِ محمد کے لئے اور ایک اُس زمانہ کے لئے جبکہ واقعہ کربلا کے بعد محرکین ثارات الحسین اور امیر مختار قصاص کے لئے کھڑے ہوئے اُس وقت بھی اس وعدہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس وعدہ کا صحابۂ رسول سے زیادہ شناسا کون ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ جناب رسول خدا صلعم بار بار صحابہ کو وہ واقعات و مصائب یاد دلاتے تھے جو آپ کے اہل بیت پر رونما ہونے والے تھے اس ہمارے بیان کی تائید دو روایتیں بھی کرتی ہیں کہ جب ہمارے نبی شہادت امام حسین علیہ السلام بیان فرماتے تو صحابہ رسول روتے تھے اُس وقت سرکار رسالت فرماتے تھے فتبکون ولا تنصرون یعنی آج تم ضرور روتے ہو۔ لیکن جب میرے پیارے حسینؑ پر مصیبت پڑے گی۔ اُس وقت تم اُس کی نصرت نہیں کروگے۔ یہ روایت مشہور ہے خاص کر انہی روایات سے ثابت ہے کہ چند صحابہ رسول یوم عاشورہ تک زندہ تھے

سرکار رسالت اس خبر دہی اور پیشین گوئی میں بھی سچے تھے۔ جناب امیر علیہ السلام نے بھی برّاء بن عازب صحابی کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ شخص حسین علیہ السلام کی نصرت نہیں کرے گا۔ اسی طرح انس بن مالک انصاری جو کہ دربار ابن زیاد میں اُس روز موجود تھے جب اہلبیت علیہم السلام کا ورود اُس دربار میں ہوا۔ عینی وغیرہ شارح بخاری نے بھی یہ واقعات لکھے ہیں۔ علامہ غلام حسنین کنتوری نے مائتین جلد دوئم میں ایک جداگانہ باب اُن صحابہ وتابعین کے حالات میں لکھا ہے۔ جو امام حسین علیہ السلام کو اس سفر عراق سے منع کرتے تھے اور کیسی کیسی باتیں بناتے تھے یہ روکنا اور منع کرنا اسی وجہ سے تھا کہ یہ خوب جانتے تھے کہ یہ وہی سفر ہے جس میں واضح طور پر اُن پر قتال واجب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت مذکورہ میں ہے۔

کتاب اتحاف الوریٰ جو اہلِ سنت کے عالم نے لکھی ہے میں عبداللہ بن نطوی کا یہ قول موجود ہے جو اُس نے امام حسین علیہ السلام سے کہا۔ وہ یہ تھا کہ خبردار خبردار آپ کوفے کے قریب ہی نہ جائیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ شخص اُن واقعات سے خوب واقف تھا۔ عبداللہ بن نطوی نے تو اپنے آخری قول میں صاف صاف کہہ دیا۔ اے حسین علیہ السلام اگر آپ شہید ہوئے تو قسم بخدا آپ کی شہادت کے بعد ہم سب مرد غلام اور عورتیں لونڈیاں بنالی جائیں گی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس کو امام حسین علیہ السلام کا اور نیز ان صحابہ کا جو اُس وقت تک زندہ موجود تھے انجام کار معلوم تھا اور سرکار رسالت نے جن ہونے والے واقعات کی خبر دی تھی انکا علم تھا واقعہ حرّا میں یزید کی فوج کشی سے وہی واقعات پیش آئے۔ مدینہ طیبہ میں کتنی ہی باکرہ عورتوں کا زنا سے ازالۂ بکارت ہوا۔ کتب رجال۔ استیعاب اور اصابہ میں ہے کہ دو سو سے زیادہ صحابہ بروز قتل امام حسین علیہ السلام زندہ تھے یہ دونوں کتابیں جو صحابہ کے بیان میں ہیں۔ اہلِ سنت کے معتمد علیہ اور مستند دو عالموں نے لکھی ہیں۔ جن کو اہلِ سنت جانتے اور مانتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں۔ جن کے حق میں خدا فرماتا ہے۔ قُل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیھم القتل الی مضاجعھم (سورہ آل عمران پارہ ۴ رکوع ۷ آیت ۱۶) کہہ دو

اے رسول کہ اگر تم لوگ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو گے تو ضرور وہ لوگ اپنی خواب گاہوں کی طرف نکل پڑیں گے جن پر قتل ہو جانا واجب کیا گیا ہے۔ امام حسین علیہ السلام اور اُن کے اصحاب وہی لوگ ہیں وہ گھروں سے باہر نکل آئے۔ رُوحی لھم الفداء خدا نے کیسی سچی بات فرمائی۔ اب اس آیت سے ہمارے دونوں دعوے بخوبی ثابت ہو گئے۔ یہ دونوں آیتیں اگر حسنین علیہما السلام کے سوائے کسی اور پر بھی ثابت آئیں تو ہم اس کو کسی طرح بھی منع نہیں کرتے۔ مگر ان دونوں آیتوں کا جناب حسنینؑ پر صادق آنا اُن کے عمل کے لحاظ سے جو دونوں حضرات نے کیا ہے۔ بخوبی ظاہر ہے جو کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ خدا نے پہلی آیت میں فرمایا۔ اس قول کے بعد قتال سے ہاتھ روک لو اس سے غرض الہٰی یہ ہے کہ جب تم جہاد سے منع کئے جاؤ تم پر واجب ہے کہ فریضہ نماز کو ادا کرو۔ جناب سید الساجدینؑ نے حسن بصری کو ایک سفر حج میں یہی جواب دیا۔ جب اُس نے بنظر استہزاء ہنسی مخول کے طور پر حضرت سے کہا تھا کہ تم نے جہاد کو چھوڑ دیا اور حج کرنے میں مشغول ہوئے۔ اولاد رسول کی عزت ان لوگوں کے دلوں میں کیا تھی۔ دیکھ لیجئے جناب سید الساجدین نے جواب میں فرمایا کہ جب ہم کو مجاہد انصار ملے۔ جہاد بھی ایسا کیا جو جہاد کرنے کا حق ہے جیسا کہ تم کو معلوم ہے اور جب انصار نہ ملے تو ہم ادائے حج میں مشغول ہو گئے۔ ہمیں حسن بصری سے تعجب ہے کہ کبھی تو یہ ترک جہاد پر استہزاء کرتا ہے اور کبھی جہاد کرنے پر۔ ایک روز جناب امیر علیہ السلام کا گذر ہوا اور حسن بصری صاحب وضو کر رہے تھے اور پانی بہت گرا یا تھا۔ آپؑ نے فرمایا کہ تم نے پانی اتنا زیادہ گرایا جو مسنون کی حد سے زیادہ ہے۔ حسن بصری بولا کہ آپ نے خون زیادہ بہایا یعنی جہاد میں جنگ جمل اور صفین میں اسراف فی القتل کیا جو بنص قرآن ممنوع ہے۔ ان کو حدیث رسول یاد نہ رہی کہ علی ہمیشہ حق کے ساتھ ہے اور حق علی کے ساتھ ہے۔ جناب سید الساجدین نے جو حسن بصری سے فرمایا کہ ہمارے جہاد کا حال تم کو معلوم ہے۔ اشارہ اسی قصہ کی طرف ہے۔ جو آپ کے جد نامدار نے حسن بصری سے کہا تھا۔ لیکن صحابہ اور تابعین کی خانہ نشینی اور امام حسین علیہ السلام کی نصرت ترک کرنے سے جن خرابیوں میں وہ مبتلا ہوئے۔ ظاہر میں یہاں تک کہ گھروں میں چھپتے پھرتے۔ نماز جمعہ اور جماعت بھی اُنہوں نے چھوڑ دی۔ اور بعد شہادت امام حسین علیہ السلام کیسی کیسی سختیاں اُن پر ہوئیں

الغرض سب کے بعد یہ ظاہر ہے کہ ہمیں اس امر میں تاریخی شواہد کی ضرورت نہیں، جبکہ ہمارا قرآن بھی کہہ رہا ہے۔ کہ اے رسول ان سے کہدو کہ اگر تم گھروں میں بیٹھ رہو گے۔ یعنی یہ آیت لوگوں کے خانہ نشین ہو جانے کی خبر دے رہی ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ جہاد کے واجب ہو جانے کے وقت دو فریق ہو جائیں گے۔ ایک مجاہدین اور دوسرے تارکین جہاد ایک فرقہ اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ رہے گا۔ اور مجاہدین راہ خدا کا ساتھ دینے سے منہ پھیر لیں گے۔ اس صورت میں شرائط جہاد پورے نہیں ہوں گے۔ کیونکہ بڑی بھاری شرط تو یہی ہے کہ مجاہدین کی تعداد مخالفین سے نصف ہو۔ جب مسلمانوں سے شروطِ جہاد مفقود ہو جائیں اور حمایت اسلام واجب ہو۔

اور مخالفین ظالمین کی کثرت دینِ اسلام کے مٹانے پر تُلی ہوئی ہو۔ ایسے وقت میں اسلام کی نصرت کسی دوسری طرح سے واجب ہوگی۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی جانیں اسلام پر قربان کر دیں اور دشمنانِ اسلام کے ہاتھ سے شہید ہو جائیں۔ جیسا کہ شہدائے کربلا نے کیا ہے اور یہ بات بغیر اس کے نہیں ہو سکتی کہ اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھنا چھوڑ دیں۔ اور اپنی خوابگاہ پر پہنچ جائیں (یعنی مقتول ہو جائیں) یہی دوسرا طریق ہے جو اس آیۂ میں مذکور ہوا۔ خدا نے اس آیت قتل ہو جانے کے وجوب کا سبب ان نیکوکار بزرگوں سے صاف صاف بیان کر دیا۔ اپنے اس قول سے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہو گے اور اگر تم لڑائی سے جان بچاؤ گے اور گھروں میں چھپ رہو گے۔ مجاہدین کی نصرت کو ترک کرو گے تو اس صورت میں وہ لوگ جنہیں کی انصار کی وجہ سے اسلام کی تائید کے لئے قتل ہونا واجب کیا گیا ہے۔ وہ گھروں سے نکل کر اپنی خوابگاہوں تک پہنچ جائیں گے۔ یہی ہمارا مقصد تھا۔ جو ہم نے ثابت کر دیا۔ جب ہم نے دونوں مذکورہ آیتوں کو جمع کیا تو بخوبی ظاہر ہو گیا کہ یہ دونوں آیتیں، جناب حسنین شریفین اور ان کے اصحاب سے خاص طور پر تعلق رکھتی ہیں۔ اور امر شہادت میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا۔ یعنی ہادیانِ دین کا بغرض ہدایت مقتول ہو جانا۔ کنارہ کشی کرنے والی امت کے لئے اس کی تائید سورۂ کہف کی وہ آیت بھی کرتی ہے۔ جس میں اللہ نے ہمارے نبیؐ سے ان الفاظ میں خطاب کیا ہے

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (سورہ الکہف پ۱۵ ع۱۳ آیت)

اے رسول تم ان کے آثار اور روش پر اپنی جان براہ تأسف ہلاک کر لوگے ۔ اگر یہ لوگ قرآن کی سچائی پر ایمان نہ لائے ۔ دیکھئے اس آیت میں خدا کس پیار سے کس محبت سے اپنے حبیب کو فرماتا ہے کہ انبیاء کو ہماری ایسی فکر ہوتی ہے کہ ہماری بھلائی کے واسطے اپنی جان تک نثار کر دیں ۔

اس آیت سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہادیٔ برحق کو امر ہدایت کامیاب ہوتا نظر نہ آئے تو کبھی اس کے لئے مناسب ہوتا ہے کہ اپنی جان اُمت پر نثار کر دے ۔ بظاہر جناب رسول اللہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس آیت کی تعمیل میں ان کے چھوٹے نواسے نے ایسا کیا ہے ۔ اِسی لئے امام حسین کی شہادت عین اُن کے نانا کی شہادت ہے ۔ چنانچہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب سرّ الشہادتین میں ایسا ہی لکھا ہے ۔ یہ بات ہم نے اس لئے لکھ دی ہے کہ خدا جس چیز کو چاہے ۔ اس کا واقع ہونا ضروری ہے اور ہمارے آئمہ نے صاف طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ جب ہم کسی خاص شخص کے متعلق کسی بات کے واقع ہونے کی خبر دیں ۔ اور ذاتی طور پر اس سے یہ واقع نہ ہوئی ہو تو اس کے بیٹوں پوتوں اور نواسوں میں واقع ہونے کی اُمید رکھی جائے ۔ جیسا کہ خدا تو رسول اللہ سے چاہتا تھا کہ وہ ایسا کریں ۔ لیکن نواسے نے اُسے پورا کر دیا ۔ اب ہم قتل حسین کو اور جو واقعات ان پر گزرے ہیں ، عقلی دلائل سے بھی ثابت کریں گے تاکہ عقلی اور نقلی دلائل اِن واقعات کے مطابق جمع ہو جائیں ۔ ہم کہتے ہیں کہ آدمیوں کی ہدایت اللہ پر ہر وقت واجب ہے اور اس مسئلہ کو ہم مذہب کے پابند لوگوں نے اپنے مقام پر علم کلام سے عقلی دلائل کے ذریعہ ثابت کر دیا ہے ۔ ہدایت کرنے کے چند طریقے مختلف ہیں ۔ اس لئے جیسی بھی خدا کی مصلحت ہو ، ہر وقت اور ہر زمانہ میں طریقہ ہدایت جداگانہ ہوتا ہے ۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ۔ خدا ہدایت کے لئے انبیاء و مرسلین بھیجتا ہے اور اُن پر اپنے احکام کی کتابیں نازل کرتا ہے ۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خدا کسی کو دین اختیار کرنے کے لئے مجبور نہیں کرتا ۔ بلکہ سب کو اختیار دیتا ہے چاہے دیندار اور شاکر ہو جائیں ۔ چاہے کافر اور منکر ہو جائیں ۔ چنانچہ اُس نے خود فرمایا ہے کہ کسی کو زبردستی دین قبول نہیں کرایا جا سکتا ۔ جب یہ سب امور ثابت ہو چکے اب ہم کہتے ہیں کہ ہادی یعنی رسول اور اس کا خلیفہ ایک قسم کے

لوگ ہیں۔ اور امت جس کی یہ آیت مطلوب ہے وہ دوسری قسم کے لوگ ہیں۔ اور جو بات دو قسم کے لوگوں میں دائر ہو اس کا پورا ہونا صرف تین طریقوں سے ہوتا ہے۔ چوتھا طریقہ کوئی نہیں۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ ہادی نبی ہو یا رسول یا خلیفہ مقتدی امت پر اپنے حسن تربیت سے غالب آئے اور حکمت اور موعظہ حسنہ اُس کا کارگر ہو جائے۔ اس صورت میں کار ہدایت پورے طور پر سرانجام پائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں فریق کو اپنے مغلوب ہونے کا گمان ہو۔ ایسے وقت پر باہمی مصالحت اختیار کی جائے گی اس میں کچھ ہادی دبتے گا کچھ امت اور کار دین ناقص طور پر انجام پائے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ہادی کو اپنے مغلوب ہونے کا یقین ہے۔ مگر اُس کے مغلوب ہونے کے نتائج ایسے اچھے ہوں کہ غالب ہونے سے زیادہ مفید ہوں اور امر ہدایت پورا ہو جائے۔ ہادی کا مظلوم و مغموم ہونا اگرچہ آج اچھا معلوم نہ ہو۔ مگر آئندہ روز بروز اُس کی خوبی ظاہر ہوتی رہے۔ اور کار ہدایت روز بروز افزوں ہو جائے۔ مظلومیت میں کشش ہوتی ہے۔ مظلوم حق پر ہو یا باطل پر انسان کی فطرت ہے کہ مظلومیت سے انسانی دل میں ترحّم پیدا ہو جاتا ہے اور اُس کی طرف رغبت ہو جاتی ہے۔ اس میں رغبت کا پیدا ہو جانا ضروری ہے یہ بھی ضروری ہے کہ مظلوم میں نصیحت کے ایسے کرنے کی قابلیت ہوتی ہے۔ پھر اگر مظلوم نبی ہو رسول ہو یا امام برحق ہو تو خود ظالم بھی مظلومیت کی حقانیت کا اقرار کرے گا۔ پس امر ہدایت پورا ہو جائے گا۔ جب ظالم کا خود یہ حال ہو تو اور لوگ جن کو ظالم سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ ان کے ترحّم کی کیا حالت ہو گی۔

اس سے جو بات ثابت کرنے کا ہمارا ارادہ تھا وہ پورا ہو گیا یہ جو کچھ ہم نے لکھا عقلی دلیل ہے جو سب ہادیوں میں مشترک ہے۔ اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم دیکھیں بلحاظ واقعات کے ہادئ اسلام نے ان عقلی تجویزوں کو کس طرح اختیار کیا۔ یہاں ہادئ اسلام سے ہماری مراد ہمارے نبی برحق محمد مصطفیٰ ہیں۔ ہمارے عقیدے میں انہی انبیاء میں داخل ہیں۔ جن کو خدا نے ہدایت خلق کے واسطے مبعوث کیا۔ اُنھوں نے اپنی کوشش میں کمی نہیں کی کبھی تو پہاڑ پر اور کبھی غار میں چھپے

کبھی کفار سے صلح حدیبیہ کی کبھی جوابی جلال و قتال سے کام لیا۔ خدا نے ان کو حکم دیا تھا کہ کفار اور منافقین دونوں سے لڑیں اور دونوں پر سختی کریں تو حضور نے منافقین سے صرف جہاد نہیں کیا بلکہ ہمدردی سے پیش آتے رہے (مارِ آستین) یہی منافقین تھے۔ منافقین سے جہاد کرنا ہمارے نبی نے اپنے وصی علیؑ بن ابی طالب کے سپرد فرمایا۔ اس لئے کہ علی علیہ السلام نفس رسولؐ تھے۔ علی علیہ السلام نے بھی سالہائے دراز کے بعد جہاد کیا۔ مصلحت یہ تھی کہ یہ لوگ تازہ مسلمان تھے اور اسی وجہ سے جناب رسول خدا صلعم نے جہاد کو ٹالا تھا۔ پس باوجودیکہ جناب امیر علیہ السلام نے سینکڑوں بلکہ ہزاروں منافقین کو قتل کیا۔ پھر بھی ان کے سینے سے کینہ دور نہ ہوا۔ بلکہ اکثر باقی ماندہ منافقین کے دلوں میں بغض اور عداوت باقی رہی اور ایسی رہی کہ آج تک چلی آتی ہے اب مقصد الٰہی مقتضی ہوا کہ امام حسن علیہ السلام اُن سے بہ مدارات پیش آئیں اور صلح کر لیں۔ اور سلطنت دنیویہ کو اُن کے پاس رہنے دیں۔ جس کے وہ طالب ہیں۔ چنانچہ آپ نے صلح کر دی اور دو گروہوں میں میل جول کرا دیا اسی وجہ سے جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ خدا کی قسم جو کام امام حسن علیہ السلام نے کیا تھا۔ جہاں تک آفتاب طلوع کرتا ہے اس امت کے حق میں نہایت ہی اچھا تھا۔ یعنی تمام دنیا میں تا روزِ قیامت یہ روایت عیاشی نے محمد بن مسلم سے اپنی تفسیر میں لکھی ہے۔ اس فعل کی خوبی اس صورت میں مضمر تھی۔ اگر وہ لوگ معاہدہ پر قائم رہتے اور نقض عہد نہ کرتے تو طرح طرح کے خوف دلانے والے امور اور عذاب دنیا و آخرت میں گرفتار نہ ہوتے پھر جب ہمارے نبیؐ اور وصی نبیؐ جناب علی علیہ السلام نے کیا جو کچھ کیا قتل بھی کیا۔ جلاوطن بھی وغیرہ وغیرہ اس کے بعد امام حسن علیہ السلام نے دوسری صورت اختیار کر کے صلح اور مصالحت کر لی۔ اس پر بھی وہ نفاق سے باز نہ آئے۔ عناد اور خصومت کچھ زیادہ ہی ہوتی گئی۔ اب وہ تیسری صورت باقی رہی کہ ہادی خود مظلوم اور مغلوب ہونا اختیار کرے۔ اس لئے خدا نے امام حسین علیہ السلام پر مقتول ہونا واجب کر دیا کہ بھوکے پیاسے شہید ہو جائیں اور اسی وجہ سے بہت سے اعجازی امور کا استحقاق انہیں حاصل ہو اور خدا اُن کو ایسے امور معجزہ خرق عادت

عطا کرے کہ اس سے پہلے کسی آدمی کو حاصل نہیں ہوئے، ہم ایسی باتیں روز دیکھ رہے ہیں، اور بیان کر رہے ہیں۔ بڑا فرق یہ ہے کہ دنیا سے انتقال کر جانے والے کے معجزات دنیا میں موجود رہنے والے کے معجزات سے بہت مؤثر ہوتے ہیں۔ اور ہدایت خلق میں بہت زیادہ مفید ہیں۔ دوست اور دشمن بلکہ غیر جانبدار پر اس کا اثر برابر پڑتا ہے اور چونکہ زیادہ اہتمام دشمن کی ہدایت میں درکار ہے اور دشمنی متوفی سے بہت کم اور شاذ و نادر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب آدمی بظاہر وفات پا گیا اس سے سب باتیں مرگئیں جو کام وہ خود کرتا تھا وہ ہی نہ رہا اور جو کام اُس کا غیر اُن کے ساتھ عداوت کی وجہ سے کرتا تھا، اب کس سے کرے گا اور کہاں ہو سکتا ہے اس قسم کی ہدایت کو اس وجہ سے اختیار کیا، کیونکہ دشمن دین نہایت درجہ عناد پر پہنچے ہوئے تھے۔ اس لئے حکیم مطلق خدا پر واجب تھا وہ انتہا درجہ کی ہدایت کو اختیار کرے کیونکہ علاج ہر مرض کا اس کی ضد کے استعمال سے پورا ہوتا ہے۔ خدا کا ارادہ جو ایسے عمدہ طریق ہدایت اختیار کرنے میں تھا پورا ہو گیا، تا ایں کہ لوگ جو ہمارے نبیؐ کی نبوت سے منکر ہیں، ہندو ہوں یا عیسائی سکھ ہوں، وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ حسین علیہ السلام شہید مظلوم ہیں، دین اسلام میں جو نورانیت پیدا ہوئی وہ انہی کے سبب سے ہے۔

ع تو اپنے خون پاک کے چھینٹوں سے اے حسینؑ : انسان کی شرافت خفتہ جگا گیا!
اسلام کی کشش کا نہ جن پر ہوا اثر : تو درد بن کے اُن کے دلوں میں سما گیا!

---

شہید ظلم غریب الدیار کیا کہنا — حسینؑ درد کے پروردگار کیا کہنا
بڑھا تھا کفر کہ اسلام کا نشان نہ رہے — جگر پہ روک لیا تو نے وار کیا کہنا

---

شہید ظلم کلیجے ہلا دیئے تو نے — حسینؑ درد کے دریا بہا دیئے تو نے
ہر ایک ذرۂ بے حس میں اک طرب بھر دی — دماغ و شمع کئے دل بنا دیئے تو نے

حق یہ ہے کہ اس امت کے واسطے عقلی طور پر یہی کارروائی واجب تھی جو خدا نے فرمائی ہے۔ ایک بڑا بھاری سبب امام حسینؑ کے شہید ہونے کا یہ ہے کہ مسلمانوں نے خلیفہ رسولؐ کو اپنی تجویز سے گھڑ کر اس پر یہ طرح لگا دی کہ خلیفہ ہونے میں قہر و غلبہ ضروری شرط ہے۔

اور اس کا نام جہاد اسلام رکھ کر قتل اور غارت اور تسلط اور ملک گیری شروع کر دی، دنیا کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ دین اسلام اس جبر اور ظلم اور دنیاوی سلطنت کا نام ہے۔ امام حسینؑ کے مظلوم شہید ہو جانے سے اسلام نے یہ ثابت کر دیا کہ دیکھو اسلام کیا چیز ہے قہر اور غلبہ اور سلطنت سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ اسی نظریہ کے لحاظ سے سرکار رسالت نے فرمایا کہ حسینؑ بہشت اور دوزخ کا دروازہ ہے، جس طرح ان کے والد ماجد کو علوم کا دروازہ فرمایا تھا۔ اب طالب ہدایت جب انصاف کی نظر سے دیکھے گا تو ان خلفاء کو جو ملک در ملک فساد اور خونریزی کرنے پر دوڑے پھرتے ہیں، جب وہ مر گئے تو کسی قسم کی بزرگی اور کسی قسم قسم کی عزت ان کے ملئے باقی نہ رہی نہ ان کی قبروں سے کوئی کرامت یا کوئی شرف ایسا ظاہر ہوتا ہے جو اُن کے خلیفہ رسول ہونے پر دلالت کرے یا ان کے اولیا ہونے کا ثبوت دے پھر جب وہی طالب ہدایت اس مظلوم شہید اور اس کی کرامات کو دیکھے گا جو روزانہ ساعت بہ ساعت ظاہر ہوتی ہیں تو وہ کہے گا کہ خلیفہ ہونے کا حق دار یہی شخص ہے۔ وہ لوگ نہیں تھے جو مار دھاڑ قتل و غارت کر کے خلیفہ ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے۔ درود و سلام محمدؐ و آل پر پس وہ غلبہ والے خلیفے فنا ہو گئے۔ اور رسول کے حقیقی خلیفہ امام حسینؑ کے حق پر ہونے کا ثبوت ظاہر ہے۔ ان کی شہادت کے اثرات اب بھی موجود ہیں۔

| | |
|---|---|
| شوکت شام و فر بغداد رفت | سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت |
| تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز | زندہ از تکبیر او ایماں ہنوز |

اموی سلطنت شام کی شان و شوکت نہ رہی اور عباسی حکومت بغداد کا دبدبہ باقی نہ رہا غرناطہ یعنی ہسپانیہ کی اموی حکومت کا غلبہ بھی فراموش ہو گیا ہے۔ ہماری روحانی تار حسینؑ کی

انگلی کے اشارہ سے حرکت میں ہے۔ جو نعرہ تکبیر حسین علیہ السلام نے بلند کیا تھا۔ اُس سے ایمان آج بھی زندہ ہے۔ مولانا حالی نے بغداد کی عباسی سلطنت کے متعلق کہا ہے۔

وہ بلدہ کہ فخر بلاد جہاں تھا
گڑا جس سے عباسیوں کا نشاں تھا

عراق عرب جس سے رشک جناں تھا
تر و خشک پر جس کا سکہ رواں تھا

بہا لے گئی سیل تاتار جس کو
اُڑا لے گئی بادِ پندار جس کو

اسی وجہ سے اللہ نے ان کی خواب گاہوں کا ذکر کیا چنانچہ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جن پر مقتول ہونا واجب کیا گیا ہے وہ اپنی قبروں کی طرف ضرور نکلیں گے۔ اگر تمہارا ارادہ راہ حق اختیار کرنے کا ہو تو کربلا چلے جاؤ اور قبر حسینؑ و قبور اصحاب حسینؑ کی زیارت کرو، اور دیکھو کہ خدا کیسی کیسی آیات و کرامات ظاہر فرماتا ہے۔ جن سے ان شہیدوں کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر وہاں نہ جا سکو تو اس ملک میں شبیہ مرقد (تعزیہ) کو دیکھو۔ کیسی کیسی کرامات اس سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ہدایت کے لئے یہی نظارہ کافی ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔ اس آیت کے آخری جملہ کی تفسیر جس سے ہم نے اس باب کو شروع کیا باقی ہے اور وہ جملہ یہ ہے۔ قل متاع قلیلاً والآخرۃ خیر لمن اتقیٰ۔ جو خدا سے ڈرے اس کے لئے دنیا کی متاع تھوڑی ہے اور متقین متاع آخرت بہتر ہے۔ اللہ کا یہ قول ان لوگوں کے قول کو باطل کرتا ہے۔ جنہوں نے خواہ زبان سے خواہ دل سے کہا تھا کہ ہم پر جہاد کیوں واجب کرتا ہے۔ کاش ہم کو زمانہ قریب تک مہلت مل جاتی۔

ان کو یہ گمان تھا کہ اگر قتال نہیں کریں گے تو دنیاوی مال و متاع سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ خدا فرماتا ہے کہ دنیاوی متاع تھوڑی ہے یا آخرت کی متاع کے مقابلہ میں تھوڑی ہے

یا اس وجہ سے بھی کہ اس قتال کے واقع ہونے کے بعد بھی لوگ دنیا میں تھوڑے دنوں تک رہیں گے اور یہی واقعہ بھی ہوا۔ اس کے لئے آخرت بہتر ہے۔ جو خدا سے ڈرے جس وقت خدا اس کے لئے مقتول ہونا واجب کردے تو وہ مرنے کو جینے پر ترجیح دے گا۔

اس آیت میں تقیہ مقصود نہیں ہے۔ کہ اپنی جان اور آبرو کی حفاظت کرے۔ اس لئے جب خدا نے قتال واجب کردیا تو تقیہ کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ ایک معتبر روایت ہے کہ ایک صحابی رسول سے پوچھا گیا کہ آپ نے نصرت حسینؑ کیوں ترک کی جواب دیا اگر میں ان کی نصرت ترک نہ کرتا تو میری تجارت میں خسارہ و نقصان ہوجاتا اور یہی متاع دنیا ہے۔ جس کو خدا نے اس آیت میں قلیل فرمایا ہے۔ یہ آیت اس امر کی تصدیق کرتی ہے۔ شاید کوئی آدمی یہ اعتراض کرے کہ پہلی آیت میں مسلمانوں کے جہاد سے یہ مراد ہے کہ اپنے دشمنوں کو قتل کریں۔ اور دوسری آیت کا یہ مطلب ہے کہ خود مسلمان مقتول ہوجائیں اور شہادت کے بلند درجہ پہ فائز ہوں۔ پھر اُن دونوں آیتوں میں کیا مناسبت رہی۔ اس کے جواب میں ہم کہیں گے۔ دشمنوں سے جہاد کرنا اس سے عام ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کو قتل کریں یا خود ان کے ہاتھ سے شہید ہوجائیں۔ ہاں حقیقتاً اس جہاد میں شرط ضروری ہے کہ مجاہدین کو اپنے مغلوب ہونے کا گمان نہ ہو بلکہ دونوں صورتیں برابر ہوں۔ یہی جہاد پہلی آیت سے مطلوب ہے یہ شرط ضروری ہے

مگر جب یہ شرط پوری نہ ہو تو اس تو بھی چاہتا ہے کہ مجاہدین کثرت کی وجہ سے مغلوب و مقتول ہوجائیں۔ مگر خداوند عالم یہ بھی فرماتا ہے کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ تھوڑی جماعت انبوہ کثیر پر غالب آجائے۔ بحکم خدا حسینؑ اور اصحاب حسینؑ اسی کے مصداق ہیں۔ اب دوسری آیت کافروں کے قتل ہونے اور مجاہدین کے شہید ہوجانے کو بیان کرتی ہے۔ کیونکہ پہلی آیت میں بعض مسلمانوں کے گھر میں چھپ رہنے کا حکم ہے۔ اُس سے لازم آتا ہے کہ مجاہدین کی جماعت کم ہوگی۔ جب کم ہوگی ضرور مغلوب اور مقتول ہوں گے۔ جیسا کہ لفظ مضارع سے ظاہر ہے۔ یعنی مسلمان

شہید ہو کر اپنی قبروں میں پہنچ جائیں گے۔ مگر اس مغلوب ہونے کی غرض توبہ کرنا نہیں تھا جیسا کہ بعض پچھلی اُمتوں کا ہوا۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم اپنے خالق کی طرف رجوع کرو اس طرح کہ اپنے آپ کو قتل میں ڈالو۔ اس لئے کہ وہ حکم دشمنوں سے لڑ کر شہید ہونے کا نہ تھا اور امام حسین علیہ السلام کو حکم لڑ کر شہید ہو جانے کا تھا۔ اُس حکم میں ہم لوگوں کی ہدایت مطلوب نہ تھی۔ اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہمیشہ جاری رہنے والی ہدایت کی غرض سے ہوئی۔ یہی فرق ہے کہ اُن لوگوں کو خدا نے معجزات اور کرامات سے معزز نہیں فرمایا اور اُن شہدائے کربلا کو سب کچھ دیا۔ نیز محمدی شریعت سہل اور آسان ہے فقط زبان سے توبہ کر لینا بطفیل محمد و آل محمد یہ بھی بعض اوقات آپ کے سقوطِ عذاب کا باعث ہو سکتا ہے۔ اور یہ خاص ہم پر خدا کی رحمت ہے۔ پھر غور کیجئے اور کربلا کے بہادروں کے جہاد کو دیکھئے۔ یقین ہو جائے کہ شہدائے کربلا اگرچہ شمار میں تھوڑے تھے۔ لیکن یہی لوگ غالب تھے باوجودیکہ بھوک اور پیاس کا ان پر غلبہ تھا اور ان کی جسمانی قوتیں بڑی حد تک ضعیف تھیں۔ پھر اُن کی شجاعت کو فاضل ابن ابی الحدید ان لوگوں کی زبانی جو لشکر ابن سعد میں تھے معرکۂ کربلا کو اس طرح بیان کر رہا ہے۔ ایک شخص نے عمر سعد کے ایک فوجی سے کہا کہ تجھ پر وائے ہو تم لوگوں نے ذریت رسول کو قتل کیا۔ اُس لشکری نے جواب دیا کہ کیا تیری عقل ماری گئی ہے کہ جو تو یہ کہتا ہے اگر تو وہی کچھ دیکھتا جو ہم نے دیکھا ہے اور جو حالت ہم پر گزری ہے تو تو بھی وہی کرتا جو ہم نے کیا ہے۔ شہدائے کربلا کی شجاعت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ ہم پر ایک ایسا گروہ ٹوٹ پڑا تھا جو تلواروں کے قبضہ کو اس مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ جس طرح شیر اپنے شکار کو پکڑتا ہے۔ یہ لوگ دائیں اور بائیں سے سواروں کی صفوں کو درہم برہم کر رہے تھے وہ نہ امان قبول کرتے تھے نہ ان کو مال کی محبت تھی وہ مرنے والوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ اُن کو فتح کی پرواہ نہ تھی۔ اگر ہم لوگ اُن سے لڑنے میں پہلو تہی کرتے اور اُن کو مہلت دے دیتے تو وہ بہادر تمام لشکر کو تباہ کر دیتے۔ تیری ماں مر جائے۔

آخر ہم کیا کرتے اگر ایسا نہ کرتے اس روایت سے بہت سے فوائد پہ روشنی پڑتی ہے۔ جن کو ہم اب لکھتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے۔ اس کی اس روایت سے ثابت ہوتاہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ جماعت قلیل میں تھے۔ جو دشمنوں کی جماعت پر غالب تھے۔ اب ان پر وہی آیت صادق آتی ہے کہ اکثر قلیل جماعت خُدا کے حکم سے انبوہ کثیر پر غالب ہوتی ہے۔ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ انہوں نے اس حکم خدا کی کہ مقتول ہو جاؤ۔ بجا آوری کی وہ کسی اور جماعت سے ایسی نہیں ہو سکتی تھی اُنہوں نے دنیا کی طرف راغب ہونے سے شہید ہونے کو ترجیح دی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ خُدا نے جو ایسا کڑا امتحان لینا ان کے لئے تجویز فرمایا تھا اُس کو معلوم تھا کہ خاص یہی جماعت ایسے امتحان میں پوری اُترے گی۔ اور کسی سے یہ کام پورا نہیں ہوگا۔ عدل الٰہی کا تقاضا تو یہی ہے کہ جیسے اعمال صالح انہوں نے کئے خدا ان کو ویسی ہی جزا دے۔ اس لئے کہ خدا جواد اور کریم ہے۔ چنانچہ بہت بڑا ان کو اجر دے چکا اور قیامت کے دن کیا اجر دے گا۔ یہ وہی علام الغیوب جانتاہے کہ اس کائنات میں اور اولیاء الٰہی یا امانت داران خدا ایسے ہوئے ہیں۔ جن کو ایسی بزرگیاں خُدا نے دی ہوں۔ جیسے امام حسینؑ اور اُن کے اصحاب کو دی ہیں۔ اُن پر درود سلام اور اللہ کی صلوات ہو الحمد للہ جن امور کو ہم نے آیات متذکرہ سے ثابت کرنا تھا۔ وہ باحسن الوجوہ ثابت ہو گئے۔ اب ہم خدا کی حمد کرتے ہیں۔ وہ حمد جو شکر گزار کیا کرتے ہیں۔ محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود و سلام ہو۔

---

# منزل (۱۰)

## استقامت حسین علیہ السلام اور نزولِ ملائکہ

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (سورہ فصلت حم السجدہ آیت ۲۹ پ ۲۴ ع ۱۸)

ترجمہ: خدا فرماتا ہے۔ جن لوگوں نے زبان سے کہا کہ ہمارا رب معبود ہے۔ پھر اس قول پر مستقیم بھی رہے۔ یعنی کمی و بیشی نہ کی۔ اُن پر فرشتے نازل ہو کر کہتے ہیں۔ تم کچھ خوف نہ کرو اور نہ رنجیدہ ہو تم کو بشارت ہو بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ استقامت کے معنی لغت عرب میں میانہ روی کے ہیں اور خطِ مستقیم سب سے چھوٹا خط ہے۔ جس سے دو لفظ ملتے ہوں۔ اب اگر ہم مبدأ کو ایک نقطہ تصور کریں اور معاد کو دوسرا پس جو راہ پر ہم کو مبدأ (دنیا) سے آخرت کی طرف پہنچاتی ہے۔ وہ صراط مستقیم ہے۔ جو سب راہوں سے چھوٹی ہے۔ اُس میں نہ کجی ہے نہ نشیب و فراز ہے۔ نہ چھوٹے بڑے ٹیلے ہیں بلکہ سیدھی اور ہموار ہے۔ اس راہ کے زیادہ تر مستحق وہ لوگ ہیں۔ جو اس راہ کو پہچانتے اور اس پر چلتے ہیں۔ اُس پہ وہی شخص چلے گا۔ جس پر نہ جہالت ہو اور نہ بھول چوک ہو نہ عمداً خطا کرے بلکہ ہر اُس چیز کا جو اس راہ میں پڑتی ہے۔ اُس کو پورا اس کا علم ہو مسافت شروع سے لے کر آخر تک یعنی دنیا سے آخرت تک جو کچھ ہے۔ سب کو وہ شخص بخوبی جانتا ہو اور عمل بھی کرتا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالے نے فخر کائنات ختمی مرتبت محمد مصطفی ارواحنا لہ الفداء کے متعلق فرمایا ہے۔ یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ اے سردار دو عالم محمد مصطفیٰ قرآن حکیم کی قسم تو مرسلین (خدا کے رسولوں) میں سے ہے اور صراط مستقیم

پر ہے یا سرکار ولایت علی کے متعلق فرمایا۔ صراط علی مستقیم علی کی راہ ہی صراط مستقیم ہے یا آئمہ اہل بیت کے متعلق ارشاد ہوا۔ صراط الذین انعمت علیھم یہ صراط مستقیم اُن لوگوں کا رستہ ہے۔ جن پر تو نے نعمتوں کو نازل کیا ہے۔

ان ہادیوں میں سے ہر ایک ایسا ہونا چاہیئے کہ اُس کا اِس مسافت میں چلنا جو دنیا سے آخرت تک ہے۔ میانہ روی اور درستی سے ہو۔ پھر جیسا کہ خدا نے اس کو ہادی اور پیشوا بنایا ہے کہ لوگ اس راہ میں اس کی پیروی کریں۔ ضروری ہے کہ یہ ہادی اپنے پیروی کرنے والوں کے ان جملہ حالات جن کی اُن پر پیروی واجب ہے کا عالم اور شناسا ہو۔ اب یہ بھی واجب ہے کہ یہ ہادی خطا کاری اور لغزش سے بری اور منزہ و مبرا ہو۔ اور اللہ کے ہر حکم کا عالم و عارف ہو نہ خطا کرے اور اس سے بھول نہ عمداً نہ سہواً ہو۔ بلکہ امور ہدایت میں وہ ان باتوں سے بالا و برتر ہو اور راہ راست پر سیدھا چلنے والا اور اسی طرح امت کو سیدھا چلانے والا ہو۔ اور اس کو پوری استقامت حاصل ہو۔ اسی لئے خدا نے ہم کو حکم دیا ہے کہ دعا مانگیں اور خدا سے کہیں کہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرما (اھدنا الصّراط المستقیم) مگر چونکہ صراط مستقیم کے ہادی کا ہمیں علم نہ تھا۔ اس لئے خُدا نے ہمیں بتلایا کہ اس طرح دعا کریں تو پھر ہمیں ارشاد فرمایا کہ اس طرح عرض کریں۔ صراط الذین انعمت علیھم۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر (اے خدا) تو نے انعام کیا ہے۔

کیونکہ سب لوگ بھی ہادی ہونے کے قابل نہیں تھے۔ اس لئے زیادہ توضیح کر دی اور فرمایا ان کی راہ نہ ہو جن پر تو غضبناک ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو عمداً گناہ کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو ہدایت کے بجائے گمراہی میں ڈالتے ہیں اور نہ ضالین کی راہ کی ہم کو ہدایت کر یعنی ہم کو ضالین کی راہ پر نہ لے جا۔ ضالین وہ لوگ ہیں۔ جو سہواً اور نسیان سے معصیت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ حدیث میں وارد ہے کہ ضال وہ شخص ہے۔ جس کو ہادیٔ برحق کی ہدایت نہ پہنچی ہو۔ اس کا انجام خدا کی مرضی پر ہے۔ خواہ عذاب کرے خواہ بخش دے۔ اب تو بخوبی ثابت ہو گیا کہ ہادی جس کی پیروی ہم پر لازم ہے۔ وہی ہے جو عمداً اور سہواً خطا سے بری ہو۔ اسی کو معصوم کہتے ہیں۔ نہ کسی گناہ کی وجہ سے خدا اُس پر غضبناک

ہُوا ہو۔ اور نہ ہی وہ گمراہی میں مبتلا ہُوا ہو۔ اب جو انعام اس آیت میں بیان ہُوا ہے۔ اس سے مراد نعمتِ علم ہے۔ جو علم لُدنی ہے۔ اس لئے کہ استقامت علم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ جاہل سے ممکن ہی نہیں ہے کہ اُس سے ہر امر میں استقامت ہو سکے۔ ہم نے جو کہا ہے۔ اس کی دلیل اللہ کا وہ خطاب ہے۔ جو حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ سے فرمایا۔ فاستقیما ولاتتبعان سبیل الذین لایعلمون (سورہ یونس آیت ۸۹ پارہ ۱۱ رکوع ۱۳)

تم دونوں مستقیم رہو۔ جو لوگ بے علم ہیں۔ ان کی پیروی نہ کرو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمیں عُلماٗ کی پیروی کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ وہ انعام جو سورہ حمد کی آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ علم کا انعام ہے۔ اس لئے کہ علم سے ہی کامل طور پر انسان ہادی اور پیشوا ہونے کا مستحق ہوتا ہے۔ نیز خدا نے حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ ارواحنا لہ الفدا کو فرمایا ہے۔ فاستقم کما امرت ومن تاب معك ولا تطغوا انه بما تعملون بصیر (سورہ ہود آیت ۱۱۲ پارہ ۱۲ رکوع ۱۰)

مستقیم رہو تم اے رسول جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور مستقیم رہیں وہ لوگ جو تمہارے ساتھی ہیں۔ جنہوں نے معصیت سے رجوع کیا ہے مُنہ پھیر لیا۔ یعنی گناہ کرنے سے باز آئے ہیں۔ کہ عمداً اور سہواً خدا کی نافرمانی نہیں کرتے۔ مثل نبی معصوم کی نہیں کرتے۔ اس لئے معطوف اور معطوف علیہ حکم میں برابر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ علم بلاغت کا قاعدہ ہے۔ سوائے اس حکم کے جو کسی دلیل سے خارج کر دیا گیا ہو اور معطوف میں جاری نہ ہو سکے۔ ظاہر اس آیت کا بلکہ نص یہی ہے کہ وہ لوگ بھی جو استقامت پر ہیں۔ محکوم بہ عصمت ہیں۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ جب ہمارے نبی نے پوری استقامت فرمائی تو اُن کو کہہ دیا۔ اِنَّكَ لَعَلٰی هُدًی مُّستقیم تم اے محمد ضرور ہدایت مستقیم پر ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تم ضرور ہدایت پر مستقیم ہو جس سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ پہلی آیت میں استقامت سے مراد ہدایت کی استقامت ہے۔ اور جس طغیان سے منع فرمایا ہے۔ وہ یہی ہدایت ہے۔ اس عصیان سے باز رہنا مطلوب ہے۔ اور ہدایت سے مراد من الله ہدایت ہے۔ جیسا کہ اللہ

نے فرمایا۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الیٰ آخر۔ بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار ہی لائق عبادت ہے۔ پھر اسی ہدایت پر مستقیم رہے ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں، اور ان استقامت والے لوگوں پر اللہ کا انعام ہے اور وہی ہدایت پر ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ استقامت معصومین کی ہے۔ اور ان مقدس ہستیوں پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔

یعنی جن پاکیزہ ہستیوں نے استقامت کے ساتھ خدا کی رُبوبیّت کو تسلیم کیا، اُن پر فرشتے نازل ہوں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نزول ملائکہ خاص معصومین کے لئے ہے۔ یہی ہمارا دعویٰ ہے۔ اب ہم اصل مقصد پر پہنچ گئے ہیں جس کا بیان ہمیں یہاں منظور ہے۔ اس آیت میں چند فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اُن کو خدا نے ذکر تو کیا مگر یہ نہ فرمایا کہ کس استقامت سے وہ مستحق ہو جاتے ہیں کہ فرشتے اُن پر نازل ہوں۔ اس بیان کو اللہ نے سورۂ قدر میں بیان کر دیا۔

تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلام (القدر پ ۳۰)

اس کے بیان سے معلوم ہوا کہ فرشتے اُن لوگوں پر نازل ہوتے ہیں جنہوں نے استقامت کی، ہر امر کے بیان کی غرض سے استقامت کی تاکہ وہ اِن امور کو بجا لائیں۔ اس لئے کہ وہ لوگ اولی الامر ہیں۔ اور انتظام کُل امور کا خدا نے اُن کو سپرد کیا ہے، خواہ وہ اُمور دنیا کے متعلق ہوں یا آخرت کے۔ ہاں ایک اور بات رہ گئی وہ یہ ہے کہ نزول ملائکہ ہر شب قدر کو ہمیشہ ہوتا ہے، جیسا کہ خدائے کریم کے قول سے ثابت ہے۔ اس لئے کہ فعل مضارع 'تنزل' تجدد پر دلالت کرتا ہے اس سے ثابت ہُوا کہ ہمارے زمانہ موجودہ میں بھی ملائکہ کسی اولی الامر پر نازل ہوتے ہیں، یعنی امام آج بھی موجود ہیں، مگر اس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ اگر ہم تفصیل میں پڑ گئے تو ہمارا وہ مقصود رہ جائے گا۔ جس کا ذکر کرنا آج مطلوب ہے اور طول ہوگا۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جب اُن کا امام ہونا یعنی اولی الامر ہونا فرقہ خوارج اور نواصب کے سوا تمام اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے۔ تو اب امام حسینؑ کی استقامت اور اُن پر نزول ملائکہ کو دیکھیں، یہ واضح ہے کہ نزول ملائکہ

امام حسینؑ پر بھی ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں پوری پوری استقامت فرمائی ہے۔ اور راہ خدا میں جہاد کیا ہے، چنانچہ ہم ان اُمور کو اسی کتاب میں پہلے بھی لکھ چکے ہیں، اب اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ نزول ملائکہ آپ پر ہوا ہے۔ کتب تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روز ولادت امام حسین علیہ السلام سے روز شہادت تک (بلکہ بعد شہادت بھی جب تک خدا کو منظور رہے) فرزند رسول پر فرشتے کئی مرتبہ نازل ہوئے۔ اور ہر امر میں نازل ہوتے رہیں گے۔ جس امر میں بھی امام حسین علیہ السلام کا تعلق استقامت اور ہدایت کے ساتھ ہے۔ امام حسینؑ پر جہاد میں اسی طرح فرشتے نازل ہوئے جس طرح ان کے جدؐ رسولؐ اللہ پر نازل ہوتے رہے ہیں، جس کا قرآن حکیم میں ذکر موجود ہے۔ شیعہ اور سُنی دونوں نے حسینؑ پر نزول ملائکہ کی روایات اپنی اپنی کتب میں لکھی ہیں۔

ملا ابو اسحاق اسفرائینی جو مشہور علمائے اہل سُنت میں سے ہیں، ان کی کتاب نور العین میں روایت ہے کہ جب امام حسینؑ نے مدینہؐ سے عراق کی طرف سفر اختیار کیا تو فرشتے آپ پر نازل ہوئے یہ فرشتے مجاہدین کی شکل میں ہتھیار بند تھے۔ ان کے ہاتھوں میں آلاتِ جنگ بھی تھے۔ سب نے امام علیہ السلام کی خدمت میں سلام عرض کیا اور یہ بھی عرض کیا اے حجت خدا اللہ تعالےٰ نے آپ کے نانا کی مدد کے لئے بہت سے مقامات پر ہم فرشتوں کو بھیجا ہے اب ہم کو حکم دیا ہے کہ اس جہاد میں آپ کی مدد کریں، آپ کو جو کچھ منظور ہو حکم فرمائیں، امامؑ نے فرمایا جب میں کربلا میں پہنچ جاؤں، اس وقت تم نے آنا ہے۔ اس روایت کی تصدیق وہ حدیث بھی کرتی ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، کہ فرشتوں نے روز عاشور امام حسینؑ کی نصرت کے لئے خدا سے درخواست کی، ان کو اجازت ملی اور وہ سامان حرب و ضرب درست کر کے آمادہ ہو رہے تھے کہ امام علیہ السلام شہید ہو گئے۔ بعد شہادت وہ فرشتے کربلا پہنچے، امام حسین علیہ السلام کی مدت حیات قطع ہو چکی تھی۔ یہ مصلحت کاملہ الہیہ تھی اب ان فرشتوں نے عرض کیا، پروردگارا تو نے ہمیں زمین پہ نازل ہونے کا حکم دیا تھا۔ اور امام حسینؑ

کی نصرت کی اجازت دی تھی، سو ہم اُترے اور تو نے ان کی روح قبض کر لی۔ اب ہم کیا کریں۔ خدا نے فرشتوں کو وحی کی۔ اب تم ان کی قبر پر حاضر رہو۔ جب تک کہ وہ جہاد کی غرض کے لئے قبر سے باہر نہ نکلیں پس جب وہ جہاد کریں تو ان کی نصرت کرنا اور اس زمانہ تک روتے رہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم سے ان کی نصرت نہیں ہو سکی۔ اور تم کو دو امتیاز حاصل ہیں۔ جو اور فرشتوں کو نہیں۔ ایک یہ کہ اُن کی نصرت کرو گے ایک یہ کہ ان پر روتے رہو گے۔ ان کے ناصر بھی ہو گے اور ان کے عزادار بھی رہو گے۔ جب وہ قبر سے برآمد ہوں گے۔ تو یہ فرشتے آپ کے انصار میں ہوں گے۔

اب اس استقامت کی تفصیل کو بیان کرنا ہے۔ جس کا دعویٰ ہم امام حسینؑ کے حق میں کرتے ہیں، وہ یہ کہ امام حسینؑ دو شریعتوں کے محکوم تھے کہ وہ دونوں کے احکام بجا لائیں۔ ایک شریعت اسلامیہ جو ان کے نانا کی شریعت ہے یہ شریعت ظاہری ہے۔ دوسری شریعت باطنی جس کے تابع خود امام حسینؑ تھے۔ اور اسی شریعت کی رو سے قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں پر مقتول ہونا واجب کیا گیا ہے۔ وہ لوگ ضرور گھروں سے نکل کر اپنی اپنی خواب گاہوں (یعنی) مقاتل پر پہنچ جائیں گے۔ شریعت باطنی کے احکام کو تسلیم کرنے کی وجہ سے جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا نے دربار ابن زیاد میں بصراحت ارشاد فرمایا۔ یہ وہ اچھے لوگ تھے۔ جن پر خدا نے قتل ہو جانا واجب کر دیا تھا۔ لہٰذا اپنی خواب گاہوں تک اپنے گھروں سے نکل کر پہنچ گئے۔ ہماری جانیں امام حسین پر فدا ہوں کہ وہ مستقیم رہے اور دونوں شریعتوں میں جیسی استقامت اختیار کرنی چاہیئے تھی۔ ویسے ہی کر دکھائی۔ ہم نے کہا ہے کہ دونوں شریعتوں میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ امام حسین علیہ السلام پر جہاد کی دعوت کو واجب قرار دیتی ہے۔ اس لئے شریعت اسلامیہ حکم دے رہی تھی کہ آپ مجاہدین کو بلائیں اور ترغیب جہاد دیں۔ اور ان کو جہاد کے ثواب کی اُمید دلائیں اور مقتول ہونے کی باطنی شریعت یہ چاہتی تھی کہ انصار اور مجاہدین کو ہرگز جمع نہ کریں۔ اور نہ کثرت مجاہدین کی کوشش فرمائیں۔ یہی ظاہری اختلاف ان دونوں شریعتوں میں ہے۔ مگر دونوں کام فرزند رسول نے بہترین طریقے سے کئے۔ حضور نے مسلمانوں کو جہاد کی غرض سے دعوت فرمائی۔ زبانی بھی اور ان کے نام خطوط بھی روانہ کئے۔ اپنی

طرف سے سفیر بھی بھیجے۔ ایلچی بھی روانہ کئے۔ یہ سب کچھ اچھی طرح سے کیا۔ اس پر مسلمانوں نے جو کچھ کیا وہ سب کو معلوم ہے۔ یہاں تک کہ آپ ایامِ حج تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرے رہے یہ وہ ایام تھے۔ جن میں مسلمان دنیا کے ہر گوشے سے جمع ہوتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کا یہ عمل اپنے نانا کی پیروی میں تھا۔ جس طرح وہ جناب آخری حج بجالا کر غدیرِ خم کے مقام پر تبلیغ دین کے لئے ٹھہرے۔ کیونکہ اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کرنے کے لئے ٹھہرے تھے۔ اسی طرح امام حسینؑ نے مکہ معظمہ میں ٹھہر کر مسلمانوں پر حجت تمام کردی۔ جس طرح آپ کے نانا نے غدیرِ خم میں ٹھہر کر تبلیغ رسالت سے خدا کی حجت تمام فرمائی تھی۔ اس سفر میں جو شخص امام حسین کو نہم محرم تک ملتا تھا۔ آپ اُسے دعوتِ جہاد دیتے تھے۔ جب بخوبی آپ کو معلوم ہوگیا کہ مسلمان میرا ساتھ نہیں دیں گے۔ یہ محرم کی نویں تاریخ آپ کے لئے دوسرا عرفہ تھا جس سے کہ صورت حال کا عرفان ہوگیا کہ آپ کے لئے خاص شریعت کا حکم ہے۔ پھر جب آپ پر بخوبی ظاہر ہوگیا کہ مسلمان تعاون نہیں کریں گے اور انصار کے اجتماع سے نا اُمیدی ہوئی کہ مجھے وہ جمعیت جہاد جو دعوت میں شرط ہے نہیں ملے گی۔ یعنی مخالفین کے عدد سے نصف جمعیت نہیں ہو سکے گی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْآ اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ ط وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (انفال ۶۶ پ ۱۰ ع ۵)

کہ اگر تم ایک ہزار ہو تو دو ہزار پر غالب ہوں گے۔ یہ روزِ نہم آپ کے واسطے عرفہ ہوگیا۔ اس لئے کہ جہاد اسلامی سقوط پوری طرح واضح ہوگیا۔ کہ آپ پر بھی وہ جہاد ساقط ہے اور آپ کے انصار پر بھی۔ اب شب عاشور اصحاب کو جمع فرما کر تقریر فرمائی اور سب کو سقوطِ جہاد سے آگاہ کیا اور اجازت دے دی کہ چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ جو کچھ آپ نے کیا۔ گو آپ پر شریعت ظاہریِ اسلام کے لحاظ سے واجب تھا۔ پھر جب پوری استقامت شریعت ہو چکی تو اس کے بعد آپ نے شریعت باطنی کی بجا آوری شروع کردی اور اپنے اصحاب اور اعزہ و اقربا کی استقامت ان کے بیانات سے آپ پر ثابت ہوگئی۔ اور یہ ظاہر ہوگیا کہ ان میں

سے کوئی بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ آپ نے خاص شریعتِ باطنی کا اظہار یہاں تک
کر دیا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے سے کچھ اُٹھا کر وہ مقامات دکھا دیئے۔ جن میں انہوں
نے ہمیشہ رہنا تھا۔ اور اپنے نانا کے قول کی تصدیق کر دی کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ گویا
تم کو کسی زخم سے ایذا نہیں پہنچے گی۔ اب بھوک اور پیاس سے بھی ایذا نہیں ہوگی ۔

# منزل (۱۱)

## قیام بلدالامین مکّہ معظمہ و دعوتِ اہالیانِ کوفہ

## (جناب امام حسین علیہ السلام کا ولیانہ تدبّر)

آیہ مبارکہ:۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۚ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا (سورہ آل عمران آیت ۹۵-۹۶ پ ۴ ع ۹)

لوگوں کے عبادت کرنے کے لئے جو گھر سب سے پہلے بنایا گیا۔ جو مکّہ معظمہ میں ہے۔ یعنی خانہ کعبہ وہ بڑی خیر و برکت والا اور عالمین کے لئے راہنما ہے۔ اس میں بہت سی واضح اور روشن نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم ہے اور جو اس گھر میں داخل ہوا وہ امن میں آگیا۔

## شہزادہ یثرب حسین علیہ السلام مکّہ معظمہ میں کیوں؟

۱۔ مکّہ معظمہ تمام عالم انسانی کا مرکز تھا۔ جب حسین علیہ السلام مکّہ میں وارد ہوئے یہ زمانہ حج بھی تھا اور آل ورلڈ اسلامی کانفرنس یعنی عبادت حج کے لئے ہر ملک کا نمائندہ اس زمانہ میں مکّہ معظمہ میں آرہا تھا۔ نواسۂ رسول کا مکّہ میں قیام دنیائے اسلام کے لئے ایک خاموش پیغام تھا۔ آپ نے اپنی خاموشی میں نہ سننے والوں کو اتنا تو بتا دیا کہ امام حسین علیہ السلام یزید کی استبدادی حکومت سے جبکہ وہ اپنے فسق و فجور کے باوجود جانشینیٔ رسول کا بھی مدعی ہے۔ بیزار ہیں اور اس کی بیعت کرنا نہیں چاہتے۔ اِدھر یہ لوگ اپنے وطن پہنچیں گے۔ اُدھر حکومت یزید کی بدعنوانیاں تمام عالم

پر آئینہ ہو جائیں گی۔

۱۔ امام حسین علیہ السلام قیام مکہ میں یہ بتلانا چاہتے تھے کہ یہ بنائے خلیل وہی ہے۔ جس کی اُجرت میں ابراہیم خلیل اللہ اور اسمٰعیل ذبیح اللہ نے امت مُسلمہ طلب کی تھی۔ اور وہ ذرّیت ابراہیم واسمٰعیل سے امتِ مسلمہ ہم ہی ہیں۔

۲۔ امام حسین علیہ السلام قیام مکہ میں بتلانا چاہتے تھے کہ بیت اللہ کے متولی ہم ہی ہیں اور ہم ہی نے اس بیت کے قیام و بقاء اور استحکام کے لئے ہر زمانے میں سعی کی ہے اور اس کی بقاء کے لئے اگر ہمیں بُت پرستوں سے بھی تعاون کرنا پڑا ہے تو ہم نے دریغ نہیں کیا۔

۴۔ امام حسین علیہ السلام بتلانا چاہتے تھے کہ ہم ہی اہلِ بیت ہیں۔ ہم ہی اہل مسجد الحرام ہیں اور اس زمین سے ہمارا اخراج قتل اور فتنہ سے بھی بدتر کبیرہ گناہ ہے۔ جسے قرآن حکیم نے بیان کیا ہے۔

۵۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنی قربانیوں کی ابتدا کے لئے اُسی سرزمین کو انتخاب فرمایا کہ جو ملت ابراہیمی کی قربانی کا محل ہے اور جس قربانی کے تذکرے میں ذبح عظیم کے الفاظ سے امت آخری کی قربانی کا اشارہ موجود ہے۔ امام حسین علیہ السلام اس قربانی کی انتہا بننے کے لئے مکہ معظمہ سے ہی ابتدا کرنا چاہتے تھے۔

ع
غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیل

۶۔ امام حسین علیہ السلام دنیا کے انسانوں کے سامنے اپنے خاندان کی تاریخ پیش کرنا چاہتے تھے اور بتلانا چاہتے تھے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے حضرت علی علیہ السلام تک ان کے خاندان نے اس مرکز توحید کے بچانے کے لئے کیا کیا کارنامے انجام دیئے ہیں۔

۷۔ امام حسین علیہ السلام مکے کے قیام میں حضرت عبدالمطلب حضرت ابوطالب حضرت محمد مصطفےٰ اور حضرت علی المرتضیٰ کی زندگی پیش کر کے بتلانا چاہتے تھے کہ ان کا جائز اور صحیح روحانی وارث

میں ہوں۔

۸۔ جناب امام حسین علیہ السلام موجودہ حکمران خاندان بنی اُمیہ کی وہ سیاہ تاریخ پیش کرنا چاہتے تھے۔ جو اس خاندان نے اسلام کی عظیم الشان تحریک کو مٹانے کے لئے انجام دی ہے۔

۹۔ امام حسین علیہ السلام سرکار رسالت کے اُس سلوک کو جو اُنہوں نے ان بدبخت انسانوں سے فتح مکہ کے دن کیا تھا۔ پیش کر کے بتلانا چاہتے تھے۔ کہ یہ طلقاء کی اولاد آج اُس محسن عظیم کی اولاد سے کیا سلوک کرنا چاہتی ہے۔

۱۰۔ خانہ کعبہ جہاں انسان تو انسان حیوانات اور نباتات کے لئے بھی جائے امن ہے۔ امام حسینؑ وہاں قیام پذیر رہ کر (جیو اور جینے دو) کی پالیسی کا اظہار کر رہے تھے۔ امام حسین علیہ السلام بتلانا چاہتے تھے کہ کعبہ کو مامن بنانے والوں کی اولاد کے لئے اس میں امن نصیب نہیں۔ (تلک عشرہ کاملۃ)

جناب امام حسین علیہ السلام ۳ شعبان المعظم ۶۰ھ کو وارد مکہ معظمہ ہوئے

(ارشاد شیخ مفید صفحہ ۲۲۳)

۲۸ رجب المرجب کو مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر پانچ دن میں آپ مکہ معظمہ میں پہنچے۔ اس زمانہ میں ایسے ذرائع آمد و رفت نہیں تھے جیسے آج ہیں۔ پانچ دن کی مدت یہ بتلاتی ہے کہ امام حسینؑ نے موقع کی نزاکت کے پیش نظر یہ سفر بہت تیزی سے طے کیا۔ جب معاویہ کی وفات ہوئی۔ تو نظم حکومت کے لئے مختلف صوبوں پر مختلف گورنر مامور تھے۔

(۱) ولید بن عتبہ بن ابی سفیان معاویہ کا بھتیجا مدینہ کا گورنر (۲) یحییٰ بن حکیم بن صفوان بن اُمیہ گورنر مکہ (۳) نعمان بن بشیر انصاری گورنر کوفہ (۴) عبید اللہ بن زیاد گورنر بصرہ (الاخبار الطوال صفحہ ۲۲۸)

جب امام حسین علیہ السلام وارد مکہ ہوئے تو یحییٰ بن حکیم بن صفوان بن اُمیہ گورنری سے معزول کر دیا گیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید کو باوجود ایک دادا کی اولاد ہونے کے اس پر اعتماد اور بھروسہ نہیں تھا۔ اس کی جگہ عمرو بن سعید بن عاص بن امیہ کو بحیثیت گورنر مکہ مقرر کیا گیا پھر ولید بن عتبہ سے بدظن ہو کر مدینے کی گورنری کا چارج بھی مکہ کے گورنر عمرو بن سعید کے سپرد ہوا

حضرت مسلم کے کوفہ پہنچنے پر کوفے کا گورنر نعمان بن بشیر بھی معزول ہوا۔ اور عبیداللہ بن زیاد کو بصرہ اور کوفہ دونوں کا گورنر بنا دیا گیا۔ اور ان فوری طور پر معزولیوں اور تبادلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید کو اس کے اپنے مذموم عزائم کو پورا کرنے کے لیے آدمی نہیں مل رہے تھے۔ دو دو صوبوں کی گورنری ایک ایک آدمی کے سپرد کی جا رہی تھی۔ حالانکہ مکہ معظمہ کے قیام میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے نہ فوجیں بھرتی کیں نہ فوجی طاقت کو بڑھایا، نہ ہی عوام کو یزید کے خلاف بھڑکایا۔ بلکہ نواسۂ رسول اپنی سلیم روش سے ثابت کر رہے تھے کہ وہ معاشرتی اصلاح چاہتے ہیں۔ بلکہ تقریر یا تحریر میں سے کسی سیاسی جدوجہد کو ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

یزید کا فسق و فجور، اُس کے خلاف اسلام اقوال و اعمال، اُس کی شرعی حدود سے آزادی، اُس کا نفسانی خواہشات میں ڈوبے رہنا کوئی ڈھکی چھپی ہوئی بات نہ تھی۔ امام حسین علیہ السلام کا مدینہ منورہ سے ہجرت فرما کر مکہ میں قیام پذیر ہونے کا یہ اثر ہوا کہ اموی حکومت کی رعایا کو یہ علم ہو گیا کہ نواسۂ رسول حسین بن علی نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور وہ اس خلافت کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے کیونکہ حسین علیہ السلام یہ طے کر چکے ہیں کہ چاہے کچھ بھی ہو یزید کی بیعت نہیں کریں گے اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر اسلام کی بقا کے لیے اپنی جانوں پر کھیل جائیں گے۔

**شیعیانِ علی در کوفہ** یہ خاموش اقامت یعنی اقامت مکہ مضطرب اور بے چین عوام کے لیے جاذب توجہ ہوئی اور اس سلسلہ میں کوفے کے لوگ بھی اس امر میں سوچ بچار کرنے لگے۔ اس پر کوفے کے چند بچے کھچے شیعوں کو بھی اُمید کی جھلک نظر آئی اور وہ بھی سیاسی روش پر غور و فکر کرنے کے لیے مجبور ہو گئے۔

کوفے میں چند گنتی کے شیعہ رہ گئے تھے۔ بیس سالہ اموی دور میں کوفے کے گورنر زیاد نے شیعوں پر تشدد کی انتہا کر دی تھی۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ ہزاروں دار پہ لٹکائے گئے۔ ہزاروں کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر کر اندھا کیا گیا اور ہزاروں جلاوطن ہوئے۔ ہزاروں اس جور و تشدد کی تاب نہ لا کر ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔ ان چند دوستانِ علیؑ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور سلیمان بن صرد

کے مکان پر جمع ہوئے اور جہاں دیدہ سرکار رسالت اور سرکار ولایت کے تربیت یافتہ صحابیٔ رسول نے سامعین کو اس طرح مخاطب کیا۔

## سلیمان بن صرد کی تقریر

آپ کو معلوم ہے کہ معاویہ دنیا سے چل بسا اور نواسۂ رسول امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے، اور وہ ہجرت فرما کر مکہ معظمہ میں آگئے ہیں۔ اگر آپ کو اپنے اوپر پورا پورا وثوق اور یقین ہو کہ آپ اُن کی نصرت اور مدد کریں گے اور اگر ضرورت پڑی تو آپ اُن کے دشمنوں سے بھی کوتاہی نہیں کریں گے۔ تو بسم اللہ اُن کو خط لکھئے مگر دیکھئے اگر کسی قسم کی کوتاہی یا سستی کا احتمال ہو تو خدا کے لئے ایک شخص کو فریب دے کر اس کی جان جوکھوں میں نہ ڈالئے اور اسے خطرات میں مبتلا نہ کیجئے۔

اس جلسہ کی اس مختصر تقریر میں چند باتیں قابلِ غور ہیں۔

۱۔ یہ جلسہ کسی پبلک جگہ پر نہیں ہُوا۔ کراچی اور لاہور جیسے وسیع ہالوں میں سے کسی ہال میں نہیں ہُوا یہ جلسہ کسی وسیع میدان میں تنا تیع اور شامیانے لگا کر پنڈال بنا کر نہیں ہُوا۔ وہ عربی طرز تمدن کے ایک مختصر سے مکان میں ہُوا، اس طرز کے مکانات صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی جزیرۃ العرب میں موجود ہیں، یہ مکان کسی امیر یا رئیس کا نہیں تھا بلکہ ایک صحابیِ رسُول کا جسے سادہ زندگی بسر کرنے اور حسبِ ضرورت مختصر مکان بنانے کی تربیت رسول اللہ سے ملی تھی، آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس مختصر مکان میں سامعین کی تعداد کیا ہو گی۔؟ مقرر کی تقریر کا ایک ایک لفظ مقرر کے خلوص اور سچائی کی دلیل ہے۔

۲۔ مقرر حقیقی واقعات کو بیان کر رہا تھا۔ اس کی یہ تقریر ہنگامی تقریر نہیں تھی، اس نے جذبات کو ہیجان میں لانے اور وقتی جوش پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، وہ صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا اور سامعین کو خطرات سے ناواقف رکھنا نہیں چاہتا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجمع میں حاضرین اموی مظالم سے تنگ تھے۔ اُس تقریر نے بھڑکتی ہوئی آگ پر پانی کے چھینٹوں کا کام کیا سامعین بغیر سوچے سمجھے اپنی طاقت کا جائزہ لئے (در آئندہ)

خطرات کا اندازہ کئے بے اختیار بول اٹھے۔ نہیں! نہیں! ہم یقیناً آنحضرت کی مدد کریں گے۔ اور اپنے تئیں فرزند رسول کے قدموں پر نثار کریں گے۔

الفاظ بتلا رہے ہیں کہ سامعین وقتی طور پر جوش میں آ گئے تھے۔ یہ الفاظ ان کی باطنی آواز تھی۔ مگر انہوں نے آئندہ پیش آنے والے حالات پر غور نہیں کیا۔ انہوں نے اموی حکومت کی سیاسی چالوں پر لمحات فکر یہ صرف نہیں کئے۔ انہوں نے امکانی سیاسی انقلابات پر سوچ بچار نہیں کی۔ اپنی قوت برداشت کا جائزہ نہیں لیا اور ہنگامی جوش میں جو کہنا تھا کہہ دیا۔ سلیمان بن صرد نے اتمام حجت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مگر جوش میں امام حسین علیہ السلام کے نام ایک خط لکھ دیا گیا جو اس طرح تھا۔

**کوفیوں کا پہلا خط** | یہ خط ہے امام حسینؑ بن علیؑ کی خدمت میں سلیمان بن صرد، حبیب بن نجبہ رفاء بن شداد، حبیب ابن مظاہر اور مومنین و مسلمین اہل کوفہ کے دوسرے دوستوں کی طرف سے جو معاویہ کے انتقال اور یزید کی تاج پوشی کے بعد لکھا گیا۔

ہمارے سر پر کوئی امام نہیں ہے لہٰذا آپ تشریف لائیے۔ شاید آپ کی وجہ سے ہم حق کی نصرت پر یک دل ہو سکیں۔ دمشق کا مقرر کردہ گورنر نعمان بن بشیر انصاری کوفہ کے گورنمنٹ ہاؤس (دارالامارہ) میں موجود ہے۔ مگر ہم اس کے ساتھ نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے نہ عیدگاہ جاتے ہیں۔ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ آپ تشریف لا رہے ہیں۔ تو ہم اس کو نکال کر شام جانے پر مجبور کر دیں گے۔ والسلام

اس خط کا ایک ایک لفظ غور طلب ہے۔ آئندہ واقعات سے پیدا ہونے والے احتمالات کا جواب لئے ہوئے ہے۔ خط لکھنے والوں کی اکثریت کے عقائد و خیالات اور باطنی کیفیات کا ترجمان ہے۔ اس لئے اس خط پر کچھ لمحات فکر یہ صرف کرنا ضروری ہیں۔ یہ خط ایسا نہیں کہ اسے سرسری طور پر پڑھ کر چھوڑ دیا جائے۔

(۱) یہ خط دو تین شیعہ مومنین کے علاوہ عوام کا خط ہے۔

(۲) شیعہ سُنّی عقائد رکھنے والے سب ہی موجود ہیں ۔

(۳) یہ خط صرف شیعیان کوفہ کی طرف سے نہیں تھا، بلکہ ایسے لوگوں کی طرف سے تھا جو مختلف فرقوں سے تھے ۔ اس کی دلیل مومنین اور مسلمین کے الفاظ ہیں ۔ شیعہ کی اصطلاح میں مومنین کا لفظ شیعہ کے لئے اور مسلمین کا لفظ عوام فرقہ اسلامیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ توحید، رسالت اور قیامت پر ایمان لانے والوں کو مسلمین کہتے ہیں ۔ یعنی جو لوگ ان عقائد سہ گانہ میں شریک ہوں وہ مُسلم کہلائیں گے ۔ اور جو توحید، عدل، نبوّت، امامت اور قیامت کو ایمان اور اصول دین سمجھتے ہوں وہ مومن کہلائیں گے ۔ بہر کیف خط لکھنے والے شیعہ اور غیر شیعہ بھی تھے ۔

(۴) خط لکھنے والوں میں زیادہ تعداد غیر شیعوں کی تھی ۔ اس لئے باقاعدہ تغلیب عوام کے عقائد پر مبنی خط لکھا گیا ہے ۔ خط لکھنے والے لکھ رہے ہیں کہ ہمارے سر پر کوئی امام نہیں ۔ بھلا یہ عقیدہ کسی شیعہ کا ہو سکتا ہے ۔ شیعہ حضرات عقیدۃً امامت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں ۔ اُن پر کسی ایسے زمانے کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ جس میں وہ اپنے سر پر کوئی امام نہ رکھتے ہوں ۔ ایک امام کے انتقال کے بعد فوراً اس کے جانشین پر ایمان شیعہ کے مُسلّمات میں سے ہے کیا امام حسن علیہ السلام کے بعد جو دس برس تک عقیدۂ امامت سے بے بہرہ ہوں ۔ وہ شیعہ کہلا سکتے ہیں ۔ معلوم ہُوا کہ خط لکھنے والوں کی اکثریت غیر شیعہ تھی

(۵) یہ فقرہ بھی قابلِ غور ہے "شائد کہ ہم حق کی نصرت پر یکدل ہو سکیں ۔ اس خط کو عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن دال نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کیا تھا ۔ یہ اہل کوفہ کا سب سے پہلا خط تھا ۔ جو امام علیہ السلام کو دس ماہ مبارک رمضان ۶۰ھ کو مکہ میں ملا ۔ یہ جلسہ ختم ہُوا اور اس کے شرکاء نے اس تحریک کو عام کرنے کے لئے جد وجہد شروع کی ۔ یزید کی حکومت کے خلاف ایک عام ہیجان اور اضطراب تھا ۔ اس لئے بلا امتیاز فرقہ یہ تحریک عوام میں ہر دل عزیز ہو گئی ۔ اس تحریک کی ہر دل عزیزی کی وجہ ، امام حسین علیہ السلام اور ان کے خاندان سے عقیدت یا شیعیت نہیں تھی ۔ بلکہ یزید کے ظلم و استبداد اور فسق و فجور نے

اس تحریک کو عام کر دیا اور دو دن کے اندر اس سلسلے میں ترپن^۵۳ عرضداشتیں امام علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کی گئیں، یہ خطوط قیس بن مسہر صیداوی، عمارۃ بن عبید سلولی اور عبداللہ بن کدل راجی لے کر پہنچے، بعض خطوط میں یہ الفاظ تھے۔ جلد تشریف لائیے۔ اس لئے کہ لوگ آپ کے منتظر ہیں۔ اور آپ کے سوا کسی کی امامت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔

اِن الفاظ سے بھی ظاہر ہے کہ یہ دعوت دینے والے شیعہ نہیں تھے۔ کیونکہ شیعہ تو وہی ہے جو امام زمانہ کی امامت کو تسلیم کر چکا ہوا اور جو تسلیم پر امادہ ہوں وہ شیعہ نہیں بلکہ شیعہ ہونا چاہتے ہیں نوبت بہ ایں جا رسید کہ جو لوگ یزیدی گورنمنٹ کے پٹھو تھے اور یزید کے خاص آدمی شمار ہوتے تھے انہوں نے بھی تحریکِ محرکین کی ہاں میں ہاں ملائی اور خطوط لکھے۔ اِن کی شمولیت کی دو سیاسی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

(۱) رائے عامہ کی قوت اِن پر غلبہ پاگئی۔ اور اُنہوں نے مصلحت وقت کو ملحوظ رکھ کر اس تحریک میں شمولیت کی

(۲) ہو سکتا ہے کہ حکومت نے اُنہیں نفقۃ کالم بنا کر اس تحریک میں حصہ لینے کا اشارہ کیا ہو اور وہ تحریک میں شامل رہ کر جاسوس کے فرائض بانجام دے رہے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب آخری خط کا مضمون یہ تھا۔

**کوفیوں کا آخری خط** | کھیتیاں لہرا رہی ہیں۔ میوے درختوں میں پختہ اور رسیلے ہو چکے ہیں۔ تالاب لبریز ہیں۔ پس جب آپ چاہیں تشریف لائیں۔ ایسے لشکر کی جانب جو آپ کی امداد کے لئے بالکل آراستہ موجود ہے۔ آخری خط کوفہ کے سات آدمیوں کی طرف سے تھا، شیث بن ربعی، حجار بن ابجد، زید بن حارث یزید بن ادیم، عذرا بن قیس، عمرو بن حجاج بیدی، محمد بن عمیر تمیمی، پہلے خط اور اس آخری خط کا ذرا جائزہ لیجئے اور موازنہ کیجئے۔

**دونوں خطوں میں موازنہ** | اس سے صاف نمایاں ہو جائے گا کہ دو مختلف ذہنیتیں کام کر رہی ہیں۔

پہلے خط میں طلب رُشد و ہدایت اور استفادہ کی تمنا ہے۔ دوستی اور اخلاص کا اظہار ہے۔

آخری خط میں مادی مفاد کی جلوہ نمائی، دنیاوی لذائذ کی نمائش، مادی طاقت کی پیش کش اور دنیاوی مفاد کی نمود تھی۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا خط لکھنے والوں میں کچھ لوگ جو قائد تحریک تھے۔ ایسے

تھے کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے عظیم مقاصد تقدس وعظمت، جرأت تحمل اور بلند ذہنیت سے شناسا تھے۔ اور آخری خط لکھنے والے۔ مادی ذہنیت کے مالک اور امام حسین علیہ السلام بلکہ خاندان رسالت کے مذاق طبیعت اور بلندئ فطرت سے ناآشنا اور نابلد تھے۔ بنی ہاشم اور بنی اُمیہ تاریخ کے دو متضاد اور متخالف مزاج تھے۔ بنی ہاشم مفاد آخرت پر دنیا کا سب کچھ قربان کرنے والے تھے اور بنی اُمیہ دنیاوی مفاد کے لئے کسی برائی سے دریغ نہ کرنے والے تھے۔ پہلے خط لکھنے والوں میں کچھ لوگ اگرچہ ان کی تعداد کم تھی۔ بنی ہاشم کے طرف دار اور اُن کے حب دار تھے۔ لیکن آخری خط لکھنے والے اموین کے چیلے چانٹے تھے۔ کیونکہ واقعات نے ان امور پر مہر ثبت کردی، اس لئے کہ آخری خط جو سات آدمیوں کی طرف سے تھا وہ کربلا میں لشکر یزید میں موجود تھے۔ وہ تقریباً سب کے سب میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کر رہے تھے۔ بہر کیف حکومت نے مخالفت کا رجحان دیکھ کر سازش کا ایک جال پھیلا دیا تھا۔ اس زمانے کے وقائع نگار اگر اسے نہ سمجھے ہوں تو نہ سہی۔ لیکن دور حاضر میں جو مادی سیاست کے عروج کا زمانہ ہے۔ جس میں سیاسی شعور اپنی ارتقائی منازل طے کرکے بہت بلند مقام پر پہنچ چکا ہے یہ امور پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ کوفہ میں گنتی کے چند شیعوں نے جس تحریک کو چلایا تھا۔ بنی اُمیہ کے عمال نے اسے ناکام کرنے کے لئے گہری سازشوں کو انجام دیا۔ گو وہ آخر میں امام حسین علیہ السلام کی سیاست ربانیہ کے مقابلے میں ناکام ہوگئیں

**کسی مخالف تحریک کو ناکام کرنے کا طریقہ** ہمارے اس زمانہ میں حکومت کے خلاف کئی سیاسی تحریکیں جاری ہوئیں۔ جب ارباب اقتدار کسی زبردست تحریک کی طاقت سے عاجز ہو جاتے تو اُن کا آخری حربہ یہی ہوتا تھا کہ وہ اپنے کچھ آدمیوں کو اس تحریک میں شامل کر دیتے اور وہ اندرونی خلفشار پیدا کرکے اس تحریک کو ناکام بنا دیتے۔

حکومت برطانیہ کے زمانہ میں ۱۹۱۹ء کی تاریخ عدم تعاون میں یہی ہوا۔ ان آنکھوں نے حکومت کے نفتہ کالم کے کارناموں کو دیکھا۔ ان سرکاری آدمیوں کو سیاسی شعور رکھنے والے پہچانتے تھے۔ مگر کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ کانگرس، انگریز کی شاگرد تھی۔ جب اُس کی وزارتیں جرمنے کا آئیں

تو انہوں نے مسلم کنیشنگ کے لئے اور مسلم لیگ کو نیچا دکھانے کے لئے شیعہ سنی کو یو پی میں سبب
روایا شیعہ ایجی ٹیشن کے دنوں میں ہم نے سینکڑوں آدمی دیکھے جو شیعوں میں شامل ہو کر جیل پہنچتے اور
پھر معافیاں مانگ کر باہر آتے اور تحریک کو کمزور کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے۔

کوفہ میں مٹھی بھر شیعہ تھے۔ انہوں نے اموی حکومت کے استبداد سے تنگ آئے ہوئے
عوام کو اپنے ساتھ ملایا اور جب ارباب اقتدار نے اس تحریک کو کامیاب ہوتے دیکھا تو ہزاروں
آدمیوں کو اس تحریک میں شامل کیا گیا۔

**آپ کا مقصد جنگ کرنا نہ تھا** اس وقت کے واقعات سے جنہیں ہم قلمبند کر چکے ہیں مندرجہ ذیل
نتائج ظاہر ہوتے ہیں جس سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ آپ جنگ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے

(۱) امام حسین علیہ السلام نے بیعت یزید سے انکار اپنے فرائض کے تقاضا سے کیا تھا۔ کسی پارٹی
کوئی جماعت اُن کے ساتھ نہ تھی۔ انہیں صرف اللہ پر بھروسہ تھا، اور اپنی ذات پر اعتماد تھا۔ ان کا
یہ اقدام کسی خارجی تحریک کا نتیجہ نہیں تھا۔

(۲) اس انکار سے پہلے امام حسین علیہ السلام کو ملک کے کسی حصہ سے امداد کا وعدہ نہیں ہوا تھا

(۳) قیام مکہ معظمہ سے پہلے اہل کوفہ نے امداد کی کوئی پیش کش نہیں کی تھی۔

(۴) مکہ معظمہ میں پہنچ کر امام حسین علیہ السلام نے پہلے کوفہ کو اپنی نصرت کے لئے متوجہ نہیں کیا تھا

(۵) اہلِ کوفہ نے امام علیہ السلام سے مشورہ کئے بغیر اس تحریک کا آغاز کیا تھا۔ اس تحریک کے
چلانے والے اگرچہ چند شیعہ تھے مگر اس میں حصہ لینے والے عوام کا گروہ شیعہ عقائد سے
ناآشنا تھا اور فرزند رسول کی عظمت و شخصیت سے بالکل نابلد تھا۔

(۶) امام حسین علیہ السلام مکہ مکرمہ میں ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے ٹھہرے ہوئے تھے۔ مکہ سے
روانگی کے وقت آپ کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ اگر مکہ میں حالات
آپ کے موافق نہ ہوں تو ریگستانی صحراء اور پہاڑوں کے راستوں میں نکل جایئے اور ایک
شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہوتے رہیں۔ یہاں تک کہ لوگوں کے حالات آخری طور پر

آپ کے سامنے آجائیں۔ پھر آپ کوئی حتمی رائے قائم کیجئے گا (طبری جلد دوئم صفحہ ۱۶۱۔ ارشاد صفحہ ۱۹۱)

اب سرکار شہادت امام حسین علیہ السلام کی موجودہ حالت پر غور کیجئے۔

## مکہ مکرمہ میں آپ کا قیام عارضی تھا

مدینہ طیبہ کو آپ خیرباد کہہ چکے تھے۔ کیونکہ وہاں بیعت کئے بغیر قیام ناممکن تھا اور بیعت آپ کسی قیمت پر بھی کرنا اسلام کی موت سمجھتے تھے جس کے لئے آپ کسی صورت میں بھی آمادہ نہیں ہو سکتے تھے

(۲) مکہ میں آپ کا قیام مستقل طور پر نہ تھا۔ بلکہ آپ ان مصالح کی وجہ سے جنہیں ہم بیان کر چکے ہیں عارضی طور پر ٹھہرنا چاہتے تھے۔ مستقل طور پر کس طرح ٹھہر سکتے تھے۔ جبکہ یزید جیسے ملحد اور فاسق و فاجر کے دل میں اس بیت محترم کا کوئی احترام نہ تھا۔ اور اس کا حزب الشیطان یعنی اس کے عمال سلطنت اور مشیران کار ہر طرح سے مطلق العنان تھے۔ وہ سیاسی طور پر کعبہ کو گرا دینے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ کیونکہ اموی ارباب اقتدار میں سے ایک نے صاف طور پر کہہ بھی دیا تھا کہ اگر ان کے سیاسی اغراض و مقاصد کا تقاضا ہوا کہ مکہ کو منہدم کر دیا جائے تو اس کی دیواروں کے گرانے سے بھی ہم دریغ نہیں کریں گے۔ اور انہوں نے بعد شہادت سید الشہداء ۶۴ھ میں ایسا کر دکھلا بھی دیا۔

(۳) مکہ معظمہ میں اندیشہ یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ اس مقدس شہر میں آپ پر فوج کشی کے امکانات بھی موجود تھے۔ پھر آپ وہاں کوئی ایسی جماعت بھی نہیں دیکھتے تھے۔ جو آپ کی حمایت کے لئے سچے دل سے آمادہ ہو اگرچہ یا ابن رسول اللہ جعلت فداک یعنی رسول اللہ کے بیٹے میں آپ پر فدا ہو جاؤں کہنے والے تو بہت تھے۔ مگر وقت پڑنے پر کام آنے والی کوئی جماعت نظر نہیں آرہی تھی۔ اس لئے کہ اموی حکومت کے خون آشام پنجوں نے ملت کے جسموں میں جوش پیدا کرنے والا خون چھوڑا ہی نہ تھا۔ نیکی اور بدی کا احساس ختم ہو چکا تھا۔ قوم کے قوائے شاہراہ ہو چکے تھے۔

مکہ مکرمہ میں عبداللہ ابن زبیر جیسا چالاک سیاسی حریف موجود تھا۔ اگرچہ وہ صبح و شام سیاسی مصالح کی بنا پر حاضر خدمت ہوتا تھا اور نمائشی ہمدردیوں کا اظہار بھی کرتا تھا۔ مگر مکہ میں

یاسی لیڈر بننے کے ولولہ کا تقاضا تھا کہ وہ نواسۂ رسول کے طولانی قیام کو برداشت نہ کرے
امام حسینؑ جانتے تھے کہ عبداللہ بن زبیر کی ذات ان کے باپ کے خلاف جنگ جمل کے اقدام
باعث ہوئی تھی اور یہی عبداللہ بن زبیر تھا جس نے زبیر وابستہ دامان اہل بیت کو جناب امیرؑ
سے الگ کر لیا تھا اور نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ زبیر جیسا مخلص اپنے اخلاص کو ختم کر کے
لکجو حریف بن کر میدانِ جنگ میں آگیا تھا۔ ان حالات میں کیسے ممکن تھا کہ امام حسینؑ کا وہ تدبر
انہیں رسول اللہ سے ورثہ میں ملا تھا۔ گوارا کر سکے کہ مامن خدا یعنی بیت اللہ میں خون ریزی
وہ جس کی حفاظت میں امام حسینؑ کے آباؤ اجداد سرگرم عمل رہے تھے اور آج وہ اموی افواج
ے عسکری عزائم کا نشانہ بنے۔

## پ نے کوفیوں کی دعوت کیوں قبول کی

فرزند رسولؐ کی ہجرت از مدینہ مشہور ہو چکی
تی۔ پھر ملتِ اسلامیہ کے قوائے عمل اتنے شل ہو چکے تھے کہ یمن، بصرہ، طائف اور یمامہ سے
ئی نصرت کا پیغام موصول نہیں ہوا۔ صرف عراق کے صدر مقام کوفہ سے نصرت اور امداد کے
پیغامات برابر موصول ہو رہے ہیں، دو دن میں ۵۰ خطوط موصول ہوئے پھر یہ سلسلہ بڑھا
یہاں تک کہ کوفہ سے موصول ہونے والے خطوط کی دو چرتیں ہو گئیں۔ یکے بعد دیگرے
پانچ قاصد حاضر خدمت ہوئے۔ خطوط لکھنے والوں میں حبیب ابن مظاہر اور رفاعہ ابن شداد
جیسے مخلص لوگ بھی ہیں۔ جن پر حضرت امام حسینؑ کو پورا اعتماد ہے۔ اخلاقی، سیاسی اور مذہبی
طور پر ہمیں کوئی وجہ ایسی نظر نہیں آتی۔ جس پر سرکار شہادت اہلِ کوفہ کی دعوت کو مسترد فرماتے
آپ نے حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم کو جن پر آپؑ کو بھی
اعتماد تھا کوفہ روانہ کیا۔ اور آپ نے اپنے اس وکیل کو جو خط اہل کوفہ کے نام سپرد کیا اس کا
خلاصہ مضمون یہ تھا۔

## فرزند رسولؐ کا خط اہل کوفہ کے نام

ہانی اور سعید تمہارے خطوط لے کر آئے اور یہ
تمہارے سب سے آخری قاصد ہیں جو میرے پاس آئے ہیں جو کچھ تم نے لکھا ہے۔ ہیں نے

غور سے پڑھا اور سمجھا ہے۔ تم میں سے اکثر کا قول ہے کہ ہمارے سر پر کوئی امام نہیں۔ آپ آیئے شاید خدا ہم کو آپ کی بدولت حق پر مجتمع کر دے۔ اچھا تو میں تمہاری جانب اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے اور محل اعتماد عزیز کو روانہ کرتا ہوں۔ اور حکم دیتا ہوں کہ وہ مجھے تمہارے حالات سے آگاہ کریں۔ اگر انہوں نے اطلاع دی کہ تمہاری جماعت اور ارباب حل عقد اس امر پر جیسے تم نے اپنے خطوط میں ظاہر کیا ہے متفق و متحد ہیں تو میں عنقریب تمہاری طرف آتا ہوں۔ امام کے کوئی معنیٰ نہیں سوائے اس شخص کے جو کتاب الٰہی پر عامل ہو اور عدالت کا پابند ہو اور حق کا متبع اور اپنی ذات کو اللہ کی مرضی پر وقف کئے ہوئے ہو۔ والسلام

(طبری جلد ۶ صفحہ ۱۷۹ و صفحہ ۱۸۰)

یہ خط معارف و حقائق کا مجموعہ ہے، امام علیہ السلام کے اغراض و مقاصد کا ترجمان ہے اور ان نازک حالات میں سید الشہداء کی پوزیشن کا آئینہ دار ہے۔ اس پر ذرا غور فرمایئے

(۱) اس خط سے واضح ہے کہ اہل کوفہ کی تحریک پر امام حسینؑ نے حضرت مسلم بن عقیل کو مامور فرمایا۔ اہل کوفہ کا اصرار، ان کے خطوط کی افراط اس اقدام کا باعث ہوئی۔

(۲) اہل کوفہ نے دین و مذہب کے نام پر اپیل کی تھی اور امام حسینؑ کے دینی منصب کا تقاضا تھا کہ جو جماعت مذہبی اور دینی قیادت کے نام پر انہیں دعوت دے اور امام حق کی متلاشی ہو اس کی آواز پر لبیک کہیں

(۳) اہل کوفہ اموی خلفشار اور امویوں کے پیدا کردہ تشتت و افتراق کے بعد ملتِ اسلامیہ کے روحانی نگہبان کو ملت کے اتحادِ فکر و اتحادِ عمل کا ذریعہ بننے کے لئے دعوت دے رہے تھے توحید کے علمبردار اور علم و عمل سے توحید کی نشر و اشاعت کرنے والے کو کہا جا رہا ہے کہ توحید کا اقرار کرنے والوں کو متحد کر کے توحید کے معاشرتی اور تمدنی مفاد سے بہرہ اندوز کیجئے کیا ایسی دعوت کو مسترد کرنا امام علیہ السلام کے شایان شان تھا۔

یہ وہی اتحاد ہے۔ جس کے قائم رکھنے کے لئے حسینؑ کے والد ماجد امام صبور جناب علی مرتضیٰ

ارواحنا لہ الفداء نے تلوار نہ اٹھائی اور اتحادِ اسلامی کی بارگاہ پر اپنے سیاسی حقوق کو قربان کر دیا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو حدیث العہد اور اسلام میں نئے نئے داخل ہونے والوں کا اسلام جنگ و جدال کی نظر ہو جاتا۔ جیسا کہ اموی سردار ابوسفیان نے ہر چند چاہا کہ علی مرتضیٰ اس کی عسکری امداد سے جنگ و جدال اختیار کریں۔ مگر آپ نے اس کی استدعا کو ہی اتحاد کے لئے مسترد کر دیا اور یہی اتحاد تھا جس کے لئے امام کے بھائی شاہزادہ صلح وامن امام حسن علیہ السلام نے سلطنت کو ٹھکرا دیا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اسلاف معصومین کی یادگار شخصیت، اتحاد کی طالب جماعت کی استدعا کو مسترد فرماتے۔

(۴) اس خط سے ظاہر ہے کہ حضرت مسلم جنگ و جدال پر مامور نہ تھے۔ وہ کوفہ پر سیاسی تسلط اور قبضہ کے لئے نہیں بھیجے گئے تھے۔ وہ امام حسینؑ کے نمائندہ تھے اور ان کی نمائندگی حالات کا جائزہ لینے اور رائے عامہ کا اندازہ کرنے تک محدود تھی تاکہ وہ صورت احوال سے امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگاہ کریں۔ حضرت مسلم کے طریق کار سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔ انہوں نے کوفہ کے گورنمنٹ ہاؤس پر قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کوفہ کے گورنر کو کوفہ سے نکال کر دمشق روانہ کرنے کا اقدام نہیں کیا۔ حالانکہ اہل کوفہ کے پہلے خط میں اس قسم کے اقدام کی پیش کش کی گئی تھی۔

حضرت مسلم کا طریق کار بتلا رہا ہے کہ ان کا اپنے قیام سے واحد مقصد مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی اصلاح تھا۔ اور صرف طالبانِ ہدایت کی رہنمائی تھی۔

(۵) امام کے معنی کیا ہیں۔ فرزند رسول اس خط میں اس کی توضیح فرما رہے ہیں۔ لہٰذا اگر اہل کوفہ کی کثرت شیعہ ہوتی تو امام کی انہیں معرفت ہوتی۔ کیونکہ امام کی معرفت شیعہ مذہب کے مبادیات میں سے ہے امام کے متعلق عام تخیل اور اس منصب جلیل کا جمہوری تصور جو خط لکھنے والوں کے دماغ میں ہے اور اس کو محو کر کے شیعی تخیل اور خاندان رسالت کا صحیح تصور پیش فرماتے ہیں۔

**امام کی تعریف** امام وہ ہے جو کتاب اللہ کا عامل ہو۔ یعنی کتاب اللہ کے الفاظ کو عمل بنا کر

پیش کرے۔ اس کی عملی زندگی آیات قرآنیہ کی جیتی جاگتی تصویر ہو۔ امام وہ ہے جو حق کا منبع ہو۔ سراپا حق ہو اس کے اقوال حق ہوں۔ اس کے اعمال حق ہوں۔ اس کی انفرادی زندگی حق ہو۔ اس کی اخلاقی زندگی حق ہو۔ وہ حق کے لئے جیئے اور حق کے لئے مرے۔ امام وہ ہے جو عدالت کا پابند ہو۔ اپنے نفس سے عدل کرے اپنے بیگانے سے عدل کرے۔ مسلم و غیر مسلم سے عدل کرے۔ کینہ پروری، دوست نوازی کے باعث جادہ عدل سے الگ نہ ہو۔ امام وہ جو اپنی ذات کو خدا کی مرضی پر وقف کئے ہوئے ہو۔ اہل بیت رسالت کے بارے میں سورہ الدھر میں ارشاد ہے۔ وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّآ اَن یَّشَآءَ اللّٰہُ اے اہل بیت رسالت تم نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ چاہتا ہے۔ آئمہ اہل بیت میں امام وہی ہے۔ جس کا ہر فعل مشیئت الٰہی ہو۔ اس کا صلح کرنا مشیت الٰہی ہو۔ اس کا جنگ کرنا مشیت الٰہی ہو۔ اس کا صبر کرکے گوشہ نشین ہو جانا مشیت الٰہی ہو۔ اس کا میدانِ جنگ میں اُتر کر دادِ شجاعت دینا مشیتِ الٰہی ہو۔ اس کا سفر کرنا مشیت الٰہی ہو۔ جب مشورہ دینے والے کسی سمت سفر کرنے سے منع کریں۔ تو وہ ان کو یہ کہہ کر خاموش کردے کہ اللہ کی مشیت یہی ہے کہ وہ مجھے شہید ہوا دیکھے۔ جب اس کے مخدرات عصمت کو ایسے سفر میں جس کا نتیجہ موت ہے ساتھ لے جانے پر اعتراض کیا جائے تو اس کا جواب یہی ہو کہ مشیت الٰہی یہی ہے کہ ان مخدرات عصمت و طہارت کو حق کی راہ میں اسیر و قیدی دیکھے۔ اس امامت کے لئے عصمت شرط ہے۔ یعنی امام وہ ہوتا ہے جو معصوم ہو۔ امام وہ نہیں ہے کہ جو مشیت کو نہ جان سکے اور نہ اس پر عمل کرے۔

اس قیام مکہ میں حضرت مسلم ابن عقیل کا خط مکہ میں ملا کہ آپ تشریف لایئے۔ سب لوگ آپ کی اطاعت کے لئے تیار ہیں۔ یہ خط حضرت مسلم نے اس وقت روانہ کیا تھا۔ جبکہ کوفہ میں حالات سازگار تھے۔ ۷ ذی الحجہ تک مکہ میں قیام تھا۔ حج میں دو روز باقی تھے کہ واقعات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ آپ نے حج کئے بغیر مکہ سے روانگی کا ارادہ کرلیا۔ حالانکہ آپ کے شغف عبادات اور رافتاد طبیعت کا تقاضا تھا کہ آپ اس حج کو جو آپ کی زندگی کا آخری حج تھا مکمل فرما کر مکہ سے روانہ ہوتے۔

شب ۸، ذوالحجہ کو امام حسین علیہ السلام اس مقام میں مقیم ہیں. جو ایثار و وفا کی یگانہ یادگار ہے یعنی محسنہ اسلام اُمّ الائمہ سرکار ایثار و وفا حضرت خدیجۃ الکبریٰ الطاہرہ سلام اللہ علیہا کی ابدی خواب گاہ یعنی ان کی قبر مطہر تھی، یہاں پر عشق الٰہی میں سرشار جو اشعار تلاوت کئے ہیں. وہ ہم معہ ترجمہ لکھ چکے ہیں

**مکہ مکرمہ سے روانگی** بہرکیف ۸، ذی الحجۃ الحرام ۶۰ھ حج سے ایک روز پہلے امام حسینؑ نے یہ سفر اختیار کیا، جس کی وجوہات یہ ہیں،

(۱) حالات نے سرکار سیدالشہداء کو مجبور کر دیا تھا کہ حضور بلدالامین مکہ مکرمہ کو چھوڑ دیں. اگر آپ گہری نظر سے حالات پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا. کہ قیام مکہ معظمہ کی صورت میں حضرت سیدالشہداء کا شہید ہو جانا یقینی تھا، جیسا کہ بعد کے واقعات نے بھی ثابت کر دیا۔ کیونکہ عبداللہ ابن زبیر پر اسی بلدالامین میں فوج کشی ہوئی، اور وہیں وہ قتل کئے گئے۔ اسی طرح آپ پر بھی فوج کشی ہوتی۔ آپ کو میں پر محصور ہو کر شہید ہونا پڑتا۔ عبداللہ ابن زبیر ہر قیمت پہ برسر اقتدار آنا چاہتے تھے۔ اس لئے ان کو مکہ معظمہ کے احترام کا احساس نہیں تھا، لیکن سرکار سیدالشہداؑ کو کسی طرح گوارا نہیں تھا کہ ان کے قیام مکہ کی وجہ سے اس مقدس سرزمین کی عزت و احترام میں کوئی فرق آئے، حالانکہ مختلف اشخاص نے حضرت کو قیام مکّہ کا مشورہ بھی دیا۔ تو آپ نے اُس کے جواب میں فرمایا۔

(مجھے معلوم ہے کہ یہاں ایک شخص مینڈھے کی طرح ذبح ہوگا۔ جس سے یہاں کی حرمت زائل ہوگی۔ میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا) "تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۷ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۷

ایک دوسرے موقع پر پھر عبداللہ بن زبیر نے حاضر خدمت ہو کر چپکے چپکے امام حسین علیہ السلام کے کان میں کچھ کہا، اُس کے چلے جانے کے بعد آپ نے اپنے مخصوص اصحاب سے فرمایا کہ آپ جانتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر نے کیا کہا، اُس نے مجھ سے کہا ہے کہ آپ مکّہ میں قیام فرمایئے اور باہر نہ جایئے پھر آپ نے اپنے اصحاب و انصار سے فرمایا۔

(خدا کی قسم میں ایک بالشت بھر مکّہ کی حدود سے باہر قتل ہو جاؤں یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔

اس سے کہ ایک بالشت بھر مکہ کی حدود کے اندر مارا جاؤں۔ بخدا اگر میں کسی جانور کے سوراخ کے اندر جا کر رہوں، تب بھی یہ لوگ مجھ کو وہاں سے باہر لے آئیں گے۔ یہاں تک کہ جو چاہتے ہیں۔ میرے ساتھ کریں گے۔ خدا کی قسم مجھ پر یہ لوگ تعدی کریں گے۔ جس طرح یہود نے روز شنبہ کے بارے میں ظلم و تعدی سے کام لیا) طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۷

اموی سیاست سے یہ بھی بعید نہ تھا کہ جو فوجی سپاہی حاجیوں کے لباس میں مکہ معظمہ میں مامور کئے گئے تھے۔ وہ حالت طواف میں امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیتے امام حسینؑ نے ۸، ذی الحجۃ الحرام کو مکہ سے رخصت ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کے نمائندوں کو جو فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ میں مقیم تھے۔ اپنے مشن کی طرف اپنے اغراض و مقاصد کی طرف متوجہ کر دیا۔ ہر شخص مضطرب، حیرت زدہ اور ششدر تھا کہ آخر پچیس حج پا پیادہ کرنے والا حج سے ایک روز پہلے حج کئے بغیر لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دینے والے فرزند رسول مکہ سے کیوں چلا گیا؟ اس روز مکہ میں ہر مجمع میں یہی سوال موضوع بحث رہا اور دنیا کے ہر نمائندے کو معلوم ہو گیا کہ اموی حکومت، احرام حج کی حالت میں ہی نواسۂ رسول کو گرفتار یا قتل کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے فرزند رسول نے خانہ کعبہ کی حرمت کے پیش نظر مکہ سے ہجرت فرمائی ہے۔ اب جب یہ ربع مسکون کے نمائندے اپنے اپنے ملک میں جائیں گے۔ تو اموی حکومت کے عزائم سے اپنے ملک کے باشندوں کو آگاہ کریں گے۔ جس سے امام حسین علیہ السلام کے مشن کی ایک عالمگیر اشاعت ہو جائے گی۔ امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے روانہ ہو کر اس روانگی سے پریس، وائرلیس، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی نشر و اشاعت کا ایسا کام لیا ہے۔ رخصت ہونے سے پہلے اکثر حاضرین کے سامنے امام حسین علیہ السلام نے جو تقریر فرمائی اُسے ہم مع ترجمہ پہلے لکھ چکے ہیں۔ اسی رات کو مختلف افراد حاضر ہو کر امام حسین علیہ السلام کو مشورے دیتے رہے۔ عبداللہ بن عمر نے کہا کہ حکومت سے صلح کر لیجئے۔ اور حکومت سے جنگ کرنے اور اپنے قتل ہونے سے گریز کیجئے۔ امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں

فرمایا اے ابا عبدالرحمٰن دنیا اللہ کی نظروں میں جس قدر ذلیل ہے۔ اس کی مثال حضرت یحییٰ بن زکریا کا واقعہ ہے کہ اُن کا سر بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت کے سامنے پیش کیا گیا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بنی اسرائیل سپیدۂ سحری سے طلوع آفتاب تک ستر انبیاء علیہم السلام کو قتل کر کے اپنے بازاروں میں آ بیٹھتے اور خرید و فروخت کرتے تھے۔ گویا اُنہوں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اُن پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کی۔ پھر جب عذاب نازل کیا تو ایک قادرِ مطلق کی شان سے کیا۔ اے ابا عبدالرحمٰن اللہ سے ڈرو اور میری نصرت و امداد سے کنارہ کشی نہ کرو۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر آئے اور قیام مکہ کا مشورہ دیا۔ آپ نے ان دونوں سے فرمایا۔ رسول اللہ صلعم نے مجھے ایک امر کا حکم دیا ہے اور میں اُسی پر چلنے والا ہوں۔ رات کو محمد بن حنفیہ آپ کو اُس وقت ملے۔ جبکہ آپ سفر کوفہ کے لئے اپنے ناقہ پر سوار ہو چکے تھے۔ انہوں نے ناقہ کی مہار پکڑ کر کہا حضور نے میری معروضات پر غور کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ پھر اتنا جلدی چل پڑے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا آپ کے چلے جانے کے بعد خواب میں رسول اللہ تشریف لائے اور فرمایا حسینؑ چل پڑو۔ فَاِنَّ اللّٰہ قَدْ شَآءَ اَنْ یَّرَاکَ قَتِیْلًا۔ اللہ کی مشیئت تجھے شہید دیکھنا چاہتی ہے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ یا ابن رسول اللہ جب آپ کو اپنی شہادت کا یقین ہو چکا ہے۔ تو پھر ان مخدرات عصمت کو ساتھ لے جانے کا کیا مقصد ہے؟ اس پر جناب زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا بھائی محمد آپ ہمارے بھائی کو جو ہمارے سرپرست اور مہربان ہیں، اس قسم کے مشورے کیوں دیتے ہیں؟ یہ میرے بزرگوں کی نشانی ہیں۔ خدا کی قسم ان سے ہرگز جدا نہ ہوں گی اور وہاں جاؤں گی۔ جہاں یہ جائیں گے امام حسین علیہ السلام نے فرمایا بھائی جان انہیں ہمراہ لے جانے کی دو وجہیں ہیں اوّل تو یہ مخدرات عصمت و طہارت میرے پاس رسول اللہ کی امانت ہیں۔ دنیا اس قدر تیرہ و تاریک ہو چکی ہے۔ کہ کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جسے میں یہ امانتیں سپرد کردوں۔

جب تک میں زندہ ہوں یہ میرے ساتھ ہیں۔ اور دوسرے اِن اللہ قد شاءَ اٰن یراھُنّ سبایا اللہ کی مشیئت یہی چاہتی ہے کہ انہیں قیدی دیکھے محمد بن حنفیہ یہ سُن کر خاموش ہو گئے اور امام حسین علیہ السلام کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

# منزل (۱۲)

## فرزند رسول مکہ معظمہ سے کربلا معلیٰ تک

# منازلِ عشق

ع چوں عشق خدا باشد سہل است بیابان

ہم اس آیہ مبارکہ کو شرح اور ترجمہ کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ جن پر جہاد واجب ہو چکا تھا. وہ اپنی خواب گاہوں کو پہنچے.

امام حسین علیہ السلام کا یہ سفر ایک عربی شعر کا آئینہ دار ایک فارسی شعر کا زبانِ حال سے ترجمان ہے.

ع ادین بدین الحب حیث تجملت ارسلت الیہ دینی وایمانی

میں نے محبت کا دین اختیار کیا ہے. جہاں اس کی اونٹنیاں گئیں. میں نے اپنے دین و ایمان کو بھیج دیا ہے.

ع رشتہ در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

میری گردن میں میرے دوست نے رسی ڈال رکھی ہے. میں اسی طرف چلا جا رہا ہوں جہاں وہ مجھے لے جانا چاہیں گے.

قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ

جن پر قتل ہونا لکھا گیا تھا وہ اپنے مقتل میں نکل آئے. ۸, ذی الحجہ کو جب سرکار شہادت

مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے اور اس کی خبر مکہ کے گورنر عمرو بن سعید بن العاص کو ملی تو اس نے ایک دستہ یحیٰی بن سعید افسر پولیس کی قیادت میں روانہ کیا۔ اس نے بیرون شہر آپ کو روکا اور کہا کہ آپ کو واپس چلنا ہوگا، سرکارِ شہادت نے انکار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ طرفین میں مڈبھیڑ بھی ہوئی۔ انصارِ حسین پوری طاقت سے مزاحمت کرنے پر تیار ہوگئے، آخر ان لوگوں کو ہٹنا پڑا۔ اور قافلہ روانہ ہوا (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۱۰)

دینوری نے لکھا ہے کہ خود عمرو بن سعید نے صورت حال کے نازل ہونے کی خبر پاکر اپنے پولیس افسر کو واپس آنے کی ہدایت کردی۔ (الاخبار الطوال ص ۲۴۲)

آپ کے ان عزیز و انصار کے علاوہ جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے۔ مکہ اور بصرہ کے رہنے والے کچھ افراد آپ کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے (ارشاد ص ۲۴۳ طبع ایران)

**منزل ۱ صفاح** یہاں پر فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں

**منزل ۲ ذات عرق** عبداللہ بن جعفر طیار نے گورنر سے امان نامہ حاصل کیا اور اسے عون و محمد کے ہاتھ روانہ کیا۔ اور واپس آنے کا مشورہ دیا۔ تو آپ نے امان مسترد کردی۔ اور واپس آنے سے انکار کردیا۔ عون و محمد ہمراہ چل دیئے۔

**منزل ۳ حاجر بطن الرمہ** اس منزل پر پہنچ کر اہل کوفہ کو خط لکھا اور دعا دی اور مکہ سے روانگی کی اطلاع دی۔ اور یہاں عبداللہ ابن مطیع کی آپ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کوفہ نہ جانے کا مشورہ دیا۔ امام نے فرمایا جو تقدیر میں لکھا ہے ہو کر رہے گا۔

**منزل ۴ زرود** اس منزل میں زہیر ابن قین سے ملاقات ہوئی۔ یہ شخص حج کرکے کوفہ واپس جا رہے تھے۔ انہیں اس سے قبل خاندانِ رسالت سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ وہ اموی حکومت کے متوسلین میں سے تھے۔ وہ اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جو اس زمانہ میں عثمانی مسلک کہلاتا تھا۔ وہ ایک جماعت کے ساتھ امام حسینؑ سے کنارہ کش ہو کر سفر کر رہے تھے۔ سرکارِ شہادت نے انہیں قاصد بھیج کر بلایا۔ اس دعوت پر خاموشی طاری ہوگئی۔ زہیر کی

بیوی جوکہ ایک نیک بخت خاتون تھی۔ اس کا نام دیلم تھا۔ اُس نے پس پردہ بلند آواز سے کہا۔ سبحان اللہ اے زہیر! فرزند رسول تجھے بلائے اور تو جواب نہ دے۔ وُہ اس بات سے متاثر ہوکر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سرکار شہادت نے اس صفائی سے اپنے معاملہ کو پیش کیا کہ یہ ہمہ تن سرکار شہادت کے حامی ہوگئے۔ آخر یوم عاشورہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے (الاخبار الطوال ص۲۰۶)

عبداللہ بن حر جعفی سے ملاقات ہوئی۔ طلب نصرت پر آکر اُس نے نصرت سے انکار کیا اور کہا کہ میں ایک گھوڑا اور ایک نیزہ پیش کرتا ہوں۔ فرمایا مجھے تیرے گھوڑے اور مال کی ضرورت نہیں۔ جبکہ تو میری مدد نہیں کرتا اس صحرا سے نکل جاکر تو میرے استغاثہ کی آواز نہ سُنے (بحار الانوار)

منزل زرود ہی وہ پہلا مقام ہے۔ جہاں سے روانگی پر امام حسینؑ کی پریشانیوں میں شدت کا آغاز ہُوا۔ جبکہ عبداللہ ابن سلیم اور منذر بن شمعل بنی اسد کے دونوں شخص حج سے فارغ ہونے کے بعد بہت تیزی سے روانہ ہوکر منزل زرود میں حضرت سے آملے تھے ایک شخص کوفہ کی طرف سے آرہا تھا۔ جس نے حسینی قافلہ کو دیکھ کر راستہ بدل لیا اور دوسری طرف روانہ ہوگیا۔ امام علیہ السلام اسے دیکھتے ہی ٹھہر گئے تھے۔ تاکہ کوفہ کے کچھ حالات اس سے دریافت کریں۔ لیکن جب اس نے بے رخی کا اظہار کیا تو سرکار شہادت آگے بڑھ گئے۔ بنی اسد کے ان شخصوں عبداللہ بن سلیم اور منذر بن مشعل نے آپس میں کچھ مشورہ کیا کہ اس سے اہل کوفہ کے کچھ حالات معلوم کریں۔ چنانچہ قافلہ سے دونوں جدا ہوکر نہایت سرعت رفتار سے جانے والے کے پاس پہنچ گئے۔ صاحب سلامت کے بعد اس کا قبیلہ دریافت کیا۔ معلوم ہُوا کہ بنی اسد سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی اسدی ہیں تیرے ہم قبیلہ ہیں۔ ذرا تم سے اپنے شہر کے حالات دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا ہاں سُنو۔ میں کوفہ سے ابھی باہر نہیں آیا تھا۔ کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ قتل کیے گئے

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اُن کے پاؤں میں رسی باندھ کر بازار میں گھسیٹا جا رہا ہے
یہ خبر نہایت وحشت ناک تھی۔ دونوں نے سُن لیا اور موقعہ شناسی سے کام لے کر اسے
اس وقت تک دل میں پوشیدہ رکھ لیا۔ یہاں تک کہ اس کے اظہار کا موقعہ ملے۔

**منزل ۵ زبالہ** اس منزل پر پہنچ کر دونوں اسدی یعنی عبداللہ بن سلیم منذر بن مشعل خدمت
سرکار شہادت میں حاضر ہو کر تسلیم بجالائے۔ حضرت امام علیہ السلام نے جواب دیا۔ انہوں نے
عرض کیا کہ ہمیں ایک اطلاع عرض کرنا ہے۔ اگر ارشاد ہو تو سب کے سامنے عرض کریں۔ اگر
حکم ہو تو تنہائی میں گوش گذار کریں۔ آں حضرت نے حاضرین پر ایک نظر ڈال کر فرمایا۔ کہ ان
حضرات سے کوئی راز پوشیدہ نہیں ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ کل جو سوار راستہ بدل کر جناب
کے پاس سے گزر گیا تھا۔ وہ ہمارے ہی قبیلے کا تھا۔ اور نہایت فہمیدہ اور سچا آدمی تھا۔
ہم نے اُس سے کوفہ کے حالات دریافت کئے۔ اُس نے کہا کہ وہ کوفہ سے باہر نہیں آیا تھا کہ
حضرت مسلم بن عقیل اور حضرت ہانی بن عروہ دونو شہید ہو گئے تھے۔ اور ان کی لاشیں
بازاروں میں پھرائی گئیں۔ سرکار سید الشہداء کو اس اندوہ ناک خبر پر انتہائی صدمہ ہُوا۔ آپ
کو اپنے مستقبل کے متعلق ظاہری تمام اُمیدوں کے اس طرح ختم ہو جانے پر بھی انتہائی ملال تھا
مگر حضرت نے تین چار دفعہ کہا انا للہ وانا الیہ راجعون رحمۃ اللہ علیہما
عند اللہ نحتسب اُنفسنا۔ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کی طرف ہماری بازگشت ہے
ان دونوں پر خدا کی رحمت ہو۔ ہم اپنی جانوں کا اللہ کے ہاں احتساب کرتے ہیں۔ یعنی اُسی
کی راہ میں ہم اپنی جانوں کو نثار کرتے ہیں۔ اور وہی معاوضہ دینے والا ہے۔

(الاخبار الطوال ص ۲۴۹)

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جس رستے پر حضرت مسلم اور حضرت ہانی کی جان گئی ہے
ہم بھی اُسی راہ پر قائم ہیں۔ اور جان دینے پر آمادہ ہیں۔
دونوں اسدی اس خبر سے متاثر ہو کر ساری رات سوچ بچار کرنے کے بعد جس نتیجہ

پر پہنچے تھے۔ اس کے پیش نظر انہوں نے مشورے کے طور پر عرض کیا۔ حضور خدا کا واسطہ اپنے اور اپنے گھر بھر کی جانوں کو خطرہ میں نہ ڈالئے۔ یہیں سے واپس ہو جایئے۔ کوفے میں آپ کا کوئی دوست اور مددگار نہیں۔ ہمیں خوف ہے کہ اس وقت پورا کوفہ آپ کے خلاف ہوگا۔ آپ نے ایک نظر اولاد عقیل پر ڈالی اور فرمایا مسلم تو شہید ہو گئے اور سب نے کھڑے ہو کر کہا خدا کی قسم ہم تو ہرگز واپس نہیں ہوں گے۔ جب تک مسلم کے خون کا بدلہ نہ لیں یا موت کا وہی جام پئیں جو حضرت مسلم نے پیا ہے۔ اس پر اسدیوں کی طرف متوجہ ہو کر سرکار شہادت نے فرمایا جب یہ لوگ نہ ہوئے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا۔ آپ کی اور مسلم کی برابری نہیں اگر آپ کوفے میں پہنچ جائیں گے تو سب اہل کوفہ آپ کی مدد کے لئے آمادہ ہو جائیں گے۔ سرکار شہادت نے ان کے اس خیال کی کوئی تائید نہیں کی اور خاموشی اختیار فرمائی۔

**دو خط** حضرت مسلم نے عمر بن سعد کو جو وصیت کی تھی۔ اس کے پیش نظر محمد بن اشعث اور عمر بن سعد نے حضور کی طرف خط لکھ دیا تھا۔ جو منزل زبالہ میں آپ کے پاس پہنچا۔ اس میں لکھا تھا۔ کوفہ کی حالت بدل چکی ہے۔ اب یہاں آپ کا کوئی مددگار نہیں۔ اس لئے یہاں تشریف لانے کا ارادہ ترک کر دیجئے۔ اس خط سے حضرت مسلم کی خبر شہادت کی بھی تصدیق ہوگئی دوسرے خط میں تھا کہ حضور کے قاصد حضرت قیس بن مسہر بھی شہید کر دیئے گئے ہیں۔

(الاخبار الطوال صفحہ ۲۴۷)

جن لوگوں کے سامنے خبر شہادت حضرت مسلم بیان کی گئی تھی۔ وہ دراصل راز دار تھے۔ کیونکہ یہ خبر عام قافلے میں صیغۂ راز میں ہی رہی۔ سرکار شہادت نے قیس بن مسہر کے بعد ایک اور خط عبداللہ بن یقطر کے ہاتھ اہل کوفہ کو روانہ کیا تھا۔ منزل زبالہ پہ آپ کو عبداللہ بن یقطر کے شہید ہونے کی بھی خبر ملی حضور نے صورت احوال کو تاریکی میں رکھنا کسی طرح مناسب نہ سمجھا۔ اس لئے اہل قافلہ کی اطلاع کے لئے اعلان فرمایا ہمیں یہ دردناک خبر

معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مسلم اور حضرت ہانی شہید کر دیئے گئے۔ کوفہ کے دعوت دینے والوں نے ہماری مدد سے ہاتھ اٹھالیا ہے۔ ان حالات میں تم میں سے جو شخص واپس جانا چاہے وہ واپس چلا جائے۔ ہماری طرف سے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے (والسلام)

اس اعلان کے ساتھ لوگ منتشر ہونا شروع ہوئے۔ پس وہی لوگ جو مخلص تھے اور مدینہ اور مکہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ باقی رہ گئے۔

**منزل ۶ بطن عقیق** اس منزل پر قبیلہ بنی عکرمہ کے ایک شخص کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اس نے بتلایا کہ ابن زیاد کی طرف سے قادسیہ اور عزیب کے درمیان ناکہ بندی ہوگئی ہے۔ اس نے خدا کا واسطہ آپ کوفہ تشریف نہ لے جائیں۔ آپ خطوط لکھنے والوں پر بھروسہ نہ کیجئے۔ آپ کے سامنے نیزوں اور تلواروں کے سوا کوئی چیز آنے والی نہیں ہے۔ سرکار شہادت نے اس خیر خواہی پر اسے دعا خیر دی اور آگے روانہ ہوئے۔

اس ناکہ بندی کی وجہ یہ تھی کہ امام حسین علیہ السلام کے آنے سے کہیں پھر انقلاب پیدا نہ ہو جائے۔ نیز ابن زیاد کو یزید کی طرف سے حکم آچکا تھا کہ امام حسین علیہ السلام عراق کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں۔ اس لئے ہوشیاری کے ساتھ جاسوس مقرر کرو۔ ناکہ بندی کرو اور جس شخص سے بھی کوئی خطرہ ہو اسے فوراً گرفتار کرو (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۱۵)

اسی ناکہ بندی سے حضرت قیس بن مسہر اور عبداللہ بن یقطر گرفتار ہو کر شہید ہوئے۔ صحرائی عربوں سے جب امام حسین علیہ السلام نے حالات دریافت کئے تو انہوں نے کہا بخدا ہمیں کچھ معلوم نہیں سوائے اس کے کہ نہ ہم اندر جا سکتے ہیں اور نہ باہر نکل سکتے ہیں۔ اس پر امام حسین علیہ السلام شاہراہ سے ذرا ہٹ کر روانہ ہوئے۔

**منزل ۷ سراۃ** بطن عقیق سے روانہ ہو کر امام حسین علیہ السلام نے یہاں رات بسر کی صبح ہوئی تو حکم دیا کہ اس مقام سے پانی خوب بھر لو اور مشکوں اور چھاگلوں کو خوب پُر کر لو چنانچہ وفادار جانثار رفقاء نے اس حکم کی تعمیل کی۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی چشمہ تھا

اور پانی کثرت سے تھا۔ چونکہ اب آپ غیر معروف راستے سے روانہ ہوئے۔ جہاں پانی کے کسی طرح دستیاب ہونے کا امکان نہ تھا۔ جس طرح وہ شاہراہ پر ہو سکتا ہے۔ عرب کے ریگستانی اور بیابانی علاقے میں جہاں پانی کا ملنا دور دور تک ناممکن ہوتا ہے۔ پانی کا پہلے سے انتظام ہو جانا نہایت ضروری تھا۔

**منزل ۸ شراف** اس منزل میں ۶۱ھ کا ماہ محرم فلک پر نمودار ہوا۔

ع دیکھا ہلال ماہ محرم جو راہ میں تلوار پھر گئی شاہ دین کی نگاہ میں

ہمارے فرقہ ناجیہ میں ہلال محرم آغاز غم محرم کی علامت ہے۔ چنانچہ ہمارے سلسلۂ اساتذہ کے عظیم بزرگ حضرت شریف العلماء سید شریف حسین اعلیٰ اللہ مقامہ جب ہلال محرم دیکھتے تھے تو کثرت گریہ و بکا سے بیہوش ہو جاتے تھے۔ انہوں نے اسی واقعہ کی یادگار میں جو فارسی میں نظم لکھی ہے۔ اس کے دو شعر ہدیہ ناظرین ہیں۔ میرے حبیب لبیب سید آغا حسین ارسطو جاہی جو فارسی کے عظیم شاعر ہیں نے یہ نظم اپنے دیوان پہلوی کے ۵۲ صفحہ پر لکھی ہے۔

ع غم نامۂ ہلال محرم نظام ما آں آہ آتشیں بکمال دوام ما

یعنی محرم الحرام کی شب اوّل کا چاند ہماری تنظیم کا غم نامہ ہے۔ اس دن جو آتشیں آہ ہم سے نکلی ہے۔ وہ ہمارے ابدی کمال کی دلیل ہے۔ پھر دوسرے مقام پر دیوان کے صفحہ ۱۰۵ پر ہلال محرم شفق نامۂ سرخ کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

اے آسمان زگریۂ خونی بساط کن داغ جگر ز شعلہ رنگیں گداز کن

اے آسمان خون کے آنسو بہانے میں ہمارے ساتھ موافقت کر اس رنگین شعلے سے ہمارے جگر کے داغ کو پگھلا دے۔

از چشم خون فشاں لشفق زار کن نگاہ بر خاک کربلا و معلیٰ نماز خوا

خون برسانے والی آنکھ سے آسمان کے خونی شفق پر نظر کر اسے دیکھ کر کربلا معلیٰ کی خاک پر نماز پڑھ لیجیۓ۔

ذبح عظیم نعمت پروردگار من — ہے شاہد رسولِ خدا اعتبار من

ذبح عظیم ہمارے لئے میرے پروردگار کی نعمت ہے۔ وہ رسول خدا کے ایسے محبوب ہیں جو ہمارے بھروسے کا مقام ہیں

۶۱ھ کے یکم محرم کو امام حسین علیہ السلام کا قافلہ منزل شراف سے آگے بڑھ رہا تھا کہ ایک شخص نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ بیشک اللہ سب سے بڑا ہے مگر اس وقت تکبیر کہنے کی وجہ کیا ہے؟ اُس نے کہا مجھے کھجور کے درخت دکھلائی دیتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی آبادی نزدیک ہے۔ اس پر عبداللہ بن سلیم اسدی اور منذر بن مشعل اسدی نے کہا کہ اس جگہ تو کھجوروں کے درخت ہم نے کبھی نہیں دیکھے۔ سرکار شہادت نے فرمایا پھر تم ہی دیکھو کیا دکھلائی دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں گھوڑوں کی گردنیں اور نیزوں کی نوکیں نظر آتی ہیں۔ حضرت نے تصدیق فرمائی کہ میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔

**منزل ۹ ذوحسم** مخالف کی فوج کے آنے کا یقین کر کے سرکار سید الشہداء نے اپنے اصحاب سے دریافت فرمایا کہ آیا یہاں کوئی ایسا محفوظ مقام ہے جسے ہم اپنی پشت قرار دے کر دشمن کے سامنے کی جانب سے مقابلہ کریں یعنی اس جگہ پر جہاں چاروں طرف سے گھرنے کا امکان نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے بائیں پہلو پر ذوحسم پہاڑ موجود ہے اس کی طرف چلیں۔ اگر ہم دشمن سے پہلے پہنچ گئے تو مقصد حل ہو جائے گا۔ سرکار شہادت نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ اور آپ بائیں طرف متوجہ ہوئے آنے والی فوج نے دیکھا۔ تو اُس نے اُسی طرف کا رخ کیا مگر امام علیہ السلام وہاں پہلے پہنچ گئے۔ دشمن کی فوج کو دیکھتے ہی سراپا غیرت حسین نے عورتوں اور بچوں کو ذوحسم کے ٹیلے پر پہنچا دیا اور خود اپنے اصحاب کے ساتھ تلواریں حمائل کر کے کھڑے ہو گئے۔ امام حسین علیہ السلام کا یہ غیورانہ اقدام صنف نازک کے لئے پردے کی اہمیت کو ظاہر کر رہا ہے۔ اُس پردے کی اہمیت کو جو شرافت و نجابت، پاکیزگی اور عفت کا مستحکم قلعہ ہے اور جسے آج یورپ کی لادینی تہذیب اور لادینی تمدن مسمار کرنا چاہتا ہے۔ واقعات کربلا پڑھنے کے بعد کسی خاتون کا پردے

ترک کرنا واقعہ کربلا کے عدم عرفان کی دلیل ہے۔ سرکار سید الشہداء کا صف باندھ کر تلواریں سے کر
ٹرے ہونا حفظ ننگ و ناموس اور صیانت اہل و عیال کی عملی تعلیم ہے اور یہ ظاہر کر رہا ہے کہ
رد عورت کا نگہبان اور قوام ہے۔ اس میں یہ سبق بھی ہے کہ انسان جب بھی مصائب میں گرفتار
ر تو اُسے سب سے پہلے عزت و آبرو کی پاسداری کرنا چاہیئے۔

## ر کا فوج لے کر آنا اور امام کا بے مثال ایثار

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ ط (سورہ الحشر پارہ ۲۸ رکوع ۴ آیت ۹)

اور انہیں جب خود ضرورت ہو دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں

یہ حر ابن یزید ریاحی کا ایک ہزار کا لشکر تھا جو حضرت سید الشہداء کی راہ روکنے اور انہیں
محاصرہ میں لینے کے لئے آیا تھا۔ حر کا یہ لشکر پیاس سے جاں بلب تھا۔ اور اس بیابان میں کوسوں
پانی کا پتہ نہ تھا۔ دشمن کے ہانپتے ہوئے سوار اور گھوڑے امام کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے
ان کی پیاس کی شدت سراپا سوال تھی چونکہ امام حسین علیہ السلام ایک حساس دل رکھتے تھے۔ جس میں ہمدردی
لوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ چونکہ پیاسے دشمن کی پیاس رحمۃ للعالمین کے نواسہ کے لئے برداشت
کے قابل نہیں تھی۔ آپ نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ پوری فوج کو پوری طرح سیراب کر دو۔ حکم کی
دیر تھی کہ سراپا وفا اور فرمانبردار انصار حسینؑ نے دشمن کے لشکر کو سیراب کر دیا۔ اس واقعہ سے
خلق و مروت کا اثر جو مخالف لشکر کے سردار حرؑ کے دل پر پڑا۔ اس کا نتیجہ حرؑ کا عظیم الشان انقلاب
سیرت تھا جو دس محرم کو ثابت ہوا۔ جس نے جہنم کے کنارے کھڑے ہوئے انسانوں کو جنت کے
دروازہ پر پہنچا دیا۔ اور حیات جاوداں عطا کی۔ آپ کے اخلاق و مروت کا فوری اثر یہ ہوا کہ دشمن کے
لشکر نے امام علیہ السلام کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ امام علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو دشمن سے
خطاب کرنے کا موقع ملا۔

دوستوں سے مراعات و احسان کوئی غیر معمولی امر نہیں، یہ ہر معتدل فطرت انسانوں کا معمول ہے
مگر اُڑے وقت دشمن پر احسان کرنا اور اس کی ضرورت پر کام آنا ہر انسان کا کام نہیں، حرؑ کے

لشکر کو سیراب کر کے یہ سبق حسین علیہ السلام نے دیا ہے کہ حسینؑ اپنے کسی دشمن کے بھی دشمن نہیں تھے اور چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح نجات کے راستہ پر آجائے۔ امام کے اس فراخدلانہ سلوک کا ہی نتیجہ تھا کہ یزیدی فوج کے تیس۳۰ افراد دس محرم سے پہلے تائب ہو کر صراط مستقیم پر آگئے۔ اسی احسان کا اثر تھا جو حُر کی نجات کا سبب ہوا۔ ایسے بیابان میں جہاں کوسوں پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ پانی ختم ہو جانے کی صورت میں عزیز و اقارب، اہل و عیال خصوصاً چھوٹے چھوٹے بچوں کی پیاس کا اندیشہ اور پھر اپنی اس ضرورت پر دشمن کی ضرورت کو مقدم سمجھا ایثار و مہاسات کی وہ مثال ہے جو حسینی کردار کے سوا آپ کو کسی جگہ نہیں ملے گی۔

ضروریات حیات کا استعمال انسان کا فطری حق ہے۔ عصر حاضر میں تہذیب کی علمدار قومیں دشمن کی سپلائی لائن کو منقطع کر کے دشمن کی افواج بلکہ اس کی سول آبادی کو بھوک اور پیاس سے موت کے گھاٹ اتارتی ہیں۔ یہ دشمن کے مقابلے میں بزدلانہ اور خلاف انسانیت حربہ ہے۔ حسین علیہ السلام نے دشمن کو سیراب کر کے بتا دیا کہ ضروریات حیات کا استعمال ہر انسان کا فطری حق ہے۔ دشمن کو بھی اس حق سے محروم کرنا انسانیت کا شایانِ شان نہیں۔

امام حسینؑ کے اسی طرزِ عمل پر احتکار اور چور بازاری کرنے والوں کے لئے سبق ہے۔ جو ضروریات زندگی کو بیجا نفع اندوزی کے لئے بلاک کر کے انسانی ہلاکت کے اسباب پیدا کرتے ہیں

حُر اس بلندیٔ اخلاق کو دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ اس احسان کے بعد اس وقت اس بلند مرتبہ انسان سے اس طرح کی گفتگو کروں۔ امام نے بھی اپنے فطری اخلاق اور احسان کی وجہ سے اس وقت کچھ نہ پوچھا کہ کیوں آئے ہو اور کیا مطلب ہے؟

نماز ظہر و عصر حُر کے لشکروں نے انصار حسین کے ساتھ سرور سید الشہداء کی قیادت میں پڑھیں اور امام حسین علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو لشکر یزید کے سامنے تقاریر کرنے کا موقع ملا۔ ان تقریروں کو ہم مع شرح لکھ چکے ہیں۔ پھر حر سے گفتگو ہوئی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا تمہارا کیا مطلب ہے۔ حُر نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جاؤں۔ امامؑ نے

فرمایا خدا کی قسم یہ تو نہیں ہوگا تم میری موت کو اس سے قریب پاؤ گے حر اور امامؑ کے درمیان فیصلہ ہو گیا کہ حضرت نہ تو مدینہ مراجعت فرمائیں گے نہ کوفہ تشریف لے جائیں بلکہ ایک درمیانہ راستہ اختیار کیا گیا۔ جس پر حُر اور امام علیہ السلام اکٹھے سفر کر رہے تھے۔

منزل ۱۰ بیضہ | اس منزل میں جناب امام حسین علیہ السلام نے لشکر حر اور اپنے انصار کو خطاب فرمایا۔ اس تقریر کو بھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

منزل ۱۱ عذیب الہجانات | اس منزل پر امام حسینؑ اور حُر کے لشکر نے ایک تیر کے فاصلہ پر الگ الگ قیام کیا (الاخبار الطوال ص ۲۴۹)

منزل ۱۲ قصر بنی مقاتل | یہاں پر آپ نے اور لشکر حُر نے ہی ساتھ قیام کیا۔ قصر بنی مقاتل سے کچھ آگے بڑھے اور تھوڑا سا رستہ طے ہوا۔ اس وقت امام پر کچھ غنودگی طاری ہوئی۔ آنکھ کھلی تو آپ فرما رہے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ راجعون الحمد للّٰہ رب العالمین

## امامؑ اور حضرت علی اکبرؑ کا مکالمہ

دو تین دفعہ آپ نے یہی الفاظ دہرائے۔ تو اس وقت آپ کے فرزند شبیہ پیغمبر علی اکبر گھوڑا بڑھا کر آپ کے پاس آئے۔ اور یہی الفاظ اپنی زبان پر جاری کر کے دریافت کیا کہ اس وقت ان کلمات کے جاری فرمانے کا سبب کیا تھا؟ فرمایا میری آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے ایک سوار کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ تو راستہ طے کر رہے ہیں اور موت ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح ہماری موت کی اطلاع دی گئی ہے۔ شہزادے نے عرض کیا کیا بابا! خدا آپ کو رنج کی صورت نہ دکھائے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام نے فرمایا کیوں نہیں! یقیناً قسم اس خدا کی جس کی جانب تمام خلق کی بازگشت ہے۔ ہم حق پر ہیں تو ہمیں موت کی کیا پرواہ ہے۔ موت ہم پر آپڑے یا ہم موت پر جا پڑیں۔ امامؑ نے فرمایا۔ بیٹا خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ بہترین جزا جو کسی بیٹے کو باپ کی طرف سے مل سکتی ہو۔ یہ عزت نفس اطمینان قلب اور ثبات ضمیر کا عجیب موقع ہے۔

منزل ۱۳ نینوا | قافلہ برابر بڑھ رہا تھا اور حُر کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں تھی کہ کوفہ

سے ابن زیاد کا مکتوب آ پہنچا، نینوا کی سرزمین تھی۔ قاصد سرکارِ شہادت اور ان کے اصحاب و انصار کے پاس سے گزرا اور اس نے انہیں سلام کرنا ضروری نہ سمجھا آگے بڑھ کر حر اور اس کے ساتھیوں کو سلام کیا۔ ابن زیاد کا خط دیا اس میں لکھا تھا امام حسینؑ کو آگے نہ بڑھنے دو۔ انہیں ایسی جگہ ٹھہرنے پر مجبور کرو، جہاں آب و گیاہ موجود نہ ہو اور نہ کوئی جائے پناہ ہو، میں نے اپنے فرستادہ کو حکم دے دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ساتھ رہے اور تم سے جدا نہ ہو۔ جب تک میرے حکم کی تعمیل نہ ہو۔ اس خط سے ظاہر ہے کہ ابن زیاد کا بھروسہ اور اعتماد حر سے اٹھ چکا تھا۔

**حُرّ کی مجبوری** حر نے امام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا میں مجبور ہو گیا ہوں کہ آپ کو روکوں۔ سرکارِ شہادت نے اس پر صرف اتنا کہا اچھا پھر ہم کو اس قریہ میں قیام کرنے دو جس کا نام غاضریہ ہے یا دوسرے گاؤں میں جس کا نام شفیعہ یا اسقید ہے۔ مگر حر نے کہا مجھے اس کا بھی اختیار نہیں۔ مجھے تو حکم ہے کہ آپ کو چٹیل میدان میں اُتار دوں۔ اور یہ شخص مجھ پر نگران مقرر کیا گیا کہ میرے طرز عمل کی حکومت کو اطلاع دے یہ بات سُن کر انصار میں ایک جوش پیدا ہو گیا۔

**زہیر کا مشورہ** زہیر نے مشورہ دیا۔ فرزند رسول! آج ان سے جنگ کر لینا ہمارے لئے آسان ہے بہ نسبت ان لوگوں سے جنگ کے جو ان کے بعد آئیں گے۔ کیونکہ ان کے بعد فوجیں آئیں گی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا میں جنگ میں ابتدا کرنا نہیں چاہتا۔ امامؑ نے فرمایا اچھا کچھ دور ہمیں چلنے دو، حر خاموش رہا۔

**کربلا، ارض کرب و بلا، منزل مقصود** امام بائیں طرف مڑ کر تھوڑا سا چلے تھے کہ فوج یزید سامنے آ کر سدِّ راہ ہوئی امام نے اس سرزمین کا نام پوچھا معلوم ہوا اس کا نام کربلا ہے۔ فرمایا۔ اچھا کرب و بلا کی یہی منزل ہے۔ یہ کہہ کر آپ گھوڑے سے اُتر پڑے۔ (اخبار الطوال ص ۲۴۱) گھوڑے سے اُتر کر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| قفوا ولا تسیر جوا ! | بس ٹھہر جاؤ اور آگے نہ بڑھو |
| واللہ ھھنا موضع کرب وبلاء | بخدا یہ غم و مصیبت کا مقام ہے |

| | |
|---|---|
| واللہ ھٰھنا مناخ رکابنا | بخدا یہ ہماری سواریوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے |
| واللہ ھٰھنا محط رحالنا | بخدا یہ ہمارے سامان کے اترنے کی جگہ ہے |
| واللہ ھٰھنا مقتل رجالنا | بخدا یہاں ہمارے مردوں کو قتل کیا جائے گا |
| واللہ ھٰھنا مذبح اطفالنا | بخدا یہاں ہمارے بچے ذبح کئے جائیں گے |
| واللہ ھٰھنا مسفک دمائنا | بخدا یہاں ہمارے خون بہائے جائیں گے |
| واللہ ھٰھنا مہتک حریمنا | بخدا یہ ہماری ہتک حرمت کا مقام ہے |
| واللہ ھٰھنا منشرنا ومحشرنا | بخدا ہمیں یہاں سے بروز قیامت اٹھایا جائیگا۔ یہیں سے ہمارا حشر ونشر ہوگا۔ |

**سرزمین کربلا ۲ محرم الحرام کے واقعات** سرکار سید الشہداء ۲ محرم الحرام ۶۱ھ کو وارد کربلا ہوئے اس دن کے کچھ اہم واقعات یہ ہیں۔

**زمین کربلا کی خرید** امام عالیمقام کربلا پہنچے تو آپ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ کربلا کی زمین ساٹھ ہزار درہم سے خرید فرمائی۔ اب امام سرزمین کربلا کے قانوناً مالک تھے۔

دوسری بات زمین خریدنے کے بعد کرایہ کشوں کا کرایہ ادا کر کے انہیں رخصت کیا۔ سیدہ ام کلثوم صلوٰت اللہ علیہا نے عرض کیا بھائی جان یہ زمین ہولناک ہے، میرا دل بے چین ہے۔ اس پر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا جب میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ صفین کی طرف جا رہا تھا تو ہمارا گزر اس سرزمین سے ہوا۔ والد بزرگوار اس سرزمین پر وارد ہونے کے بعد میرے برادر معظم امام حسن علیہ السلام کی گود میں سر رکھ کر سو گئے، جب بیدار ہوئے تو رونا شروع کیا، میرے برادر حسن مجتبیٰ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ یہ صحرا خون کا سمندر بن گیا میرا لخت جگر حسینؑ اس دریائے خون میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور کوئی اس کی فریاد کو نہیں پہنچتا پھر مجھ سے فرمایا۔ فکیف تکون یا اباعبداللہ اذ وقعت ھٰھنا واقعۃ بیٹا حسین تیرا کیا حال ہوگا جب یہ واقعہ ظہور پذیر ہوگا، میں نے عرض کیا یا ابتاہ ستجدنی انشاء اللہ من الشاکرین

بابا جان آپ انشاء اللہ مجھے شکر گذار پائیں گے۔ ۲، محرم الحرام کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ ایک عرب آیا امام حسین علیہ السلام کے پاس سے گذر گیا اور حضرت کو سلام تک نہ کیا۔ حُر کے پاس پہنچا۔ ابن زیاد کا خط اس کو دیا۔ اس خط میں لکھا تھا۔ اے حُر جب میرا خط میرا قاصد لے کر تمہارے پاس پہنچے تو امام حسین علیہ السلام کو اتنا تنگ کرنا کہ وہ اسی بیابان آب و گیاہ میں اُترنے پر مجبور ہو جائیں۔ سرکار سید الشہداء چاہتے تھے کہ نینوا یا غاضریہ یا شفعیہ میں ٹھہریں اور اہل وعیال کو کسی بستی میں اُتار دیں۔ مگر حضور کو مجبور کیا گیا کہ آبادی سے دور کربلا میں اُتریں۔ حضرت نے اس سرزمین کی کچھ مٹی اُٹھائی اُسے سونگھا اور فرمایا ہمارے خون بہنے کا یہی مقام ہے۔

**۳، محرم الحرام** ۳، محرم کو سرزمین کربلا میں چار واقعات پیش آئے ہیں۔ ایک یہ کہ فرزند رسول نے خیمہ لگانے کا حکم دیا اور اہل بیت کے علاوہ تمام اصحاب و انصار کو اس خیمہ میں جمع کیا اور اس میں ایک مصلحت تھی کہ ان لوگوں کی وفاداری معلوم ہو جائے ان پر اتمام حجت بھی ہو جائے۔ لوگ اپنی بیعت بھی تازہ کرلیں۔ ان سب اصحاب کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ کے الفاظ یہ تھے۔ اے دوستو! دنیا مجھ سے پیٹھ پھیر چکی ہے۔ اگر تمہیں خیال ہو کہ مجھے ظاہری فتح ہوگی تو معاملہ اس سے گزر چکا ہے۔ کشتہ ہونے کے سوا چارہ نہیں۔ میں کسی کو دھوکا دینا نہیں چاہتا۔ جو کوئی فتح کی طمع اور دنیا کے لالچ میں آیا ہے۔ میں اُن سے اپنی بیعت کے حق کو اُٹھاتا ہوں۔ اب وہ خود سمجھ گئے کہ انجام کار کیا ہوگا

اللہ اللہ کیا اصحاب تھے کیسے وفادار تھے۔ اصحاب میں سے ہر ایک اُٹھا اور ہر ایک نے موقع و محل کے اعتبار سے ایسا جواب دیا۔ کہ جو وفا کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا رہے گا۔

تیسری تاریخ کو ایک دوسرا واقعہ ہوا امام انام خیمے میں تشریف فرما تھے کہ ہزار شاخہ تیر بارہ فرسخ کے فاصلے سے آیا اور امام مبین کے دل پر لگا۔ یہ تیر ایک خط تھا

جو ابن زیاد کی طرف سے امام حسین علیہ السلام کو لکھا گیا تھا۔ امام مظلوم اروحنالہ الفدا رنے اس لفافہ کو کھولا۔

اے دنیا تجھ پر تف ہو۔ دنیا کا فخر و غرور اس انتہا تک بھی پہنچا ہے کہ مرجانہ کا خبیث بیٹا شقی اولین و آخرین حجت خدا امام زماں فرزند رسول کو اس طرح لکھتا ہے۔

**ابن زیاد کا خط** اما بعد یا حسین قد بلغنی ورودک بکربلا وکتب الیّ یزید (لعنۃ اللہ علیہ) ان لا اتوسد و سید ادلا اشرب الخمیر الی اخرہ ماکتب اللعین

اے حسین! اس ملعون کو حضور کے کربلا میں وارد ہونے کی خبر پہنچی ہے اور اس ملعون کو امیر الفاسقین یزید لعنۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ ملعون بالین پر تکیہ لگا کر نہ بیٹھے اور اتنے تک شراب نہ پئے سیر ہو کر روٹی نہ کھائے جب تک ......... تا آخر جو کچھ اس لعین نے لکھا۔ سرکار سید الشہدا نے اس خط کا مطالعہ فرمایا۔ فرزند رسول پر ایک تغیّر کی کیفیت غم و غصہ رونما ہوا خط کو پھینک دیا۔ قاصد نے عرض کیا اس خط کا جواب عطا فرمایئے۔ حضور نے فرمایا میرے پاس اس خط کا کوئی جواب نہیں ہے۔ قد حقت کلمۃ العذاب اس شخص کے لئے کلمہ عذاب سزاوار ہے۔ ۳ر محرم الحرام کو تیسرا واقعہ یہ ہوا کہ حصین بن نمیر چند ہزار فوجیوں کے ساتھ وارد کربلا ہوا۔ یزید بن رکاب کلبی بھی چند ہزار سوار ہمراہ لایا۔ ۳ر تاریخ کو جو کام آنحضرت نے کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میدان کربلا میں ایک مجلس عزا بپا فرمائی۔ آنحضرت خیمے میں تشریف لے گئے۔ آواز دی کہ آنحضرت کے اہلبیت آپ کی اولاد سب ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ جبکہ سب جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا عورتیں بھی آئیں اور اس خیمے کے تلے بیٹھ جائیں۔ وہ بھی آئیں اور بیٹھ گئیں سوائے اہل بیت کے اس خیمے میں کوئی اور نہ تھا۔ اصل حدیث جو اس مجلس میں واقع ہوئی وہ صرف دو کلمے ہیں۔ فنظر الیھم وبکیٰ ساعۃً حضرت نے ان کی طرف دیکھا۔ یعنی پہلے نظر کی پھر ایک گھنٹہ تک روتے رہے۔ جب حضرت کی آواز گریہ بلند ہوئی ہو گی تو سب نے گریہ و بکا کیا

ہو گا۔ تیسری محرم کا واقعہ یہ ہے کہ عمر سعد چار ہزار کا لشکر لے کر کربلا میں پہنچ گیا۔ وہ اس عہدے کو قبول کرنے کے لئے سوچ رہا تھا۔ وہ اپنے مشیروں سے مشورہ کر رہا تھا۔ جن میں سے ہر ایک نے اُسے اس اقدام کے خلاف مشورہ دیا تھا۔ سچے مشیروں کے مشوروں کے مقابلہ میں جاہ طلبی کا جذبہ رہ رہ کر حکومت "رے" کا تصور پیش کر رہا تھا۔ وہ دماغی کشمکش میں مبتلا تھا۔ جسے شب کے تاریک پردے میں اُسے یہ اشعار ظاہر کر رہے ہیں۔

اترک ملك الرأی والرأیُ رغبة ۔۔۔ ام ارجع مذموماً بقتل حسینی

وَفِی قتلِهِ النّار الّتی لیس دونها ۔۔۔ حجابٌ وملك الرأی قرأة عینی

کیا میں رای کی حکومت چھوڑ دوں۔ درحالانکہ وہ مجھے دل سے پسند ہے یا میں حسین کو قتل کر کے تحرک مذمت میں گرفتار ہوں۔ اُن کو قتل کرنے میں دوزخ کی آگ ہے اور رای کا ملک میری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہے۔

(کتاب البلدان علامہ ابن الفقیہ صفحہ ۲۷۲)

**۴ محرم الحرام** عمر بن سعد نے ۴ محرم الحرام کو کربلا پہنچ کر معاملات کے رد باصلاح لانے کی سعی شروع کی۔ اُس نے عروہ بن قیس غامیمی کو بلا کر کہا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے پاس جا کر آپ کے مقصد اور نصب العین اور نقطۂ نظر کو معلوم کرے کیونکہ وہ اُن سات آدمیوں میں سے تھا جنہوں نے سب سے آخر امام حسین علیہ السلام کو کوفے سے دعوتی خطوط لکھے تھے۔ اُس نے شرمساری سے بچنے کے لئے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ یہ لوگ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے سے گھبراتے تھے۔ آخر کثیر بن عبداللہ شعبی جو ایک درشت خو سخت مزاج انسان تھا۔ وہ کہتا ہوا سامنے آیا کہ میں جانے پر تیار ہوں۔ بلکہ اگر مجھے حسینؑ کے قتل کرنے کا بھی حکم ہو تو میں اس مہم کو انجام دوں گا۔ عمر بن سعد نے کہا یہ ہمیں منظور نہیں تم بس جا کر صرف اتنا دریافت کرو کہ آپ اس ملک میں آئے کس لئے ہیں؟

**وفاءِ ابوثمامہ** کثیر بن عبداللہ لشکرِ امام کی طرف روانہ ہُوا۔ بہادر اور مخلص ابوثمامہ صائدی جو شاید اس وقت خیمہ امام پر پہرہ دے رہے تھے۔ اُنہوں نے دور سے دیکھ لیا۔ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کی طرف بڑا پُرجگر لیکن بدترین خلق' سفاک اور خونریز شخص آرہا ہے۔ اُس کے بعد واپس آئے اور کثیر کو روک کر ہتھیار کھول کر رکھ دینے کا مطالبہ کیا۔ اُس نے کہا نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ میں پیغام لے کر آیا ہوں۔ اگر تم اُس پیغام کو سنو تو میں کہہ دوں نہیں تو واپس جاؤں۔ ابوثمامہ کو کسی طرح گوارا نہ ہُوا کہ کوئی مسلح ہتھیار بند مخالف آدمی امام کے پاس جائے۔ آخر ابوثمامہ نے کہا کہ امام کے حضور میں حاضر ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ میں تمہاری تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھے رہوں گا۔ اس طرح تمہیں امام انام کی خدمت میں لے جاؤں گا۔ اس سراپا شیطان نے کسی طرح نہ مانا۔ اور کہا ہرگز نہیں تم میری تلوار کو ہاتھ بھی نہ لگانے پاؤ گے۔ ابوثمامہ صائدی نے کہا کہ پھر تیسری صورت یہ ہے کہ تم اپنا پیغام مجھ سے کہہ دو میں اس کا جواب لے آؤں گا۔ مگر اسلحہ پہنے ہوئے تمہیں امام کے پاس نہیں جانے دوں گا۔ آخر اُن میں سخت کلامی ہوئی۔ کثیر واپس چلا گیا اور عمر بن سعد کو مطلع کیا۔ عمر سعد نے قرہ بن قیس حنظلی کو دوسرا قاصد بنا کر بھیجا وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں تسلیم بجا لایا اور عمر بن سعد کا پیغام پہنچایا۔ وہی کہ آپ کی تشریف آوری کا مقصد کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا مجھے تمہارے شہر کے لوگوں نے لکھا تھا کہ میں آؤں لیکن اب چونکہ وہ میرا آنا ناپسند کرتے ہیں تو میں واپس چلا جاؤں گا جواب بالکل صاف تھا۔ قاصد واپس جانے لگا تو حبیب بن مظاہر کو تبلیغ کا موقع مل گیا کہنے لگے بُرے قرہ بن قیس تم ظالم جماعت کی طرف کیا واپس جاتے ہو۔ آؤ اس مظلوم فرزند رسول کی مدد کرو۔ جن کی بدولت تمہاری اور ہماری ہدایت ہوئی۔ لیکن قرہ نے کہا میں پیغام کا جواب دے آؤں پھر آؤں گا۔ عمر بن سعد سے امام علیہ السلام کا پُورا جواب بیان کر دیا۔ عمر سعد نے یہ پیغام ابن زیاد کو بھیج دیا۔ ابن زیاد کو اس کا مضمون دیکھ کر بڑا غصہ

میں آگیا سمجھا کہ اتنی فوج حسین کو مرعوب کرنے کے لئے کافی نہیں ہوئی۔ اس لئے اُس نے فوج بڑھانا شروع کی۔ فوج بڑھانے کے جو انتظامات کئے وہ تاریخ میں درج ہیں۔ حُر کا لشکر ایک ہزار عمر سعد کی فوج چار ہزار، حصین بن نمیر کی فوج چار ہزار، یزید بن رکاب کلبی کی فوج دو ہزار مازکی فوج تین ہزار، نصر کی فوج دو ہزار اس طرح دوسرے شامل ہونے والوں سمیت کل افواج کی تعداد تیس ہزار ہوئی۔

**۵ محرم الحرام** ۵ محرم الحرام کو امام حسین علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کو دائمی عذاب سے بچنے کا ایک آخری موقع دینے کے لئے عمر بن سعد کو ایک نجی گفتگو کی دعوت دی جسے عمر بن سعد نے قبول کیا۔ حسین علیہ السلام اور عمر بن سعد اپنے اپنے خیموں سے نکل کر تیس تیس ہمراہیوں کے ساتھ ایک دوسرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جب ایک دوسرے کے پاس پہنچے تو ہمراہی ٹھہر گئے۔ سپاہ سالار ملے۔ گھوڑوں سے اُترے اور بہت دیر تک مصروف گفتگو رہے۔ ان کے ہمراہی کچھ سُن تو نہیں سکتے تھے۔ مگر وہ منتظر تھے کہ دیکھیں اس گفتگو کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ لیکن ان میں سے صحیح طور پر کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کیا گفتگو ہوئی اِس شہید اعظم کی یہ آخری اپیل جبر و تشدد کی قوتوں کے سامنے تاریخ کے طالب علم کے لئے ایک راز ہی رہے گی۔ عمر بن سعد نے ابن زیاد کے ساتھ خط و کتابت کی کہ کسی طرح معاملہ ٹھیک ہو جائے۔ مگر یہ ہو نہ سکا۔

**۶ محرم الحرام** حضرت حبیب بن مظاہر نے امام مظلوم کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں اپنے قبیلے بنی اسد میں جا کر دعوتِ جہاد دوں۔ اِمام حسین علیہ السلام نے اجازت دی۔ حبیب بن مظاہر کے ساتھ بنی اسد کے نوے آدمی روانہ ہو پڑے جب عمر بن سعد کو پتہ چلا تو اُس نے ازرق شامی کی کمان میں چار سو آدمی ان کو روکنے کے لئے بھیج دیئے۔ ابھی تک حبیب بن مظاہر خدمت امامؑ میں نہیں پہنچے تھے کہ لشکر یزید نے ازرق شامی کی کمان میں راہ روک لیا۔ دریائے فرات کے کنارے لڑنے کا

ارادہ کیا۔ اس وقت حبیب بن مظاہر نے آواز دی۔ اے ازرق والے ہو تجھ پہ اپنے لشکر میں لوٹ جا اور راستے کو چھوڑ دے تاکہ ہم اپنے امام کی خدمت میں پہنچ جائیں، ملعون نے قبول نہ کیا۔ جب بنی اسد ان کی تاب نہ لا سکے۔ تو ناچار اپنے قبیلے کی طرف پھر گئے۔ حبیب بن مظاہر نے امام علیہ السلام کی خدمت میں آکر سب حالات عرض کئے۔ حضرت نے فرمایا۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ

**۷ محرم الحرام** فوجوں کی طاقت بڑھانے کے بعد بھی جب حسین اور اُن کے ساتھی خوفزدہ اور متاثر نہیں ہو سکے تو ایک بے پناہ اقدام کیا گیا۔ اور وہ یہ کہ حسین اور اُن کے ساتھیوں پر پانی بند کر دیا۔ فرات کے گھاٹوں کو تقریباً نصف فرسخ تک نیزہ بردار سواروں نے اپنے احاطہ میں لے لیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ابن زیاد ملعون نے عمر بن سعد ملعون کو لکھا تھا کہ حل بین الماء والحسین واصحابہ۔ اب تم پانی اور حسین واصحاب حسین کے درمیان اس طرح سے حائل ہو جاؤ کہ اُن تک ایک قطرہ پانی کا نہ جانے پائے۔

**بندش آب** عمر سعد نے یہ خط دیکھتے ہی عمر بن حجاج زبیدی کو پانچ سو فوجی سواروں کے ساتھ گھاٹ پر متقرر کر دیا۔ ایک قطرہ پانی کا حسین اور اصحاب حسین تک پہنچنے نہ پائے دنیوری نے تصریح کی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے۔ (الاخبار الطوال صفحہ ۲۵۳)

امام حسین علیہ السلام کے خیمے میں جو پیاسے موجود تھے، اُن میں تین امام تھے۔ امام حسین علیہ السلام۔ سید سجاد امام زین العابدین علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام علاوہ ازیں امام زادے تھے، اصحاب امام حسین علیہ السلام تھے۔ کچھ ایسی عورتیں تھیں، جن کی گود میں شیر خوار بچے تھے اور پیاس کی وجہ سے اُن کا دودھ خشک ہو چکا تھا۔

**۸ محرم الحرام** ۸ محرم الحرام کو افواج یزید نے امام حسین علیہ السلام پر محاصرہ سخت کر دیا لشکر یزید دوسری محرم سے ۸ محرم تک صبح و شام برابر آتا رہا۔ کل عبیداللہ بن زیاد نے

عمر بن سعد کے نام خط لکھا تھا:

## انی لم اجعل لک عذراً - فی کثرۃ الخیل والرجال

وہ ملعون لکھتا ہے کہ میں نے تیرے لئے پیادوں اور سواروں کی کثرت کے لحاظ سے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ لشکروں کا کام امام حسین علیہ السلام کو محاصرے میں لینا تھا۔ اُنہوں نے امام مبین کو گھیرا میں لے لیا یہ محاصرہ ایسا سخت تھا کہ اس پر حرؑ نے کہہ دیا تھا تم نے اس بندۂ خدا کو بلایا۔ اب اسے اس طرح محاصرے میں لے لیا ہے کہ ان پر سانس لینے کی راہیں بھی بند ہیں۔ اس قدر تشدد ہے جسے جناب حرؑ نے ان الفاظ میں بیان کیا۔ اخذتم بنفسہ کہ تم نے ان پر سانس لینے کا رستہ بھی بند کر دیا ہے۔ یہ تمام محاصرہ اس لئے ہے کہ کوئی شخص امام مظلوم تک نہ پہنچ سکے۔ اس سے بڑھ کر یہ غرض تھی کہ آنحضرت خود بھی کسی جگہ نہ جا سکیں

**۹ محرم الحرام** نویں محرم کی شام ہونے نہیں پائی تھی کہ امام حسین علیہ السلام پر حملہ کر دیا گیا یہ حملہ بالکل بے اطلاع تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام عصر کی نماز کے بعد خیمے کے دروازے پر تلوار کا سہارا لئے گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھے تھے۔ غنودگی کی حالت تھی ایک مرتبہ گھوڑوں کی ٹاپوں اور فوج کے غُل کی آواز، دکھیا بہن جناب زینب سلام اللہ علیہا کے کان تک پہنچی آپ گھبرا کر امام حسین علیہ السلام کے پاس آگئیں اور عرض کیا کہ دُشمن کے لشکر کی آوازیں بہت نزدیک سے آرہی ہیں، آپ متوجہ ہوئے اور فرمایا میں نے ابھی رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا ہے۔ فرما رہے تھے کہ تو عنقریب ہمارے پاس آنا چاہتا ہے۔ اچانک حملے کی وجہ سے دکھیا بی بی جناب زینب سلام اللہ علیہا کا دل دہلا ہوا تھا۔ اب جو بھائی نے یہ خواب بیان کیا تو عالیہ بی بی مضطرب ہوگئیں اور کہا ارے غضب امام نے سن کر تسکین دی اور فرمایا بہن غضب تمہارے دشمنوں کے لئے ہو، خاموش رہو خدا مالک ہے ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت عباس بھی قریب پہنچ گئے اور کہا آقا لشکر آگیا، یہ سن کر سرکار شہادت اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا بھائی عباس میری جان تجھ پر فدا ہو

ہوجاؤ اور اُن کے پاس جاؤ۔ اور اُن سے پوچھو کہ اس وقت نئی بات کیا پیدا ہوئی۔ تمہارے طرزِ عمل میں تبدیلی کیوں ہوئی اور اس بے وقت حملے کا سبب کیا ہے۔ سرکار وفا عباس بیس سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ نے جاکر دریافت کیا۔ تمہاری رائے میں کیوں تبدیلی ہوئی۔ اب تم کیا چاہتے ہو جواب ملا امیر ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ تم لوگوں سے اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا جائے اور اگر تم انکار کرو تو پھر جنگ ہے۔ آپ نے فرمایا تو پھر جلدی نہ کرو۔ میں امام علیہ السلام کے پاس جاکر تمہارا مطالبہ پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ جو فرمائیں گے اُسے آکر تمہارے سامنے بیان کردوں گا۔ جناب عباس گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے جناب امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ کو واقعہ سے مطلع کریں۔ اُن کے واپس آنے تک زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر لشکر یزید کے سامنے تقریریں کرتے رہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو ادا کرتے رہے۔ اتنے میں جناب عباس واپس آگئے اور فرمایا امام نے ایک رات کی مہلت مانگی ہے۔ تاکہ وہ خدا کی عبادت کرلیں۔ صبح کو دیکھا جائے گا۔ عمر سعد اپنے لئے شمر کی موجودگی کو انتہائی خطرناک سمجھتا تھا۔ اس لئے اب وہ امام حسین علیہ السلام کے معاملے میں خواہ مخواہ بھی تشدد سے کام لینا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ شمر کی طرف متوجہ ہوا تمہاری کیا رائے ہے۔ اُس نے کہا جو آپ کی رائے افسر آپ ہیں۔ اور آپ کی رائے معتبر ہے۔ وہ یہ سمجھا کہ شمر کا یہ فقرہ اس کا دل لینے کے لئے۔ اس لئے اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ مہلت نہ دی جائے۔ لیکن اصل میں اس کا ضمیر اس کے خلاف تھا۔ اب وہ دوسرے لشکر کے سرداروں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ عمر بن حجاج زبیدی نے کہا سبحان اللہ اگر یہ لوگ قبیلہ ترک و دیلم سے بھی ہوتے اور رات کی مراعات کے طالب ہوتے تو تم کو ان کے ساتھ یہ مراعات لازم تھی۔ قیس بن اشعث نے بھی یہ مشورہ دیا کہ مہلت دینی چاہیئے۔ آخر ایک شب کی مہلت مل گئی۔ اور بڑھی ہوئی حملہ آور فوج پیچھے ہٹ کر واپس ہوئی۔

# منزل نمبر ۱۳

## سورہ والفجر اور والعصر کی تفسیر

والفجر ولیالٍ وعشر۔ (سورہ والفجر پہلی آیت پارہ ۳۰)

قرآن پر تدبر کرنے سے معلوم ہوا کہ فجر کا اہم ذکر قرآن مجید میں تین مقام پر ہے۔ پہلا مقام
وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ
الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔ (سورہ البقرہ آیت ۱۸۷ پارہ ۲ رکوع ۷)
اللہ تعالےٰ سحر کو ختم کرنے اور روزے کو شروع کرنے کے وقت کا تعین ان الفاظ
کر رہا ہے: کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ سپیدہ صبح شب کی سیاہی سے الگ نمایاں ہو جا
اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیہ مبارکہ صوم یا روزے سے تعلق رکھتی ہے۔ پھر دوسرے مقا
پر فجر کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ
الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (آیت ۸، پ ۱۵ ع ۹)
نماز کو قائم کرو۔ زوال آفتاب سے آدھی رات تک پڑھ لیا کرو۔ اور صبح کا قرآن (نماز
بیشک صبح کے قرآن (نماز) کے بارے میں گواہی دی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت
میں جو فجر کی لفظ ہے۔ اس میں نماز کا ذکر اور اس کے وقت کا تعین ہے۔ ان دونوں آیتوں کو اک
کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نماز و روزے کی اہمیت اللہ کو منظور ہے اور تیسری فجر۔ فجر روز عاشو
ہے۔ امام حسین علیہ السلام جس حق و باطل کے تصادم کی مہم کو شروع کرنا چاہتے تھے۔ اس
کے لئے اللہ سے استعانت کو یعنی طلب مدد کو ضروری سمجھتے تھے۔ طلب اعانت کے متعل
قرآن مجید میں دو آیتیں موجود ہیں۔ پہلی آیت يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا

بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ہ

(سورہ بقرہ آیت ۱۵۳ پارہ ۲ رکوع ۳)

اللہ فرماتا ہے کہ اے ایمان والو اللہ کی اعانت نماز اور روزے کے ذریعہ سے طلب کرو۔ اللہ تعالےٰ صابروں کے ساتھ ہے۔ اس آیت سے استعانت کے لئے تین امور مقرر ہیں روزہ، نماز اور صبر۔ آیت کے شروع میں صبر سے مراد روزہ ہے۔ اس پر شیعہ اور سُنّی دونوں متحد ہیں۔ بھوک اور پیاس بھی صبر چاہتی ہے۔ سرکار رسالت کو بھی صبر سے متعلق اعانت کے لئے ان الفاظ میں مخاطب کیا گیا ہے۔ و اصبر وما صبرک الا باللہ (سورہ النحل آیت ۱۲۷ پارہ ۱۴ رکوع ۲۲)

تیرا صبر نہیں ہے۔ مگر اللہ پر اسی صبر کے متعلق سرکار رسالت کو ان الفاظ میں بھی خطاب ہوا ہے فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل (سورہ الاحقاف ایت ۳۵ پارہ ۲۶ ع ۴)

اے حبیب صبر کرو جیسا کہ اولی العزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔ جس صبر کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ وہ امام حسین علیہ السلام کا تین دن کا عدیم المثال روزہ بھی ہے اور نماز بھی اس شان سے ہے کہ اُس کی مثال دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے۔ پھر اسی استعانت کا ایک اور آیت میں ذکر ہے۔ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ہ (سورہ بقرہ آیت ۴۵ پ ۱ ع ۵)

روزہ اور نماز کے ساتھ ہم سے مدد مانگو اور اس میں شک نہیں کہ نماز سب پر بھاری ہے سوائے اُن لوگوں کے جو اللہ سے خشوع کرنے والے ہیں یعنی اللہ سے خوف کرنے والے ہیں اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ نماز خدا سے روگردان انسانوں پر بہت گراں گزرتی ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے جن حالات میں نماز ادا کی ہے۔ اس سے بھی تاریخ عالم خاموش ہے۔ صبر کے متعلق ایک اور مقام پر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون (سورہ بقرہ پ ۲ آیت ۱۵۶ ع ۳)

ایسے لوگوں کو خوشخبری دے دو جو ایسی حالت میں صبر کرتے ہیں۔ جب اُن پر کوئی

مصیبت پڑی تو اُنہوں نے کہا ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف بازگشت ہے۔ امام حسین علیہ السلام کے مصائب ایسے تھے کہ کوئی انسان ایسا نظر نہیں آتا جس کے مصائب کو حسین علیہ السلام سے کوئی نسبت ہو۔ ان انتہائی مصائب میں آپ کے لبہائے مبارک پر ہمیشہ یہ فقرہ جاری رہا ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُس کی طرف ہماری بازگشت ہے۔

**نماز کی اہمیت** نماز کی اہمیت کے متعلق حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین فان خفتم فرجالاً اور کباناً۔

(سورہ البقرہ آیت ۲۳۸ پارہ ۲ رکوع ۱۵)

کل نمازوں کی حفاظت کرو۔ خاص کر نماز وسطیٰ کی اور خدا کے حضور میں کھڑے ہوئے دعاء قنوت پڑھو۔ اگر تم کو خوف ہو تو پیدل چلتے چلتے یا سواری کی حالت میں ادا کرو۔ امام حسینؑ نے تمام عمر جس طرح نمازوں کی حفاظت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خصوصیت سے نماز وسطیٰ کی حفاظت کرو۔ نماز وسطیٰ کے تعین میں اختلاف ہے۔ مگر دو قول اس میں ہیں بعض نے کہا کہ صلوۃ وسطیٰ نماز فجر ہے۔ دو رات کی نمازیں نماز مغرب و عشاء اور دو دن کی نمازیں نماز ظہر و عصر بعض نے کہا ہے کہ وہ نماز عصر ہے۔ دو صبح اور ظہر کی نماز اور دو مغرب اور عشاء کی نماز اور ان چار کے درمیان عصر کی نماز ہے۔ اب ہم نے جن چیزوں کو اجمال کے طور پر بیان کیا ہے۔ ان کو توضیح اور تفصیل سے بیان کریں گے۔

خداوند عالم نے جو والفجر ولیال عشر کہہ کر صبح عاشور اور محرم کی دس راتوں کی قسم کھائی ہے۔ اُس کے متعلق عرض ہے۔

**اذان صبح** شب عاشور تکبیر و تہلیل رکوع و سجود۔ تمجید و استعانت استغفار و تلاوت، اذکار و اوراد و وظائف میں کٹی جب سپیدۂ صبح نمودار ہوا۔ نگہبان عبادت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بیٹے علی اکبر ہمشکل پیغمبر سے کہا بیٹا آج تم اذان دو۔ اگرچہ لشکر حسینی کے مؤذن حجاج بن مسروق جعفی تھے۔ حضرت علی اکبر کو حکم دینے کی یہ وجہ تھی۔ کیونکہ علی اکبر خلق، خُلق اور نُطق میں

رسول اللہ سے نہایت ہی مشابہ تھے۔ اس کی غرض یہ تھی کہ حضرت علی اکبر کی آواز میں یہ سمجھا دیا جائے
کہ یہ خاندان رسالت کے مقابلہ میں صف آرائی ہے۔

ع ہر حال بلبل چہک رہا تھا ریاض رسول میں

انتہائی خشوع و خضوع سے نماز صبح ادا کی گئی۔ سرکار شہادت نے بارگاہ احدیت میں دعا کے
لئے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی

قوجہا۔ میرے اللہ تو میرا سہارا ہے۔ ہر تکلیف میں اور میرا قبلۂ اُمید ہے۔ ہر سختی میں
اور تجھی پر مجھے ہر مہم میں جو درپیش ہو بھروسہ ہے۔ کتنے صدمے ایسے ہیں۔ جن کے برداشت
کرنے سے دل کمزور ہوتا ہے اور حیل و تدبیر کی راہیں بند نظر آتی ہیں۔ ان میں دوست ساتھ چھوڑ
دیتے ہیں۔ اور دشمن اُن میں طعنہ زنی کرنے لگتے ہیں۔ میں اُن کو تیرے حضور میں پیش کرتا ہوں
اس لئے میں تجھے چھوڑ کر کسی اور سے دِل کو لگاتا ہی نہیں جانتا۔ کیونکہ تو ہی اس تکلیف کو دور
کرتا اور اُس کا تدارک کرتا ہے۔ یقیناً تو ہی ہر نعمت کا مالک ہے اور ہر احسان کا مرکز
اور ہر مطلب کے لئے تو ہی آخری جائے پناہ ہے۔

**روحانی مسرت** انسانی نفسیات کے معیار پر کہا جا سکتا ہے کہ اس فجر کو اس صبح کے
وقت اصحاب حسینؑ پر سخت خوف و ہراس کا عالم طاری ہوگا۔ جہاں تک نظر جاتی ہوگی۔ دشمن
کی فوجوں کا عظیم سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہوگا۔ اس میں اپنی ہستی حباب کی طرح نظر آتی
ہوگی۔ مگر ایسا نہیں ہرگز نہیں۔ ان کے دِل اطمینان و سکون سے معمور تھے۔ ان کے دماغوں
میں طمانیت بھری تھی۔ ان کے سینوں میں خوشی اور مسرت کی لہریں اٹھتی تھیں۔ ان کے چہرے
فرحت اور انبساط سے چمک رہے تھے۔ اس قدر خوش نظر آرہے تھے۔ ایسی پُر مذاق باتیں
کبھی نہ کرتے تھے۔ جیسے آج کر رہے تھے۔

**بریر کا عبدالرحمٰن سے دل لگی کرنا** خیام اہل بیت کے دو نگہبان جو نہایت مخلص تھے
عبدالرحمٰن بن عبدربہ انصاری اور بریر ہمدانی در آل محمد پر بیٹھے دشمن کی تیاریاں دیکھ رہے تھے

حالت یہ تھی کہ دونوں دوستوں کی طرح شانہ سے شانہ ملاکے بیٹھے تھے۔ اسی حالت میں بریر نے عبدالرحمٰن سے کچھ دل لگی کی عبدالرحمٰن نے کہا ان باتوں کو چھوڑیئے یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں بریر نے کہا خدا کی قسم! میری قوم و قبیلہ والے اس بات کو جانتے ہیں کہ میں نے جوانی اور بڑھاپے میں کبھی اس طرح کی مذاق کی باتوں کو پسند نہیں کیا۔ مگر اس وقت اپنے مستقبل کے سبب خوشی ہے۔ خدا کی قسم ہمارے اور جنت کے درمیان میں اتنا فاصلہ ہے کہ یہ لوگ تلواریں لے کر ہم پر ٹوٹ پڑیں اور مجھے تو تمنا ہے کہ کسی طرح یہ وقت جلد آئے کہ ان کی تلواریں ہم پر پڑنے لگیں۔ حوران جنت ہمارے استقبال کے لئے موجود ہیں۔

بیشک یہ اپنی حقانیت پر اعتماد اور اُخروی کامیابی کے کامل یقین کا نتیجہ ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو کمزوریوں میں طاقت پیدا کرتی ہے اور مایوسیوں کی تاریکیوں میں اُمید کی شمع روشن کرتی ہے۔ ایسی فجر کی قسم سرکار احدیت اللہ کے شایان شان ہے۔ جس میں اس کے دین کی صیانت وحفاظت کے لئے ایسی موت کی تمنائی جماعت موجود ہو جو دین کی بقا کے لئے خوشی اور مسرت سے اپنی جانیں قربان کر رہی ہو

## نظم

یادِ حق میں یہ جماعت ہے آخر ڈوبی ہوئی — اس طرف بھی دیر سے دروازۂ رحمت ہے باز
غازۂ خاک تیمم چہرہ ہائے پاک پر — بارگاہِ قدس میں حاضر حسینانِ حجاز
کانپتا عشق الٰہی میں ان کا بند بند — وہ جماعت ہے کہ جس پر ناز کرتی ہے نماز
دوڑتی ہے خود اجابت جس کے استقبال کو — جب دُعا کے واسطے یہ ہاتھ کرتے ہیں دراز

اس فجر کو جس کی خدا قسم کھاتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کے تصورات و افکار کی ترجمانی شاعر نے خوب کی ہے۔ گو سرکار شہادت زبانِ حال سے بارگاہ احدیت میں بصد عجز و نیاز عرض کر رہے تھے۔

ہائے کس حزن و قلق سے عرض کرتے ہیں حسینؑ — اے میرے معبود رب پاک ذات و کارساز

آہ وہ اسلام وہ دین تم نے جسے کامل کیا — آہ وہ اخلاق جس پر تھا مسلمانوں کو ناز
وہ حقائق و معارف و صداقت وہ صفا — کر گئے دل جس سے روشن خواجۂ عالم نواز
اب چڑھائی ان پہ ہے فسق و فجور زور کی — ڈوبتا ہے آہ اب اسلام کا تیرے جہاز
پار یہ بیڑا لگانے والی تیری ذات ہے — اس غریب و فاقہ کش کی لاج تیرے ہاتھ ہے

بہر کیف حسین علیہ السلام اس حق و باطل کے تصادم میں طلب اعانت کر رہے تھے۔ وہ انہی ذرائع سے تھی جو قرآن حکیم نے استعانت کے لئے بیان فرمائے ہیں۔ اور ہم انہیں ذکر کر چکے ہیں۔ اب اُن اجمال کی تفصیل یہ ہے واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللّٰہ مع الصابرین پہلے صبر سے مراد روزہ ہے اور دوسرے صبر سے مراد مصائب پر صبر کرنا۔ یعنی روزہ اور نماز اور مصائب پر صبر کرنے سے خدا سے اعانت طلب کرو۔ صبر سے مراد روزہ بھی اس لئے ہے کہ وہ بھوک اور پیاس پر صبر ہے۔ بھوک اور پیاس پر امام حسین علیہ السلام ان کے اصحاب و انصار ان کے اعزہ و اقارب اور ان کے بچوں نے یہاں تک کہ شیر خوار علی اصغر نے بھوک اور پیاس میں جس طرح اس یگانہ روزے کو انجام دیا۔ اُس کی مثال تاریخ میں مفقود ہے اور مصائب پر صبر بھی وہ حسینی صبر ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ تو اُن کے ایسے مصائب ہیں جن سے امام حسین علیہ السلام کو دوچار ہونا پڑا۔ مثلاً وطن کے ترک کرنے اور مدینے سے نکالے جانے پر صبر کیا جبکہ مدینے کو چھوڑنا جس قدر آپ کو ناگوار تھا۔ وہ ظاہر ہے۔ سفر میں امت کی بے رخی اور لاپرواہی اور عدم اعانت پر صبر کیا۔ بلد الامین مکہ معظمہ میں پہنچے جہاں پر انسان تو انسان حیوانات اور نباتات کے لئے بھی امن ہے اور ایسے مامن میں آپ کو امن نہ ملا۔ صبر کیا حج جیسی عبادت کو چھوڑنے پر صبر کیا۔ ضروریات زندگی حتیٰ کہ پانی جیسی چیز پر ہر ایک چیز کی زندگی کا انحصار ہے۔ اُس کے بند ہونے پر صبر کیا۔ اصحاب انصار کی شہادت پر صبر کیا۔ اعزہ و اقرباء کے شہید ہونے پر صبر کیا۔ اولاد کے صدمے پر صبر کیا۔ اعزہ و اقرباء کے شہید ہونے پر صبر کیا۔ اولاد کے صدمے پر صبر کیا۔ حتیٰ کہ چھ مہینے کی جان کے

محرم ہونے پر صبر کیا۔ لاتعداد زخموں پر صبر کیا اور اس طرح صبر کو انتہا تک پہنچاتے ہوئے راہیٔ ملکِ رضوان ہوئے۔ صبر ایسا صبر تھا کہ سرکار صداقت صادق آل محمد علیہم السلام نے اسے اس طرح بیان کیا ہے۔ لقد عجبت من صبرہ ملائکۃ السماء جد بزرگوار آپ کے صبر پر فرشتے بھی غرق تعجب و حیرت ہوئے۔ جنات نے نوحہ کیا۔ ایک جن کے یہ الفاظ تھے۔

ابکی علا الحسین هبلا    کان الحسین جبلا

میں نے حسینؑ پر بھاری بھاری آنسوؤں سے نوحہ کیا۔ حسین صبر اور برداشت میں پہاڑ تھے۔ یہی وہ صبر ہے۔ جس کے متعلق قرآن مجید نے کہا ہے۔ بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اے رسول ان لوگوں کو بشارت دو کہ جب اُن پر مصیبت پڑی تو اُنہوں نے کہا ہم اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اور اسی کی طرف ہماری بازگشت ہے۔ یہ وہ آیت ہے۔ جسے امام حسین علیہ السلام اکثر سفر کربلا میں تلاوت فرماتے تھے۔ اب رہی نماز سے استعانت۔ خداوند عالم نے فرمایا۔ حافظوا علی الصلوات تمام نمازوں کی محافظت کرو۔ امام حسین علیہ السلام نے والفجر کے بعد جس طرح نماز ظہر کی حفاظت کی اُس کا کیا کہنا۔ جب نماز ظہر کا وقت ہُوا تو ابوثمامہ صائدی امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس شدت کی گرمی اور اس طرح کی خونریز جنگ میں دشمن کو اب یہ فکر تھی کہ کسی طرح جنگ جلد ختم ہو۔ اور یہ مہم سر کر لی جائے۔ اس عالم میں ظہر کا وقت آیا۔ ابوثمامہ عمر بن عبداللہ صائدی نے امام کی خدمت میں عرض کیا مولا میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ اب آپ کے بالکل قریب آ گئے ہیں اور یہ یقینی ہے کہ آپ پر کوئی صدمہ پہنچنے سے پہلے میں قتل ہو جاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس نماز کو جس کا وقت آ گیا ہے۔ آپ کی اقتداء میں ادا کر لوں اور اس کے بعد خدا کی بارگاہ میں جاؤں۔ امام علیہ السلام نے سر اُٹھایا اور فرمایا۔

ذکرت الصلوٰۃ تم نے نماز کو یاد کیا خدا تم کو نماز گذاروں اور یاد رکھنے والوں میں محشور کرے ہاں نماز کا اوّل و افضل وقت ہے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہو کہ اتنی دیر جنگ

بندکریں کہ ہم اپنی نماز پڑھ لیں۔

اللہ اللہ رسول کا فرزند جس کے گھر سے نماز کی بنیاد قائم ہوئی وہ نماز کی مہلت مانگے۔
اور نہ ملے بلکہ ایسا جواب دیا جائے۔ جسے بیان کرتے ہوئے جسم میں تھرتھری ہے اور
حبیب بن مظاہر اُسے برداشت نہ کر سکے اور میدان جنگ میں اُس فقرہ کہنے والے حصین بن نمیر پہ
حملہ آور ہو گئے۔ جب نماز کی مہلت نہ مل سکی تو امام علیہ السلام نے نماز خوف ادا کی۔ جس کے معنی یہ ہیں
کہ فوج کے دو حصے ہو جائیں۔ ایک حصہ دشمن کا مقابلہ کرے دوسرا حصہ نماز میں شریک ہو۔ وہ ایک
رکعت امام کے ساتھ پڑھے، باقی نماز تخفف کے ساتھ فرادی پر تمام کرے۔ اور جب یہ
ختم کر کے جائے اور دشمن کے سامنے کھڑا ہو جائے تو پہلا حصہ فوج کا نماز جنگ میں
آکر شریک ہو جائے۔ مگر یہ اُس وقت جبکہ فوج کی تعداد اتنی کثیر ہو کہ اس کے دو حصے ہو
سکیں۔

**زہیر اور سعید نماز کے وقت امام کی حفاظت کرتے رہے** امام علیہ السلام کی
فوج بہت قلیل تھی۔ امام کی فرض شناسی اور اپنے اصحاب پر اعتماد تھا کہ آپ نے زہیر بن قین
اور سعید بن عبداللہ حنفی کو حکم دیا کہ تم دونوں میرے سامنے آگے بڑھو۔ یہاں تک کہ میں نماز ظہر
پڑھ لوں۔ دونوں آدمی آگے بڑھے اور حضرت نے نماز خوف ادا کی۔ حضرت سعید امام علیہ السلام
کے آگے کھڑے اپنے جسم پر تیر لے رہے تھے۔ سعید تیرہ تیر کھا کر شہید ہو گئے۔ زہیر بن قین
تیر کھا کر زخمی ہو چکے تھے۔ بعد میں دشمن کے لشکر سے لڑ کر شہید ہوئے اور سورہ فجر کی آیت
میں کس طرح ہے۔ والفجر ولیالٍ عشر والشفع والوتر واللیل اذا یسر (پارہ ۳۰ سورہ الفجر)
قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور قسم ہے اُس رات کی جو گذر گئی یا ختم
ہو گئی یا انتہا کو پہنچ گئی۔ دس راتوں اور اُن کے دس دنوں کے واقعات ہم بیان کر چکے ہیں۔ وہ
بقاء مذہب و دین کے لئے اہم شب و روز تھے۔ جن کے واقعات بیان ہوئے۔ پھر ان
راتوں میں سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو راتیں جفت تھیں اُن کی بھی قسم کھائی اور جو راتیں

وتر نفیں اُن کی بھی قسم کھائی۔ پہلی رات وہ تھی جس میں امام حسین علیہ السلام نے ہلال محرم دیکھا اور جو اِس ہلال نظر آنے کے بعد مصائب گذرنے والے تھے وہ ذہن میں آگئے اور ان کے تصورات بھی ذہن میں موجود تھے۔ دوسری شب وہ تھی جس میں حضور کربلا کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور بے آب وگیاہ زمین میں قیام کرنے پر مجبور کئے جا رہے تھے۔ یہ رات جفت تھی پھر تیسری رات وتر تھی جس کے متعلق عالیہ بی بی جناب امّ کلثوم نے اپنے بھائی سے عرض کیا تھا۔ بھائی جان یہ زمین ہولناک ہے۔ میرا دل بے چین ہے۔ چوتھی شب وہ تھی جس کے بعد اہم واقعات صحابہ کا خیمے میں جمع کرنا اور اُن کا امتحان اور اسی دن کے متعلق ابن زیاد کا خط اور اہلبیت کی مجلس قائم کرکے اُنہیں دیکھنا اور رونا اگلی رات میں عمر سعد کا تقرر اور عمر سعد کے ساتھ گفتگو اُس سے اگلی شب میں امام حسین علیہ السلام کا اپنے دشمنوں کو عذاب سے بچانے کے لئے عمر سعد سے گفتگو کی۔ اُس سے اگلی رات میں حبیب بن مظاہر کا بنی اسد سے مدد طلب کرنا اور اُس امداد سے محروم ہوجانا۔ اُس سے اگلی رات میں امام حسین علیہ السلام کا محاصرہ تھا۔

**شب عاشور** اب وہ رات آئی جسے شب عاشور کہتے ہیں۔ جسے قرآن مجید میں الگ کرکے کہا قسم ہے۔ اُس رات کی جو گذری یا انتہا پہ پہنچی۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالےٰ نے سات جگہ پر رات کی قسم کھائی ہے۔

(۱) واللیل اِذْ اَدْبَرَ (سورہ مدثر آیت ۳۳ پارہ ۲۹ رکوع ۱۵)

قسم ہے رات کی جب وہ پیٹھ پھیرے۔

(۲) واللیل وما وسق (سورہ انشقاق آیت ۱۷ پارہ ۳۰ رکوع ۹)

اس رات کی قسم اور جن چیزوں کو وہ ڈھانپ لیتی ہے۔

(۳) واللیل اذا عسعس (سورہ تکویر آیت ۱۷ پارہ ۳۰ رکوع ۶)

قسم ہے اُس رات کی جب وہ تاریک ہوجائے۔

(۴) واللیل اذا یغشٰھا (سورہ والشمس آیت ۴ پارہ ۳۰ رکوع ۱۶

قسم ہے اُس رات کی جبکہ وہ سورج کو ڈھانپ لے ۔

(۵) واللیل اذا یغشٰی (سورہ واللیل پہلی آیت پارہ ۳۰ رکوع ۱۷)

قسم ہے اُس رات کی جبکہ وہ چھا جائے ۔

(۶) واللیل اذا سجٰی (سورہ ضحیٰ آیت ۲ پارہ ۳۰ رکوع ۱۷)

قسم اُس رات کی جب وہ چھا جائے ۔

(۷) واللیل اذا یسر (سورہ الفجر آیت ۴ پارہ ۳۰ رکوع ۱۴) قسم ہے اُس رات کی جب وہ گذر جائے

ان سات قسموں میں سورہ والفجر کی رات اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے یکتا و یگانہ ہے

اگر یسر کے معنی جبکہ گزرنا ہے تو اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے ۔ امام حسین علیہ السلام نے لشکر یزید سے مہلت لے کہ ساری رات عبادت میں گزاری ۔ اس لحاظ سے اس رات کو اہمیت حاصل ہے اور اگر یسیر کے معنی قریب ختم ہونا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ رات جس کے ختم ہونے پر حسینی امتحان کا آغاز ہوا ۔ اگر لفظ یسر جیسا کہ لغت کے لحاظ سے ہے ۔ اسرا سے مشتق ہے تو اس لحاظ سے اس لفظ کا مآخذ سورہ بنی اسرائیل میں معراج سرکار رسالت کے لئے استعمال ہوا ہے ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔ سبحان الّذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ کیا ہی پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے محمد مصطفےٰ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی ۔ اس اشتقاق کے لحاظ سے معنی یہ ہوئے کہ قسم ہے سورہ والفجر کی جسے معصومین علیہ السلام نے سورہ حسین کہا ہے ۔ جیسا کہ ہم اسے ثابت کریں گے ۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قسم اُس رات کی جس نے حسین علیہ السلام کو معراج تک پہنچا دیا ۔

سرکار رسالت نے نماز کے متعلق فرمایا ہے کہ الصلوٰۃ معراج المؤمن جب ہر مسلمان کے لئے مقبول نماز مومن کی معراج ہے ۔ جس شان سے امام حسین علیہ السلام نے شب عاشور نمازوں کو انجام دیا وہ معراج کس قدر ارفع و بلند ہوئی ۔ نانا کو عرش پر معراج ہوا

تو وہ آج عرش معلیٰ کہلاتا ہے۔ حسین علیہ السلام کو زمین کربلا پر شب عاشور معراج ہوا۔ تو اُس کے لحاظ سے کربلا کو زبانِ خلق کربلا معلیٰ کے لفظ سے یاد کرتی ہے۔ یہ شب کس طرح سے گزری شب عاشور عبادت کے لئے تھی یہ کربلا والوں کی خصوصیات ہیں۔ اس بھوک اور پیاس میں ان خطرات وخدشات میں ان مصائب وآلام میں ایسے نازک حالات میں نہ کسی کو اللہ کی عبادت اور حمد وثنا کرنے کا موقع ملا اور نہ اس طرح کسی نے عبادت اور حمد وثنا کی، شب عاشور آپ کی عبادت کی یادگار رات تھی۔ آواز تسبیح وتہلیل، تحمید وتمجید، قرأت قرآن اور ادعیہ ماثورہ خیموں میں تمام رات جاری رہیں، لشکر یزید کے لوگ ناقل ہیں کہ تمام شب ہم یہ آوازیں سنتے رہے۔ (الصبار العین) امام حسین علیہ السلام نے شب عاشور کی مہلت جنگ اسی عبادتِ الہٰی اور حمد وثنا کے لئے لی تھی۔ فرزند رسول کے یہ الفاظ ہیں کہ ہم آج کی رات اپنے پروردگار کی عبادت کریں اور حمد وثناء و استغفار میں مصروف رہیں، کیونکہ خدا خوب واقف ہے کہ میں ہمیشہ سے اللہ کی عبادت اور تلاوت قرآن اور اس کی حمد وثنا اور اس سے استغفار کو محبوب سمجھتا رہا ہوں۔

(طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۸ مطبوعہ مصر)

تیسری بڑی مصیبت اس رات کی مہلت میں یہ مضمر تھی کہ آپ خطرہ کے یقینی ہونے کے بعد اپنے ساتھیوں کو اپنی بیعتوں کے غور وفکر کر لینے کا موقعہ دیں اور ایک بار اور کہہ دیں کہ جو ہمارا ساتھ چھوڑ کر جانا چاہے۔ وہ چلا جائے تاکہ عین موقعہ پر کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے جو خطرہ کے ہنگامی ہونے کی وجہ سے بادل نخواستہ آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوا ہو۔ چنانچہ آپ نے اس شب کو مجمع کو چھانٹنے کی کوشش کی اور لوگوں کو غور وخوض کر لینے کا موقعہ باحسن الوجوہ دیا۔ اس رات کو اپنے اعزہ واصحاب کو بلا کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا، جس کا ترجمہ ہم تاریخ ابن خلدون سے پیش کرتے ہیں۔

**خطبہ شب عاشور** وہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ میں دنیا میں کسی کے ساتھیوں کو اتنا جانباز، وفا شعار نہیں سمجھتا جتنا کہ میرے ساتھی ہیں، اور نہ دنیا میں ایسے نیک اعزہ کسی کو

ملے جیسے نیک اور وفادار میرے اعزہ ہیں۔ خدا تمہیں اجرِ عظیم دے آگاہ رہو کہ دشمن کل ضرور جنگ کرے گا۔ میں بخوشی اجازت دیتا ہوں، کہ تمہارا جہاں بھی جی چاہے چلے جاؤ، میں ہرگز مزاحم نہیں ہوں گا۔ یہ شامی لوگ محض میرے خون کے پیاسے ہیں اور اگر وہ مجھے پالیں گے تو دوسروں کی تلاش نہیں کریں گے۔

**اصحاب باوفا کا فیصلہ** سب اصحاب کا متحد الالفاظ یہی فیصلہ تھا کہ یہ غیر ممکن ہے کہ ہم آپ سے جدا ہوں بلکہ اپنی جانیں آپ پر فدا کریں گے۔ ہاں جب ہم مر جائیں گے تو چاہے جو ہو ہم تو اپنا فرض ادا کر چکے ہوں گے۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۸، صفحہ ۲۳۹)

یہ تو اصحاب باوفا کے جوابات تھے۔

**اعزہ کا اظہار خیال** اس سے پہلے آبروئے وفا حضرت ابوالفضل العباس اور تمام اعزہ اظہار خیال کر چکے تھے، سرکار وفا حضرت عباسؑ نے اعزہ کی ترجمانی کرتے ہوئے عرض کیا تھا کس لئے ہم ایسا کریں؟ کیا اس لئے کہ آپ کے بعد ہم زندہ رہیں؟ ہرگز خدا ہمیں یہ روزِ بد نصیب نہ کرے، ہم آپ کے بعد زندہ رہیں، ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے؟

اس پر امام علیہ السلام نے خاص طور پر اولاد عقیل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، تمہارے لئے تو مسلم کا قتل ہو جانا بہت کافی ہے تم سب چلے جاؤ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں، انہوں نے عرض کیا ہم ایسا نہیں کریں گے۔ آپ کے بعد زندہ رہنے کا کوئی مزہ نہیں۔ الغرض اب وہ لوگ حسینؑ کے ساتھ رہ گئے جو موت کو یقینی سمجھتے تھے۔ دل وجان سے اس کے لئے آمادہ تھے۔ اس لئے ان میں کمزور، بزدل یا نصرت امام سے تخلف کا شائبہ تک نہ تھا۔

یہ تھی رات جس کو دس راتوں سے جدا کر کے اللہ نے سورہ والفجر میں اس کے گزرنے کی قسم کھائی کیونکہ یہ رات ایسی عبادت میں بسر ہوئی کہ جس کی مثال کائنات میں نہیں ملتی ہے جو سرکار رسالت اور ان کی عترت کے توارثِ صفات اور ماحول کا نتیجہ تھی۔

اب سورہ والفجر کے ایک ایک لفظ پر غور و فکر کیجئے۔ اس کا ایک ایک لفظ لمحاتِ فکر

چاہتا ہے۔ صاحب علم لدنی زبان صداقت صادق آل محمد اس سورہ کو سورہ حسین ہی کہا۔ فتدبروا ولا تکن من الجاحدین ۔ اس سورہ مبارکہ کے الفاظ متبرکہ کا اُردو ترجمہ یوں ہے
قسم ہے فجر (صبح عاشورہ) کی قسم ہے (محرم الحرام کی) دس راتوں کی قسم۔ ان راتوں میں سے جو جفت ہیں اور جو طاق ہیں قسم اس رات کی جو گذری (عبادت و فاشعاری اور ایثار میں گذری)
پھر فرمایا ہے
اس میں صاحب عقل وخرد کے لئے قسم ہے۔ یعنی جب اللہ تعالےٰ جو حکیم مطلق ہے قسم کھائے تو صاحب عقل کو غور و فکر کرنا چاہیئے کہ وہ کیوں قسم کھا رہا ہے۔

چنانچہ بعض سورہ قرآنیہ میں رب العزت قسم کے ساتھ ساتھ اس قسم کی علت کو بھی بیان فرماتا ہے۔ چنانچہ سورہ البلد میں ارشاد ہے۔ لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد ووالد وما ولد (البلد آیت ۳ پارہ ۳۰ رکوع ۱۴)
مجھے اس شہر (مکہ) کی قسم درآنحالیکہ تم اس شہر میں اترے ہوئے ہو اور اس شہر میں ایک والد ہے۔ (ابوطالبؑ) وہ جو مولود کعبہ (علیؑ) کے والدین اور ایک ما ولد یعنی (علیؑ) ہیں۔ ان کی وجہ سے ہم اس شہر کی قسم کھاتے ہیں۔

کافی میں والد سے مراد علیؑ ہیں اور ما ولد سے مراد ان کی اولاد آئمہ معصومین ہیں ان کی عظمت کی وجہ سے یہ قسم ہے۔ ایک اور قسم کا قرآن حکیم میں یوں ذکر ہے۔ فلا اقسم بمواقع النجوم وانہ لقسم لو تعلمون عظیم (الواقعہ ۷۵، ۷۶ پ۲۷ ع ۱۶)
پس قسم ہے ستاروں کے گرنے کی جگہ کی اگر تم سمجھو تو یہ قسم عظیم ہے۔

ان دونوں قسموں یعنی سورہ والفجر اور سورہ الواقعہ کی قسموں میں انسانی عقول کو دعوت فکر دی گئی ہے۔

دراصل ستاروں کے پڑنے کی جگہ شیاطین کے مارنے اور ان پر عذاب کا مقام ہے اس لئے اللہ تعالےٰ سورہ الواقعہ میں شیاطین سے نفرت کی وجہ سے قسم کھاتا ہے سورہ

والفجر کی ابتدائی قسمیں محبت کی قسمیں ہیں۔ گزرنے والی رات کے ظالموں اور بُروں کا ذکر یزید اور بنی امیہ کو تنبیہ کرنا چاہتا ہے کہ جو عاد، ثمود اور فرعون تینوں کا حشر ہُوا وہ تمہارا حشر ہونے والا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلھا فی البلاد۔ کیا تم نے نہیں دیکھا تمہارے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ جو ستونوں والے ارم کے رہنے والے تھے کہ ایسا شہر شہروں میں بنا ہی نہیں یعنی کیا کیا کچھ کیا۔

وثمود الذین جابوا الصخر بالواد اور ثمود جنہوں نے میدان میں چٹانوں کو کاٹ کاٹ تراشا اور اُن کو گھر بنایا۔

وفرعون ذی الاوتاد اور فرعون کے ساتھ جو سزا کے لئے میخیں رکھنے والا تھا۔ ان آیات میں خلاق عالم نے تین سرکش ظالموں کا ذکر کیا ہے۔ پھر یہ بتلایا ہے کہ خداوندعالم نے ان تینوں بداعمالیوں کی وجہ سے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا، ان کی بداعمالیوں کا اس طرح ذکر فرماتا ہے۔ الذین طغوا فی البلاد فاکثروا فیھا الفساد کہ انہوں نے ملکوں میں سرکشی کی اور انہوں نے فساد کو بہت بڑھا دیا تھا۔ پھر اللہ نے اُن کے ساتھ جو سلوک کیا اُس کا ذکر ہے۔

فصب علیھم ربک سوط عذاب ان ربک لبالمرصاد۔ پس تیرے پروردگار نے بھی اُن پہ عذاب کا کوڑا لگایا۔ بیشک تمہارا پروردگار ضرور گھات میں ہے ان الفاظ میں خداوندعالم بنی اُمیّہ کی یزید حکومت کو اُس کے انجام سے آگاہ کر رہا ہے پہلے ذکر عاد کا ہے۔ عاد نے اللہ کے مقابلے میں بہشت بنانے کی تجویز کی، جنت ارم بنایا خدا کا عذاب نازل ہُوا اور انہیں ارم میں رہنا نصیب نہ ہُوا۔ پس اس میں بلاغت و فصاحت کا ایک اشارہ ہے کہ اے بنی اُمیّہ اے یزید تو تم نے بھی اسی طرح اللہ کے معصوم صاحب علم لدنی اور منصوص خلیفۃ اللہ کے مقابلہ میں خلیفہ بننے کی جسارت کی ہے۔ تمہارا بھی یہی انجام ہونے والا ہے اور تم شام کے زرخیز باغات اور دریا زرخیز زمینوں پر نازنہ

کرو۔ وہ وقت آنے والا ہے کہ ابو سفیان کی اولاد سے سلطنت نکل جائے گی۔ اُس کے بعد اللہ تعالےٰ نے ثمود کا ذکر کیا ہے۔ ثمود وہ قوم تھی جنہوں نے اپنے نبیؐ حضرت صالح کی ناقہ کو پانی نہ دیا اور اُس کی کونچیں کاٹ کر اُسے ہلاک کر دیا گیا۔ گویا خدا یزید کو یاد کرا رہا ہے کہ تم جو خاندانِ رسالت کے بچوں کو ذبح اور نحر کر رہے ہو تمہارا انجام قوم ثمود سے بدتر ہونے والا ہے۔ چنانچہ جب حرملہ بن کاہل اسدی نے حضرت علی اصغر کے حلقوم پر تیر مارا جو شیرخوار کے حلق سے گزر کر سرکار سید الشہدا کے بازو میں پیوست ہوا تو سرکار سید الشہدا نے اُس بچے کے خونِ گلو کو اپنے چہرہ پر مل لیا۔ ثم قال الحسینؑ اللھم لایکون احدٌ الیک امن فصیل۔ میرے معبود میرے بچے کا احترام بچہ ناقہ صالح سے کم نہیں ہے۔ پھر خداوند عالم نے فرعون کا ذکر کیا ہے۔ جس کا اللہ تبارک و تعالےٰ بنی اسرائیل سے اس طرح ذکر کرتا ہے کہ اے بنی اسرائیل اُس وقت کو یاد کرو جب کہ تم سے فرعون یہ سلوک کرتا تھا کہ یذبحون ابناءکم و یستحیون نساءکم کہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑتا تھا۔ بنی اُمیہ نے بھی آل محمدؐ کے بیٹوں کو ذبح کیا اور بیٹیوں کو زندہ ہی نہیں چھوڑا بلکہ انہیں لوٹا ان کے مال و اسباب کو تباہ کیا اور انہیں قیدی بنا کر شہروں میں تشہیر کیا۔ اسی پر جناب زینب عالیہ کوفہ کے خطبہ میں ان بنی اُمیہ کو فرماتی ہیں۔ ماذا تقولون اذ قال النبیؐ لکم ماذا فعلتم وانتم آخر الامم باھلبیتی و اولادی و کربتی منھم الاساریٰ و منھم ضرجوا بدم۔

تم کیا جواب دو گے جبکہ سرکار رسالت تم سے فرمائیں گے۔ ارے تم نے آخری اُمت ہو کر میرے اہل بیت اور میری اولاد سے کیا سلوک کیا؟ یہی کہ بعض کو اُن میں قید کیا اور بعض کو قتل کیا ماکان ذالک جزائی اذ نصحت لکم ان تخلفونی بسوءٍ فی ذوی الرحم ۔ میری نصیحت کا یہ بدلہ تھا کہ تم میرے رشتہ داروں سے ایسا بُرا سلوک کرو۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ انسان جن کو اللہ تعالیٰ

آزمانے کے لئے عزت اور نعمت دیتا ہے۔ پھر جب وہ ابتلا میں مبتلا ہوتے ہیں تو پھر کیا کہتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں۔ فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہ فاکرمہ ونعمہ فیقول ربی اکرمن واما اذا ما ابتلاہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اھانن۔ جب انسان کو اُس کا پروردگار اس طرح آزماتا ہے کہ اُس کی عزت کرتا ہے اور اُس کو نعمت دیتا ہے۔ تب تو وہ کہتا ہے میرے پروردگار نے میری عزت کی۔ لیکن جب وہ اُسے اس طرح آزماتا ہے کہ اُس کا رزق اُس کے لئے تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا۔ پھر خدا اُس کے اعمال کو اس طرح بیان کرتا ہے۔ کلا بل لا تکرمون الیتیم یہ ہرگز نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ ولا تحاضون علی طعام المسکین۔ اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔ وتاکلون التراث اکلا لما وتحبون المال حبا جما اور میراث کا مال (حلال وحرام) ملا کر نگلتے چلے جاتے ہو۔ اور مال و دنیا سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔ کلا اذا دکت الارض دکا دکا وجاء ربک والملک صفا صفا۔ اتنا ہی نہیں ہے (بلکہ) جب زمین توڑ توڑ کر چکنا چور کر دی جائے گی اور تمہارا پروردگار (یعنی اُس کا حکم) اور فرشتے صف بصف آموجود ہوں گے۔ وجایئ یومئذ بجھنم یومئذ یتذکر الانسان وانی لہ الذکری۔ اور جہنم کو لا کر حاضر کیا جائے گا تو اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا۔ مگر اُس وقت اُس کے لئے نصیحت حاصل کرنا کہاں (مفید ہوگا)۔ یقول یالیتنی قدمت لحیاتی کہے گا کہ کاش میں نے اس زندگی کے لئے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔ فیومئذ لا یعذب عذابہ احد۔ پس اس دن نہ تو کوئی خدا کا سا عذاب دے سکے گا۔ ولا یوثق وثاقہ احد اور نہ اس کا سا جکڑنا جکڑ سکے گا۔ گویا خدا نے اپنے نبیؐ سے فرمایا ہے کہ تو نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے عاد سے کیا کیا وہ عاد جو صاحب عماد ارم سے نامزد تھا۔ بڑے بڑے ستون رکھتا تھا۔ الغرض ان آیات میں بیان کیا ہے کہ تحقیق تمہارا رب ظالموں کی کمین گاہ میں تاک لگائے ہوئے مناسب وقت کا منتظر رہا۔ ان آیات میں اللہ نے

تین جابروں اور ظالموں (عاد، ثمود اور فرعون) کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے ظلم اور فساد کو بیان کیا ہے، جو مشہور ہیں۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ خدا کا تاک میں رہنا اس سے وہی غرض مقصود ہے۔ جس کو جناب زینب سلام اللہ علیہا نے یزید کے دربار میں اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

**لا تحسبن اللہ غافلا عما تعلمون** تم لوگ خدا کو اپنی بدکرداریوں سے غافل نہ جانو اس لئے کہ خدا مہلت دینے سے شرماتا نہیں ہے (جیسے کوئی عاجز انتقام لینے سے شرماتا ہے) اور بدلہ لینے کی قوت کے نہ ہونے کا خدا کو خوف نہیں ہے۔ یعنی اے یزید لو تم سے بھی ضرور بدلہ لے گا۔ جیسے عاد، ثمود اور فرعون سے لیا ہے۔

## قاتلان حسینؑ اور نصرت نہ کرنے والوں کی گرفت

امام حسینؑ کے واقعہ میں پہلے خدا نے اُن لوگوں کی گرفت فرمائی جو آپ کی نصرت اور اسلام کی تائید سے بلاعذر باز رہے تھے واقعہ حرہ کے حالات پر غور فرمایئے۔ پھر قاتلان امام حسینؑ میں سے ایک ایک پر عذاب نازل فرمایا حتیٰ کہ تین برس کے اندر سب ہی فی النار ہو گئے۔ اگر کوئی بچ رہا تو دیوانہ ہو گیا۔ ان ملاعنہ کے عذاب کو کتب تاریخ میں پڑھیئے۔ تا اینکہ ایک شخص مومن کسی جگہ قاتلان شہدائے کربلا کا ذکر کر رہا تھا کہ اب تو کوئی ان میں سے باقی نہیں رہا کہ جس کو اللہ تعالےٰ نے عذاب نہ دیا ہو یا ہلاک نہ کیا ہو۔ اس جلسہ میں ایک شقی ان ہی بدکاروں میں سے موجود تھا۔ اس مومن کے جھٹلانے کی غرض سے کہنے لگا۔ کیوں جھوٹی جھوٹی خبریں بیان کرتا ہے۔ حالانکہ میں ایک وہی شخص ہوں کہ باوجودیکہ قاتلان حسین میں شریک رہا۔ مگر آج تک میرا بال بیکا نہ ہوا۔ اور کسی طرح کی ایذاء اور آفت مجھے نہیں پہنچی یہ کہتا تھا کہ خدا نے اسی جگہ اس کو آتش دنیا سے جلا دیا اور جہنم واصل ہوا۔ ہاں تفسیر والفجر اور والعصر میں ایک یہ بات باقی ہے کہ جناب حسینؑ نے صلوٰۃ وسطیٰ (درمیانی نماز) کی حفاظت کیسے فرمائی تھی۔ ہاں پانچوں اوقات کی نمازوں کا تفصیلاً ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اور صلوٰۃ وسطیٰ کی تفسیر میں مفسرین نے جو اختلاف

گیا ہے۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے ہم چند اقوال نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا بعض مفسرین کا قول ہے۔ کہ ہر ایک نماز پنجگانہ میں سے درمیانی نماز ہوسکتی ہے اور حکمت ربانی اس کے مخفی فرمانے میں یہ ہے کہ ہر ایک وقت کی نماز کو درمیانی نماز سمجھ کر اس کے پابند رہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ نماز یومیہ کی ابتدا یعنی پہلی نماز یا تو نماز صبح کی ہے یا نماز مغرب ہم نہیں کہتے کہ رات مقدم ہے یا دن مقدم ہے۔ درمیانی نماز کی تعین اوّل نماز فرض کرنے کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

یا تو شمار صبح سے ہوگا۔ یا شام کے وقت سے اب اگر ہم نماز مغرب کو اوّل شمار کریں پھر تو نماز صبح صلوٰۃ وسطیٰ ٹھہرے گی۔ جیسا کہ فخرالدین رازی کے کلام سے ظاہر ہے۔ بعض مفسرین نے فجر سے خاص یہی نماز مراد لی ہے اور شمار اوقات اگر صبح سے شروع کریں تو درمیانی نماز عصر کی نماز ہوگی۔

امام حسین علیہ السلام نے روز عاشور دونوں وقت کی نماز کی بڑی محافظت فرمائی ہے اسی لئے اللہ تعالےٰ نے نماز فجر اور عصر دونوں کی قسم کھائی ہے۔ دونوں سورہ والفجر والعصر ہیں۔ نماز فجر کو امام حسین علیہ السلام نے تمام شب کی بیداری اور اطاعت کے بعد ادا کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص نماز صبح کو ایسی حالت میں ادا کرے کہ تمام رات بیدار رہا ہو۔ قائم اللیل اور صائم النہار بھی ہو تو پیشِ خدا اس کی قدر و منزلت کس قدر ہوگی۔ اور کس قدر اس کے ثواب کا ذریعہ بارگاہ احدیت میں ہوگا۔ پھر یہ بھی سمجھ لیجئے۔ چونکہ اشقیاء نے نماز صبح کے پڑھنے میں آپ سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا۔ اس لئے کہ مہلت دے چکے تھے۔ اسی وجہ سے والفجر میں خدا نے نماز کے بعد اور کسی امر کا ذکر نہیں فرمایا۔ مگر نماز عصر میں چونکہ ان کی عداوت و شرارت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ کیونکہ ظہر کی نماز بھی پڑھنے نہیں دیتے تھے اور امام حسین علیہ السلام نے نماز ظہر صلوٰۃِ خوف کے طور پر پڑھی اور لڑائی کو ٹالتے تھے تاکہ اپنے وقت موعود تک زندہ رہ کر یوم عاشور کی نماز عصر آپ کو مل جائے

یہ وہی نماز عصر ہے جس سے کہ امام حسین علیہ السلام ذبح عظیم کے خطاب سے مشرف ہوئے اور اس کی وجہ سے بارگاہ احدیت سے ایسے ایسے انعامات آپ کو ملیں گے جو کسی کو نہ آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد ملے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ رب العزت قسم کھا کر فرماتا ہے والعصر قسم ہے اُس نماز عصر کی کہ سب آدمی اُس نماز کے دیکھنے والے زیاں کاری اور نقصان میں سوائے اُن لوگوں کے جو خدا پر ایمان لائے اور اعمال نیک بجا لائے اور دین برحق کی نصیحت کی اور صبر کی نصیحت کر گئے۔ کچھ شک نہیں، لشکریان یزید زیاں کار اور گھاٹے میں تھے۔ تاآنکہ جب ابن زیاد کو عمر سعد نے وہ خط پیش نہ کیا۔ جس کے متعلق عمر سعد کو دعویٰ تھا کہ حکم قتل حسین علیہ السلام ابن زیاد کی طرف سے اس میں درج ہے۔ عمر سعد نے گم ہونے کا عذر کیا۔ ابن زیاد نے کہا میں تجھے حکومت رای کی نہ دوں گا۔ جب تک وہ میرا خط مجھے نہ دے دے۔ بخاری کی روایت ہے کہ عمر سعد نے بے ساختہ کہہ دیا کہ یہی وہ کھلی ہوئی زیاں کاری اور نقصان ہے۔ جو قرآن میں خدا فرماتا ہے اور نیک لوگوں کو خدا اس گھاٹے سے الگ کرتا ہے۔ اُس سے امام حسین علیہ السلام ضرور داخل ہیں۔ اس لئے کہ وہ اعمال صالح کے پابند رہے۔ چنانچہ بارگاہ رب العزت میں آپ کی دُعا تھی کہ اے پالنے والے میں ایسا نیک عمل کروں۔ جس پر تو راضی ہو۔ پھر کیا کوئی امر خیر اس سے بڑھ کر خدا کی خوشنودی کا ہے کہ آدمی راہ خدا میں اس کی خوشنودی کی غرض سے شہید ہو جائے۔ باقی رہی امر حق کی وصیت وتواصوا بالحق۔ سورہ عصر میں خدا فرماتا ہے۔ اس کی تفسیر دین حق اور کلمہ شہادت ہے ہمارے لئے اس سے کوئی مانع نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اس وصیت سے وہ وصیت مراد لیں جو ہر ایک امام اپنے بعد کے امام کو آخری وقت کرتا رہا ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے باوجودیکہ ایسے سخت ترین مصائب میں گھرے ہوئے تھے۔ اس وصیت کی بجا آوری میں پورا پورا اہتمام فرمایا ہے۔ اور اپنے فرزند بیمار کو امانت خدا سپرد کر دی۔ صبر اور شکیبائی کی وصیت تو حضرت نے زیادہ تر مخدرات عصمت و طہارت کو یعنی اپنی بہنوں

اور بیٹیوں کو پورے طور پر فرمائی تا اینکہ جناب زینب اور ام کلثوم علیہما السلام جب کسی مصیبت میں گرفتار ہوتی تھیں اور کوئی تازہ مصیبت اور الم پہنچتا تھا۔ اسی وصیت کو یاد فرماتی تھیں کہ یہ تو ہمارے بھائی کی وصیت ہے۔ ایسی روایات برابر موجود ہیں۔

**سید الشہداء کی نماز عصر** اب ہم اس نماز کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو امام مظلوم نے عصر کے وقت ادا فرمائی ہے۔ اس نماز کا وہ وقت تھا، جبکہ امام حسین علیہ السلام اعزہ و اقارب کی قربانیوں کو دیکھ چکے تھے۔ یہاں تک کہ بھتیجے بھائی اور بیٹے شہید ہو چکے تھے۔ مگر امام شجاعت سے پہلے صبر و برداشت، تسلیم و رضا کی منازل طے کر چکے تھے۔ ستاون سال کی عمر میں قاسم کی شہادت سے کمر خمیدہ ہو چکی ہے۔ عباس کے صدمے سے بازو ٹوٹ چکے تھے۔ علی اکبر کی قربانی سے بصارت جواب دے چکی تھی۔ اپنی آخری قربانی چھ ماہ شیر خوار کو اپنے ہاتھوں پر تڑپتا دیکھ چکے تھے۔ جسم تیروں سے چھلنی تھا۔ حمید بن مسلم کہتا ہے کہ زخموں سے خون بہہ بہہ کر جسم پر خون کے حلقے پڑے ہوئے تھے۔ ایک مقام پر کھڑے ہو گئے تاکہ آرام فرما کر نماز پڑھیں اس حالت میں ایک پتھر آیا جو جبین اقدس پر لگا۔ حضور نے دامن پیراہن کو بلند کیا تاکہ پیشانی نورانی سے اور آنکھوں سے خون صاف کریں۔ کپڑا اٹھانے سے دل کا مقام جس سے سرکار رسالت بار بار بوسے لیا کرتے تھے ظاہر ہو گیا۔ ایک سہ شاخہ تیر آیا اور قلب اقدس پر لگا۔ شکم مبارک سے پرنالے کی طرح خون جاری تھا۔ حضور نے اُس تیر کو اپنی پشت مبارک کی طرف سے نکالا اور فرمایا بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی دِیْنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ تیر نے ایک طرح سے آپ کا خاتمہ کر دیا۔ امام مظلوم نے تیمم فرمایا اور نماز شروع فرمائی وہ نماز جو جوہر نماز، عطر نماز، روح نماز تھی۔ نماز کی حالت میں سر سجدہ معبود میں رکھا۔ پیشانی کے زخم کی وجہ سے تڑپے اور وہ حالت طاری ہوئی جو ہم پر سجدہ شکر میں ہوتی ہے۔ دہنی طرف گرے بائیں طرف گرے خاک کربلا میں آپ کے خون اطہر نے ایسا اثر کیا کہ صدیاں گذر گئیں خاک کربلا کا ہر ذرہ ذکر خدا بن کر سجدہ گاہ یا تسبیح کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ اس پر سنان بن انس کا

نیزہ بڑھا، ذرعہ بن شریک کی تلوار بڑھی، شمر بن ذی الجوشن کا خنجر بڑھا۔ ام المصائب یعنی حسین کی دکھیاری بہن تل زینبیہ پر آگئیں اور وہ منظر دیکھا جو خدا کسی بہن کو نہ دکھائے۔ اس کے بعد کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سورج کو گہن لگ گیا۔ سیاہ آندھیاں چلنے لگیں۔ زمین و آسمان تیرہ و تاریک ہو گئے۔ ہائے ہائے کی آوازیں آنے لگیں۔ اس تاریکی میں چند نورانی صورتیں نظر آرہی تھیں۔ سرکار رسالت بھی ہیں۔ اس تغیر حالت میں کہ عمامہ سر سے اترا ہوا، سر اور ریش مبارک غبار آلودہ ایک صدا فضا میں گونجی یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی رلے صاحب اطمینان نفس اپنے رب کی طرف لوٹ آ اس حالت میں کہ تو اُس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے، میرے بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آجا۔ جبرائیل اور کچھ فرشتے بھی ہیں، ایک فرشتہ آسمان کی طرف جا رہا ہے ایک شیشی میں کچھ خون لئے جا رہا ہے یہ خون ناحق حسینؑ کا ہے۔ ایک نورانی چیز زمین سے بلند ہوئی ایک نیزے کے فاصلے پہ جا کر ٹھہر گئی معلوم ہوا کہ سچائی کی گردن قلم ہو گئی، سرکار شہادت حسین کا سر نماز کے بعد عاشق کی معراج تھی جو نوک نیزہ پر ہوئی اس نماز کی تعقیبات و تلاوت قرآن مجید تھی جو کوفہ کے بازار میں فرما رہے تھے۔ دس محرم سنہ ۶۱ھ جمعہ کا دن تھا جب کربلا کے جہاد کی خونریز منزل اپنی انتہا کو پہنچی۔ انسانی تاریخ کا ورق اُس خون ناحق کے چھینٹوں سے ہمیشہ کے لئے لالہ زار بن گیا۔ قرآن کی تفسیر خون سے لکھی گئی اسلام کو زندگی جاوید مل گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ولعنۃ اللہ علی القوم الظالمین وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

ہم نے محض دلائل عقلیہ اور لغت کی رو سے بخوبی ثابت کر دیا کہ یہ دونوں سورے امام حسینؑ ہی سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ اب ہمیں حق ہے کہ بعض آئمہ کی احادیث بھی اس کی تائید میں پیش کریں۔ بحار الانوار میں دارم بن فرقد سے روایت ہے کہ جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا سورہ والفجر پڑھا کرو کہ یہ سورہ مبارکہ امام حسین بن علیؑ

کا سورہ ہے۔ نماز واجبی اور نوافل میں اس کا التزام کیا کرو اور اپنی رغبت دلی سے کہو کہ
مولا خدا آپ پر رحمت نازل کرے۔ جب صادق آل محمد یہ ارشاد فرما رہے تھے تو جو
لوگ اس جلسہ میں حاضر تھے۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ سورہ والفجر امام حسین علیہ السلام سے
کیوں خاص ہوئی۔ صادق آلِ محمد نے فرمایا تم نہیں سنتے ہو، خدا فرماتا ہے اے نفس مطمئنہ
اور نفس مطمئنہ سے خاص مراد خدا کی امام حسین علیہ السلام ہیں یہی صاحب نفس مطمئنہ ہیں
کہ جو خدا کے ہر امتحان پر راضی رہے۔ اور خدا کی خوشنودی بھی ان سے پوری ہوئی اور اصحاب
امام حسین بھی اُن سے راضی ہیں۔ یہ سورہ والفجر امام حسین علیہ السلام کے حق میں اور اُن کے
متبعین کے حق میں نازل ہوئی اور آل محمد کے شیعوں کے حق میں خاص کر اُس کا نزول ہے
جو شخص اس کو ہمیشہ پڑھے گا۔ وہ اس بہشت میں جو امام حسین علیہ السلام کا ہے۔ انشاء اللہ
امام حسین علیہ السلام کے ساتھ رہے گا۔ خدا علیم و حکیم ہے۔ اب دیکھئے جناب صادق آل محمد
ہمیں اور تمہیں اور تمام برادران ایمانی کو حکم دیتے ہیں کہ ہمیشہ سورہ فجر پڑھا کریں۔ اور
اس کا سبب یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے۔ جن امور کی قسم ہم نے اس سورہ میں کھائی ہے وہ
صاحبانِ عقل کے سوچنے کی بات ہے۔ اس لئے بیدار ہو جاؤ اور اپنی عقل کی طرف رجوع
کرو۔ اب دیکھئے ہم سورہ فجر کی تفسیر لکھ چکے ہیں۔ صاحبان عقل و بصیرت خود فیصلہ کریں کہ یہ
سورہ امام حسین علیہ السلام سے خصوصیت رکھتا ہے۔ اب دیکھئے کہ برادران اہل سنّت اس کی
تفسیر کیسے الفاظ میں کر رہے ہیں کہ جسکو پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ امام فخرالدین رازی اپنی تفسیر
میں کہتے ہیں کہ والفجر سے مراد فجر محرم ہے یعنی اوّل محرم ہے۔ اس لئے وہ پہلا دن ہر سال
کی ابتدا کا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ والفجر سے سارا سال مراد ہے یا تمام محرم کو فجر قرار
دیا یہی چند اقوال فجر کی تفسیر میں ہیں اور یہ قول بھی ہے کہ مراد فجر سے ہر نماز فجر ہے یا فجر
روز نحر ہے یا فجر ذی الحجہ ہے یہ قول بھی ہے کہ فجر سے مراد عیون یعنی چشموں کا جاری
ہونا ہے۔ واہ جی واہ کیا کہنا اس تفسیر کا۔ یہ سب اقوال آپ نے دیکھ لئے۔ ہماری غرض یہ

ہے کہ روز نحر کی قربانی کو منظور کیا اور دوسری قربانی کو جو روز عاشور ہوئی اور ذبح عظیم کہلائی۔ اس کو لکھا گئے۔ حالانکہ اس سورہ میں قرائن و الفجر ایسے ہیں کہ فجر عاشور کا مراد لینا کسی تاویل بعید کا محتاج نہیں، اس سورہ مبارکہ کے آخری الفاظ یعنی آیت نفس مطمئنہ قابل تشریح ہیں۔

یٰاَیَّتُہَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ ٭ۖ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً ۚ فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ ۙ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ ۠ (سورہ الفجر آیت ۲۷ پارہ ۳۰ رکوع ۱۴)

اے اطمینان والے نفس اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر اس حال میں کہ تو راضی بھی ہے اور اس کا پسندیدہ بھی ہے پس تو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں بھی آجا۔

انسان کا اصل مقصد طمانیت اور اطمینانِ قلب ہے، جو ہمارے اس زمانہ میں مفقود بلکہ عنقا ہے۔ عصر حاضر میں ہم نے اس قدر مادی ترقی کی ہے کہ ہم فضائی سفر کر رہے ہیں، ہوا میں اُڑ رہے ہیں۔ سالوں کے سفر مہینوں میں اور مہینوں کے دنوں میں اور دنوں کے منٹوں میں راستے طے ہو رہے ہیں۔ انسانی قوت اتنا بڑھ گئی ہے کہ لاکھوں میل دور سے آوازیں سن رہے ہیں۔ بصارت کا یہ عالم ہے کہ ہزاروں کوس دور کے جلوے پیشِ نظر ہیں، قوت برقیہ انسان کے لئے ادنٰے خادم کی طرح تمام سہولتیں اور آسائشیں بہم پہنچا رہی ہیں۔ مگر تمام ایجادات اور انکشافات وہ کچھ نہیں دے رہے جو اصل مطلوب ہے مادی ارتقا دماغ بنا سکتی ہے۔ مگر دل بنانا اس کے بس کا روگ نہیں۔ یہ انسانی تہذیب بنا سکتی ہے آج دنیا کی جان گرانی کی وجہ سے جوکھوں میں ہے۔ اشیائے ضرورت کی نایابی انسانی جانوں سے کھیل ہے۔ انصاف نہیں بے چینی ہے۔ امن و چین نہیں امن مفقود ہے۔ اقوام متحدہ کے نمائندے سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں، زبان پر امن ہوتا ہے۔ اور "من میں مَن" یعنی اُن کے دل میں انانیت ہوتی ہے۔

آج دنیا میں نفس پرستی ہے خود غرضی ہے۔ مواسات نہیں ایثار نہیں آج ایسے

سراپا ایثار ہادی کی سیرت کی ضرورت ہے جو صحرائے بے آب و گیاہ میں جہاں پانی کا کوسوں نشان نہ ہو۔ اپنی اور اپنے اہل و عیال اور صغیر سن بچوں کی ضرورت آب کو پس پشت ڈال کر خون کے پیاسے دشمن کے لشکر کو سیراب کر دے اور جیؤ اور جینے دو کے اصول پر عمل کر کے تبلا دے کہ حسین اپنے دشمن کے بھی دشمن نہیں ہیں۔

آج جبکہ دنیا جور و جفا، ظلم و ستم، فسق و فجور، عصیان و معصیت گناہ اور پاپ کی وجہ سے امن و سکون کھو چکی ہے۔ ایسے ہادی کی سیرت کی ضرورت ہے جو اپنی قربانیوں سے پاپ کو ملیا میٹ کرنے کی جد و جہد آخری سانس تک جاری رکھ کر آخر اسی جد و جہد میں جاں بحق ہو۔ آج کیا ؎

یک حسینے نیست تا گردد شہید
ورنہ بسیار اند در دنیا یزید

ایک حسین نہیں ہے جو شہید ہو جائے ورنہ دنیا میں یزید بہت ہیں۔

**سید الشہداء کا اطمینان** آج دنیا میں امن و سکون نہیں، طمانیت نہیں۔ اطمینان قلب نہیں آرام و چین نہیں ہے۔ استبدادی حکومت سے تصادم تھا۔ حسینؑ مطمئن تھے۔ وطن سے جلا وطن ہوئے۔ سراپا اطمینان تھے۔ جس کو ساتھ لینا اور جس کو وطن میں چھوڑا طمانیت پر بل نہ پڑا۔ اہل مدینہ کی بے رخی دیکھی مطمئن تھے۔ مامن خلق بلد الامین میں آئے وہاں امن نصیب نہ ہوا پھر بھی مطمئن تھے۔ حج نہ کر سکے مطمئن تھے۔ دشمن کے لشکر سے دوچار ہوئے مطمئن تھے۔ مقتل کربلا نظر پڑا مطمئن تھے۔ ضروریات زندگی نایاب تھیں مطمئن تھے۔ سرمایۂ پانی سے محروم ہوئے مطمئن تھے۔ اعزہ و اقربا اور اصحاب و انصار موت کے گھاٹ اترے اطمینان میں فرق نہ آیا۔ اولاد قربان ہوئی بدستور مطمئن تھے۔

اب جبکہ سرکار سید الشہدا، کم از کم تیس ہزار لشکر یزید کے سامنے آئے عازم جنگ ہوئے ایسی تکلیف کے مقام پر آئے منتشر حواس جمع تھے۔ چہرے پر شگفتگی تھی مجاہدانہ

شان سے روانہ ہوئے۔ کیفیت یہ تھی۔

بشعشعۃٍ محمّدیۃٍ بسطوتۃٍ علویۃٍ ولمعۃٍ احمدّیۃٍ ۔
بصولۃٍ حیدریۃٍ وبھجۃٍ حسنیۃٍ وعصمۃٍ فاطمیۃٍ بخلقٍ حسنیۃٍ
وبشجاعۃٍ حسینیّۃٍ ۔

نور محمدی کی شعائیں روئے انور سے ساطع تھیں۔ جناب امیر کا رعب و دبدبہ نمایاں تھا
حضرت احمد مجتبیٰ کی نورانیت جلوے دکھا رہی تھی۔ حیدری صولت ظاہر ہو رہی تھی چہرے
پر حسنی تر و تازگی تھی۔ سیدہ طاہرہ کی عصمت کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ اخلاق حسنی کی جلوہ نمائی تھی
شجاعت حسینی کارفرما تھی۔ اس شان سے فوج مخالف پر حملے کئے کہ کم از کم تیس ہزار کے
لشکر میں کمی محسوس ہونے لگی۔ اس کے بعد مقام عبادت میں آئے۔ پیشانی مبارک (مقام سجدہ)
پتھر سے زخمی تھا۔ دل پر تیر لگا۔ منحور فی الوریٰ سے سرفراز ہوئے۔ زخمی سر اس اطمینان سے
خاک کربلا پر رکھا بذبح عظیم اور مذبوح عن القفا کے مقام پر آئے جسم جو زخموں سے چور چور
تھا۔ اُسے دیکھ کر ملک الموت کی روح کانپ اُٹھی۔ اللہ کی طرف سے بلا واسطہ خطاب ہُوا
اے نفس مطمئنہ۔ قبض نفس کی ضرورت نہیں، تو خود ہی میری طرف رجوع کر کے آجا۔ میرے
بندوں میں داخل ہو جا وہ بندے جن کے متعلق شیطان کو ارشاد الٰہی ہُوا تھا۔ اِنّ عبادی
لیس لک علیھم سلطان ۔ اے شیطان جو میرے بندے ہیں اُن پر تجھے غلبہ نہیں۔ حکم
ہُوا کہ آپ معصوم ہیں، معصومین کی جماعت میں آیئے اور میری جنت میں داخل ہو جایئے
الٰہ العالمین! نفس مطمئنہ سرکار سید الشہدا کا واسطہ ہمیں ان کی طمانیت کا کوئی ذرہ عطا فرما تاکہ
دنیا بھی اطمینانِ قلب سے کٹے اور آخرت میں بھی طمانیت حاصل ہو۔

# منزل ۱۴

## تفسیر آیہ مبارکہ ان اللہ اشتریٰ الخ

## آیہ مبارکہ "اشترا" کی تفسیر شہدائے کربلا کی کہانی قرآن کی زبانی

ارواحنا لھم الفداء

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۔

(سورہ توبہ آیات ۱۱۱ ، ۱۱۲ پارہ ۱۱ رکوع ۳)

اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور اُن کے مال اس بات کے معاوضے میں خرید کئے ہیں کہ اُن کے لئے جنت ہے وہ راہ خدا میں لڑتے ہیں۔ پس وہ قتل کریں گے بھی اور قتل کئے بھی جائیں گے۔ پس یہ سچا وعدہ توریت میں انجیل میں اور قرآن میں موجود ہے۔ اللہ سے زیادہ اپنا وعدہ پورا کرنے والا کون ہوگا۔ پس یہ سودا جو تم نے اللہ سے کیا ہے اس میں خوش ہوجاؤ اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ وہی توبہ کرنے والے وہی عبادت کرنے والے

حمد کرنے والے۔ روزہ رکھنے والے یا سفر کرنے والے۔ رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے نیکی کا حکم دینے والے بدی سے باز رکھنے والے احکام خدا کی حفاظت کرنے والے اور ایسے ایمان والوں کو خوشخبری دے دو۔

یہ آیات مبارکہ اگرچہ عام معلوم ہوتی ہیں۔ مگر جب ان آیات پر لمحات غور و فکر صرف کئے جائیں تو سوائے مجاہدین کربلا کے اور کسی پر صادق نہیں آتیں۔ یہاں خدا نے ظاہری طور پر ان آیات قرآنیہ میں اپنے بندوں سے اپنا معاملہ بیان کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ مشتری یعنی خریدار یا گاہک ہے۔ ایمان والے بائع یعنی بیچنے والے ہیں۔ اور جنس جس کی خرید و فروخت ہو رہی ہے۔ مومنوں کی جانیں ہیں اور ان کے اموال ہیں اور اس کی قیمت بہشت ہے۔ اس سودے یا معاملے کا وثیقہ یا تمسک توراتؔ، انجیل اور قرآن ہیں اور اس وثیقہ کی مُہر یا سجل بشارت الٰہیہ ہے۔ بعض لوگ دنیا کے مال کو بُرا کہتے ہیں۔ اگر دولت یا مال قابل مذمت ہوتا تو اللہ جل شانہ اس کا گاہک اور خریدار کیوں ہوتا۔ لیکن یہ مال اللہ تعالےٰ مومنین سے خریدتا ہے اس کا مطلب یہ ہُوا کہ مال اگر ایمان کی دوکان پر ہو تو اتنا عظیم الشان ہے کہ اللہ بھی اس کا خریدار ہے۔ ہاں جب کفر و نفاق کی دوکان پر ہو تو قابل مذمّت ہے یہ خدا کی عین رحمت ہے کہ وہ مومنین کے مالوں اور جانوں کو جن کے لئے بقا نہیں فنا ہے خریدتا ہے۔ یعنی فانی چیزوں کو خرید کر جنت اُس کا معاوضہ قرار دیتا ہے۔ جو ابدی راحتوں کا مقام ہے اور نیز مال ہوں یا جانیں ہوں حقیقتاً اللہ کی ملکیت ہیں۔

؏ جو کچھ ہے خُدا کا ہے ہمارا کیا ہے

اور وہ پھر اس کو ہماری ملکیت قرار دے کر ہمیں نفع پہنچانا چاہتا ہے اور فرماتا ہے کہ مُومنین جو جہاد کرتے ہیں ان کی جانوں اور مالوں کا خریدار اللہ تعالےٰ ہے جو قیمت میں بہشت کے عوض خریدتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس معاملے میں ان سے وفا کرے گا۔ اس معاملے کا ذکر صحائف الٰہیہ تورات انجیل اور قرآن میں موجود ہے۔ ان لوگوں کو خوشخبری دو جو یہ معاملہ اللہ تعالےٰ سے

کرتے ہیں۔ ہم بھی مومن کہلاتے ہیں اللہ بہتر جانتا ہے کہ ہم نے یہ معاملہ کبھی اللہ سے کیا ہے یا نہیں اگر ہمیں کبھی یہ معاملہ کرنے کا موقع ملے تو ہم کہاں تک ثابت قدم رہیں گے۔ خدا ہمیں توفیق دے اور ہمارے نفسوں کی شرارت سے ہمیں محفوظ رکھے۔ اللھم احفظنا من شرور انفسنا۔

خدا سے یہ معاملہ کرنے والے دراصل شہدآء ہیں۔ ارواحنا لہم الفدآء۔ ان تمام شہیدوں کے سردار ہیں اور جناب امام حسین علیہ السلام ان کے سردار ہیں سید الشہدآء ہیں۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا ہے۔ اولئك سادة شهدآء امتی الی یوم القیامة (فوائد المشاہد) اور یہ شہدآء کربلا میری امت کے ان شہیدوں کے جو قیامت تک ہوں گے سردار ہیں۔ سورہ توبہ کی یہ آیات قرآنیہ عام ہیں۔ مگر ان آیات کا حقیقی مصداق شہدآء کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ ان آیات قرآنیہ میں جو مؤمنین پر الف لام ہے وہ تعریف کا ہے۔ یعنی وہ خاص مؤمنین ہیں۔ یعنی شہدآء کربلا ہیں۔

چونکہ ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم و اموالھم اللہ تعالےٰ نے خاص مومنین سے ان کی جانوں اور مال کو خرید کیا ہے۔ اس آیہ وافی الھدایہ میں انفس جانوں کا ذکر پہلے ہے اور اموال کا ذکر بعد ہے۔ عام طور پر لوگ اپنے اموال کو پہلے راہ خدا میں صرف کرتے ہیں اور جانوں کو بعد میں مگر کربلا والوں نے پہلے اپنی جانوں کو قربان کیا۔ پھر ان کے اموال کو لوٹ لیا گیا۔ حتیٰ کہ ان کے اجسام میں سے لباس بھی اتار لئے گئے۔

یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون یہ لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں پس مخالفوں کو قتل کرتے ہیں اور خود بھی سب قتل ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر جہاد میں لڑنے والے مخالفوں کو مارتے ہیں کچھ خود بھی شہید ہو جاتے ہیں اور شہید کہلاتے ہیں۔ کچھ بچ جاتے ہیں اور وہ غازی کہلاتے ہیں۔ مگر ان آیات میں خاص ایسے مؤمنین کے گروہ کا تذکرہ ہے جو مخالفوں کو مار کر خود سب کے سب شہید ہو جائیں گے لہٰذا اس حقیقت کا صحیح مصداق شہدآء کربلا ہیں جو سب کے سب شہید ہو گئے۔

سب مجاہدین کا شہید ہو جانا ایک ایسی بات ہے جو کسی اور جہاد میں ہمیں نظر نہیں آتی۔ غزوات سرکار رسالت میں غزوہ بدر سے لے کر غزوہ حنین تک کسی غزوہ میں ایسا نہیں ہوا۔ جنگ جمل اور صفین میں بھی یہ نہیں ہوا کہ سب مجاہدین مقتول ہو گئے ہوں اور ان میں سے ایک بھی زندہ و باقی نہ رہا ہو۔ آیت اشتریٰ کے مطابق ظاہر یہی ہے کہ شہداء کربلا جنگ میں سب کے سب مارے گئے

**فتح وشکست کی توضیح**

ذالک ھُوَ الفوزُ العظیم۔ ان سب کے سب شہید ہونے والوں کے کارناموں کو اللہ نے بہت بڑی کامیابی کہا ہے۔ اگر وقتی طور پر اور مادی حیثیت سے دیکھا جائے تو واقعہ کربلا میں اموی حکومت کو فتح ہوئی اور کربلا والوں کو جو سب کے سب شہید ہو گئے ظاہر بینوں کے نزدیک فتح نہ ہوئی۔ مگر فتح کے معنی کسی لغت میں قتل کرنا اور شکست کے معنی مقتول ہونا نہیں بلکہ فتح کے معنی مقصد کے حصول میں کامیابی ہے۔ اور شکست کے معنی مقصد کے حصول میں ناکامی۔ بنی اُمیہ کا مقصد اسلام کو مٹانا اور زمانہ جاہلیت کی امتیازات کو قائم کرنا تھا۔ اس میں بنو اُمیہ یا یزید کو یقیناً ناکامی ہوئی ہے۔ مولا حسینؑ یا کربلا والوں کا مقصد تھا۔ بقاء اسلام اس طرح یقیناً انہیں کامیابی ہوئی ہے۔ کیونکہ تمام کے شہید ہو جانے کو قرآن کی زبان فوز عظیم یا بڑی کامیابی کہا ہے۔ اسی لئے زیارت امام مظلوم و شہداء کربلا میں دنیا کے کروڑوں انسان شہداء کربلا کی قبور کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں یالیتنا کنا معکم فنفوز فوزاً عظیماً۔ اے کاش ہم بھی آپ کے ساتھ ہوتے اور بڑی کامیابی پر فائز ہوتے۔

اس قرآنی حقیقت پر بھارت کا ایک ہندو مفکر مسٹر سی۔ایس رنگا آیر ان الفاظ میں روشنی ڈالتا ہے۔

"شہید کا خون عمارت مذہب کے لئے سیمنٹ کا کام دیتا ہے۔ شہید زندۂ جاوید ہوتا ہے اور انسان کی معراج شہادت ہے۔ شہید کبھی اپنے مقصد میں ناکام نہیں ہوتا۔ اگر وہ ابتدا سے انتہا تک شہادت کے اصول کو سامنے رکھ کر راستہ طے کرے تو سب کچھ اُس سے چھینا جا سکتا ہے۔ لیکن کامیابی اُس سے چھینی نہیں جا سکتی (شہید انسانیت صفحہ ۲، ۵)

انسان میں دو قسم کی قوتیں ہیں. قوت حیوانی اور قوت روحانی بسا اوقات اپنی قوت روحانی کو رکھتے ہوئے انسان سطحی نظاموں میں مغلوب سمجھا جاتا ہے. مگر وہ اپنی روحانیت کی وجہ سے اصلی فاتح ہوتا ہے. روحانی انسان کے لئے مادیت کے مقابلہ میں شکست کھا جانا اُس کی شکست نہیں بلکہ وہ اس کی کلید فتحیابی ہے. قرآن اسی حقیقت کو بتا رہا ہے کہ سب کے سب کا شہید ہو جانا ناکامی نہیں بلکہ بڑی کامیابی ہے. مگر اس حقیقت کو سمجھنا بہت مشکل ہے قرآن فہمی کے مدعی اور نبوت کے ایک دعویدار کی زبان سے واقعہ کربلا کے متعلق یہ الفاظ ہمارے لئے سرمایۂ حیرت ہیں۔

ع شتان ما بینی و بین حسینکم　　فانی اُیدکل آنٍ و اُنصرُ

اعجاز احمدی ۶۹، ۸۰　　دُرِّثمین صفحہ ۲۲۹، ۲۴۰

کہتا ہے معاذ اللہ مجھ میں اور تمہارے حسین میں بڑا فرق ہے. کیونکہ مجھے تو ہر ایک وقت خدا کی تائید اور مدد مل رہی ہے. نعوذ باللہ (حسین علیہ السلام کی اللہ نے تائید نہیں کی) یہ ہے مدعی نبوت کی قرآن فہمی۔

قرآن آسان نمود اوّل ولے افتاد مشکل ہا

قرآن شروع میں آسان معلوم ہوتا ہے. مگر بعد اس کے سمجھنے میں مشکلیں آپڑتی ہیں۔ میدانِ کربلا میں الہٰی تائید سے امام حسین علیہ السلام جس طرح مؤید و موفق ہوئے وہ اپنی آپ ہی نظیر ہیں. کربلا کا شاہکار جہاں سرکار سید الشہداء سے علم و عمل کا شاہکار ہے. وہاں تائید الہٰی کا بھی شاہکار ہے. سامراجی طاقتوں سے استعانت چاہنے والا اس تائید کو کیا جان سکتا ہے. وہ تو حکومت ظلم کی حمایت کو ہی تائید الہٰی سمجھتا ہے. شہداء کربلا نے فتح و شکست کا معیار قرآنی انداز سے قائم کیا ہے

اگر کوئی یہ کہے کہ آیۂ اشتریٰ میں جو مال کا لفظ ہے وہ مال ہے جو اسباب جہاد کی درستی میں خرچ کیا جاتا ہے یہ ممکن نہیں اس لئے کہ آیت ابتلیٰ میں تصریح ہے کہ اموال اور نفوس کی کمی

سے امتحان ہوگا اور یہ مال وجان کا نقصان ہے۔ جس کو خدا نے فرمایا ہے جو اعدا آدین کے انعال سے ہوا ہے کہ انہوں نے ان کے مال کو لوٹا اور غارت کیا۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُم یہ فعل مضارع معلوم ہے۔ جس کو لام تاکید اور نون ثقیلہ سے موکد کیا گیا ہے۔ اور فوز عظیم کے بعد خداوندعالم شہید ہونے والوں کی اقسام کو بیان کرتا ہے۔

**التائبون** ان مؤمنین خاص میں سے کچھ تائبون بھی ہیں۔ جو توبہ کر کے شہدائے کربلا کے گروہ میں شریک ہوئے۔ یزید کے لشکر کا کمانڈر انچیف عمر بن سعد ۶ محرم کو کربلا پہنچا تھا۔ ۶ محرم سے شب عاشور تک تیس آدمی لشکر یزید سے ایک ایک دو دو کر کے خدمت سرکار سید الشہدا آ امام حسینؑ میں حاضر ہوئے (ابصار العین فی انصار الحسین علامہ سماوی نجفی)

حقیقت میں ایک داعی حق کی بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ کسی ایک انسان کو بھی گمراہی سے نکال کر ہدایت تک پہنچا دے۔ ان تیس آدمیوں کی توبہ سرکار حسین مظلوم کے اصول کی بڑی کامیابی تھی۔ ان توبہ کرنے والوں میں فوج یزید کے اعلیٰ مناصب پر فائز بھی دو آدمی تھے ایک حر جو یزیدی فوج کے ایک دستے کا کمانڈر تھا۔ ایک خزیمہ جو عمر بن سعد کا پرسنل سیکرٹری تھا (فوائد المشاہد)

**العابدون الحامدون** خدا کی عبادت کرنے والے اور خدا کی حمد وثنا کرنے والے یہ بھی کربلا والوں کی خصوصیات ہیں۔ اس بھوک اور پیاس میں، ان خطرات وخدشات میں ان مصائب و آلام میں ایسے نازک حالات میں نہ کسی کو اللہ کی عبادت اور حمد وثنا کرنے کا موقع ملا اور نہ کسی نے اس طرح عبادت اور حمد وثنا کی۔ شب عاشور ان کی عبادت کی یادگار رات تھی۔ خیموں میں تمام رات تسبیح وتہلیل، تحمید وتمجید، تلاوت قرآن اور ادعیۂ ماثورہ کی آوازیں بلند رہیں۔ لشکر یزید کے لوگ ناقل ہیں کہ تمام شب ہم یہ آوازیں سنتے رہے (ابصار العین)

امام حسین علیہ السلام نے شب عاشور کی مہلت جنگ اسی عبادت الٰہی اور حمد وثنا معبود کے لئے لی تھی۔ حضرتؑ کے الفاظ تھے۔ ہم آج کی رات اپنے پروردگار کی خوب عبادت کرلیں اور حمد وثنا، دعا واستغفار میں خوب مصروف رہیں، کیونکہ خدا خوب واقف ہے کہ میں ہمیشہ اس کی

عبادت اور تلاوت قرآن اور اللہ کی حمد وثنا اور استغفار کو محبوب سمجھتا رہا ہوں۔

(طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۸ مطبوعہ مصر)

شب عاشور کے بعد جو صبح نمودار ہوئی وہ ان عبادت کرنے والوں اور ان حمد وثنا بجا لانے والوں نے نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کی ہے۔ جس کی نظیر تاریخ میں ملنی نہایت ناممکن ہے۔ ع

اس طرف طبل بجا یہاں ہوئی لشکر میں آذاں     آئے سجادہ طاعت میں امام دوجہاں

وہ نمازی کہ زبان جن کی حدیث و قرآں     وہ مکبّر کہ جو ایمان کے تن پاک کی شاں

زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں

عابد ایسے تھے کہ سجدے کئے تلواروں میں     (میر انیس)

حسین نفس مصطفیٰ وہی اس میں عادتیں

سپہر تھرتھرا گیا دکھائی وہ شجاعتیں

زمیں جگمگا اٹھی وہ دل سے کی عبادتیں

تن پاک حسین سے چمک رہی تھی آیتیں (منی لکھنوی)

رکوع کی سجود کی قعود کی قیام کی

زمیں پہ سجدہ میں سر رکھ کے سر کو نذر کیا     حسین نام ہے اس شان کی عبادت کا

(سید آل رضا)

السائحون | اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے اس عمل کی بہترین صورت ہی آپ کو شہدائے کربلا میں ہی نظر آئے گی یا کربلا کے اسیروں میں نظر آئے گی۔ انہوں نے سعادت شہادت کو حاصل کرنے کے لئے سفر کئے۔ اللہ کی راہ میں مرنے کے لئے سفر کئے اللہ کی راہ میں مرنے کے لئے اپنے آپ کو خدمت سید الشہداء میں پہنچا دیا یا کربلا کے اسیروں نے ان کی شہادتوں کو ثمر آور کرنے کے لئے سفر کئے۔ اس گروہ میں ایسے شہدائے کربلا بھی ہیں جنہیں امام حسینؑ

نے نامۂ پیام کی خدمت سپرد کی تھی۔ یعنی امام حسین علیہ السلام کے تین قاصد عبداللہ بن یقطر حنظلی سلیمان بن رزین اور قیس بن مسہر صیداوی اسدی ہیں۔ ان سفر کرنے والوں میں وہ حضرات بھی شامل ہیں۔ جو انتہائی پابندیوں کے باوجود کوفے اور اطراف کوفہ سے سفر کر کے خدمت امام میں حاضر ہوئے۔ اور سعادت شہادت سے بہرہ اندوز ہوئے یہ پنتالیس حضرات ہیں اور ان سفر کرنے والوں میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو بصرے سے سفر کر کے وارد کربلا ہوئے۔ اور شہید ہوئے یہ آٹھ بزرگوار ہیں اور ان سفر کرنے والوں میں وہ اعراب بھی ہیں جو منازل مختلفہ سے سفر کر کے خدمت امام میں حاضر ہوئے۔ اور شہید ہو گئے اور وہ تین حضرات ہیں۔

خاندان رسالت کی مخدرات عصمت و طہارت اور ان کی ساتھ ہی کچھ اور عورتیں سفر کرنے والی تھیں۔ عورتیں جذباتی ہوتی ہیں وہ رنج و غم کے جذبات میں بہت سرعت سے اور جلد متاثر ہوتی ہیں۔

دنیا میں کبھی عورتوں کو اس قدر رنج و مصائب اور اس قدر رنج و آلام سے دوچار ہونے کا اتفاق نہیں ہوا۔ جو زینب طاہرہ اور اُن کی ساتھی عورتوں کو درپیش تھے کبھی اتنے بلند خاندان کی عورتوں کو اتنے طویل اور لمبے سفر کرنے نہیں پڑے ہوں گے۔ بھلا عورتوں کا ایسا گروہ کہیں ہے کہ جن کے خاندان کے سب افراد بجز ایک مرد کے شہید ہو گئے ہوں اور ان صدمات کے بعد ننگ انسانیت دشمن گھر میں گھس آئے ہوں اور انہوں نے بیکس بیواؤں اور یتیم بچوں کو لوٹا ہو۔ پھر اُن کے گھروں کو آگ لگا دی ہو۔ انہیں شتر ہائے لاغر پر سوار کیا گیا ہو اور ان کے اردگرد اُن کے بھائیوں اور بھتیجوں اُن کے بیٹوں اور اُن کے عزیزوں ان کے خاندان کے جانثاروں عقیدتمندوں کے سر ہوں زمین کے اردگرد ننگِ انسانیت فوجیوں کا پہرہ ہو اور اُن کے چہروں پر اُن کے عزیزوں کا خون ملا ہو ان کے اردگرد لشکری فتح کے نعرے لگا رہے ہوں،

اور اس گروہ میں شہزادیاں ہوں۔ انہیں ایسے شہر میں قیدی بنا کر لایا جا رہا ہو جو کبھی ان کے تاجدار باپ کا دارالسلطنت تھا۔

**الراکعون** رکوع کرنے والے۔ شب عاشور کے متعلق کتب تاریخ میں وارد ہوا ہے

**بات الحسین واصحابہ تلک اللیلۃ ولھم دوی کدوی النحل ما بین راکع و ساجد وقائم وقاعد** (القمقام الزخار صفحہ ۸۰ لہوف صہ۲۷ مقتل ابن نما صہ۸ مطبوعہ مصر)

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب نے اس رات کو عبادت میں اس طرح گزارا کہ ان کی آوازیں ایسی گونج رہی تھیں۔ جیسے شہد کے چھتے سے مکھیوں کی آواز گونجتی ہے۔ ان میں سے کچھ تو حالت رکوع میں تھے اور بعض حالت سجود میں کوئی حالت قیام میں اور کوئی حالت قعود میں۔ دنیا میں نماز گزار بہت ہیں اور نماز کی مختلف حالتیں قیام قعود رکوع اور سجود ہیں۔ ان کے فلسفے کو معلوم کر کے نماز پڑھی جائے تو انسان پر ایک روحانی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ چنانچہ جو علل الشرائع اور اسرار الصلوٰۃ کی تعلیم دینے والے منصوص من اللہ معصوم اور راسخون فی العلم معلم تھے۔ وہ حقیقی معنوں میں لذائذ عبادت سے بہرہ اندوز تھے۔ چنانچہ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں

**استلذذت استلذاذاً حتی ظننت ان اللہ لا یوجرنی علیہ** (زہر الربیع سید نعمت اللہ جزائری)

زہر الربیع سید نعمت اللہ جزائری مجھے عبادت میں ایسی لذت محسوس ہوئی جو لذت کا حق ہے حتی کہ میں نے اس لذت سے محسوس کیا کہ تحقیق اللہ مجھے اس کا کوئی اجر نہیں دے گا، اصل میں عبادت کے حرکات و سکنات کو اس انداز سے بیان کرنا ان ہادیان دین کا شعار ہے، جن کے نزدیک حسن و قبح اشیاء، شرعیہ عقلیہ ہے۔ ان کے ارشادات کے مطابق اگر آپ حرکات و سکنات نماز کے لموں کو معلوم کرنا چاہیں۔ تو آپ کو فرقہ ناجیہ شیعہ کی پانچ کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ (۱) اسرار الصلوٰۃ (عربی) تالیف شہید ثانی علیہ الرحمۃ (۲) اسلامی نماز اردو تالیف علامہ سید محمد سبطین اعلی اللہ مقامہ (۳) علل الشرائع (عربی) شیخ صدوق طاب ثراہ (۴) علل الشرائع (عربی) تالیف علامہ ابن شاذان علیہ الرحمۃ (۵) انیس الاعلام فی نصرۃ الاسلام فارسی، عربی تالیف

آقائے تدین فخر الاسلام محمد صادق علیہ الرحمۃ امریکائی نومسلم حقیقت میں یہ اسرار سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے بتائے ہوئے ہیں جن کو سلسلۂ ذہبیہ شیعہ کے علماء نے بیان کیا ہے جب ہم نماز پڑھنے کے لئے قبلہ رو قیام کرتے ہیں تو پہلی تکبیر جسے تکبیرۃ الاحرام کہتے ہیں۔ اُسے اس طرح ادا کرتے ہیں۔ کہ رفع یدین کرکے گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ اکبر کہتے ہیں۔ اللہ اکبر جہاں اللہ کی کبریائی کو بیان کرنے والا کلمہ ہے وہ کلمۂ ذبح بھی ہے تو گویا نمازی بارگاہ احدیت میں عرض کر رہا ہے۔ میرے معبود میں نے دنیا ومافیہا سے ہاتھ اُٹھا لئے ہیں۔ اب تیرے رستے میں ذبح ہونے کے لئے آمادہ وتیار اور حاضر ہوں۔ پہلی رکعت کی قرأت کے بعد جب رکوع بجالاتے ہیں تو رفع یدین کے ساتھ کلمۂ ذبح پھر ہماری زبان پر جاری ہوتا ہے۔ رکوع نماز کی حالت وسطیٰ ہے اور یہ وہ حالت ہے۔ جس میں چارپائے اللہ کی عبادت کر رہے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اِن من شیٔ الّا یسبّح بحمدہٖ ولکن لا تفقھون تسبیحھم کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ کر رہی ہو۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ چارپایوں کی تسبیح کی حالت رکوع ہے ماکول اللحم چارپائے قربانی کے جانور ہیں۔ نمازی حالت قیام سے اللہ اکبر کہہ کر گردن کی طرف اشارہ کرتا ہوا رکوع کرتا ہے تو اس عمل سے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کرتا ہے اور عملاً مظاہرہ کر رہا ہے بارالٰہی تیرے راستہ میں قربان ہونے کے لئے آمادہ ہوں۔ شہدآء کربلا حقیقی معنوں میں الراکعون ہیں۔ جنہوں نے رکوع کے اسلامی تخیل کو حقیقت کے رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

**السّاجدون** اور سجدہ کرنے والے ہیں۔ سجدہ معراج صلوٰۃ ہے۔ نماز اگر مومن کی معراج ہے تو سجدہ نماز کا معراج ہے۔ سجدہ قرب الٰہی کا انتہائی مقام ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مومن کے لئے انتہائی قرب معبود کی دو حالتیں ہیں ایک جب وہ روزہ رکھے ہوئے ہو۔ دوسرا جب وہ حالت سجود میں ہو۔ سجدہ اللہ کے بندوں کے لئے انتہائی عجز ونیاز کا مقام ہے۔ اشرف المخلوقات انسان اپنے اشرف الاعضآء دماغ کو اپنے معبود کے حضور میں خاک

پر رکھ دیتا ہے۔ انسان کا اپنے مرکز عقل و شعور دماغ کو عاجزی اور خشوع و خضوع سے خاک پر رکھنا سجدہ ہے۔ انسانی پیشانی مُخ کا مقام ہے سجدے کی صورت میں مخ جھک جاتا ہے اَب مخ پر انسانی حیات شاعرہ کا انحصار ہے تو جب انسان سجدہ کرتا ہے تو گویا خدا کے حضور میں عملاً عرض کر رہا ہے کہ میں نے اپنی حیات شاعرہ کو تیری اطاعت میں جھکا دیا ہے اب میری ساری سوجھ بوجھ عقل و فراست، علم، احساس و ارادہ اور عمل تیری اطاعت اور تیری رضا میں صرف ہوگا۔ شہدائے کربلا سے بڑھ کر اس لحاظ سے الساجدون کون ہو سکتا ہے انہوں نے اپنی ساری حیات شاعرہ کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حقیقی سجدہ کیا ہے۔ رکوع و قیام کے بعد نمازی کلمہ تکبیر جو وقت ذبح کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ اکبر کہتا ہُوا اپنا سر زمین پر رکھ لیتا ہے اور درگاہ سرکار احدیت میں عملاً عرض کرتا ہے۔ اے میرے معبود اب تو میں نے اپنا سر بھی قربانی کے لئے زمین پر رکھ دیا ہے۔ اسے قبول فرما۔

ان معنوں میں شہدائے کربلا سے بڑھ کر کون الساجدون ہو سکتے ہیں۔ جن کے سجدوں کو اللہ نے قبول فرما کر اُن کی قربانی کو قبول کر لیا۔ ان کی قربانیوں کو شرف قبولیت بخشا ان شہدائے کربلا کے آقا اور سردار سرکار سید الشہداء روحنا لہ الفداء نے اس شان سے اپنا سر سجدۂ معبود میں رکھا کہ اُسی سجدہ میں قربانی قبول ہوئی، سر سجدے سے آپ نے زندگی میں نہیں اُٹھایا۔ اس لئے آج تک اس ساجد کا سر سجدۂ معبود میں ہے اور روز حشر حالت سجود میں محشور ہوگا۔ سجدہ ختم نہیں ہُوا تھا۔ کہ اللہ کی طرف سے خطاب ہُوا تھا۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی فی جنتی۔ اے صاحب اطمینان نفس اپنے رب کی طرف لوٹ آ تو اُس سے خوش اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا اور معراج الصلوٰۃ سجدہ کے بعد ان ساجدوں کے سرتاج کے سر کو نوک نیزہ پر معراج ہوئی۔ ؎

کہتا تھا سر حسین کا نیزے پہ دیکھ لو ہوں لاکھ انقلاب رہیں گے ہمیں بلند
(انجم آفندی)

اس سرتاج ساجدین اور اس کے ساتھی سجدہ گزاروں نے کچھ اس شان سے سجدہ کیا گویا خاک کربلا کے ذرے ذرے میں سجدہ سمو دیا۔ آج اُس خاک کا جو ذرہ بھی اس سرزمین سے باہر آتا ہے وہ تسبیح بن کر یا سجدہ گاہ بن کر نکلتا ہے۔

میری دُعا ہے۔ تیرے اس حقیر بندے کی دُعا ہے کہ اے معبود میرے

ع کربلا را مدفن من ساز کہ تا تربت من سجدہ گاہ ملک سبحۂ ابرار شود

میرے معبود کربلا کو میرے دفن ہونے کی جگہ بنا دے تاکہ میری خاک فرشتوں کی سجدہ گاہ اور نیک انسانوں کی تسبیح ہو جائے۔

جس طرح آیۂ اشتریٰ میں رکوع و سجود کا ذکر ہے اور توراۃ و انجیل کا ذکر ہے اسی طرح سورہ فتح میں بھی ان دونوں کا ذکر موجود ہے۔ سورہ فتح کی ان آخری آیات پر غور و فکر کریں۔ غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا بھی تعلق جس طرح زمانۂ رسالت سے ہے۔ اسی طرح زمانۂ سرکار شہادت امام حسین علیہ السلام سے بھی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۗ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۗ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ تف (سورہ الفتح آیت ۲۹ پارہ ۲۶ رکوع ۱۲)

خداوند عالم نے جو آیہ اشتریٰ میں توراۃ اور انجیل کا ذکر فرمایا اب اُس کی تائید سورہ فتح میں پھر فرمائی۔ چنانچہ فرمایا محمد رسول اللہ اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں (حقیقی صحبت مراد ہے نہ کہ صحبت ظاہری جو کہ منافق و کفار کو بھی حاصل تھی۔) اور وہ لوگ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں نرم اور رحم کرنے والے ہیں۔ اے محمد ان کو رکوع اور سجود میں ہمیشہ ہمیشہ مشغول پائے گا۔ اس عبادت سے ان کی خواہش فضل خدا، رحمت خدا کی ہوتی ہے۔ پیشانیوں میں ان کے سجدوں کے نشان ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی مثال توراۃ اور انجیل میں دی گئی ہے

مثال کو ہم آگے چل کر لکھیں گے۔ یہ چوتھی دلیل ہے۔ ان میں سے جنہوں نے ایمان لا کر نیک عمل کیا ہے۔ اُن پر خدا وعدہ مغفرت اور اجر عظیم کر چکا ہے یہ وعدہ اور وعدہ آیت اشتریٰ دونوں ایک ہیں۔

تیسری وجہ استدلال آیہ اشتریٰ سے یہ ہے کہ خدا اُن مؤمنین کی صفات بیان کرتا ہے اور سات صفات کا ذکر فرماتا ہے مثلاً زاہد ہیں عابد ہیں وغیرہ وغیرہ اور سورہ فتح میں یہ صفات چھ صفات وارد ہوئی ہیں۔ تو دونوں سورتوں میں جملہ صفات تیرہ[۱۳] ہوئیں۔ ان میں سے تین مشترک لہٰذا اسقاط مکررات کے بعد دس باقی رہیں۔ پس ہم اس وقت ان ہی صفات مشترکہ سے استدلال کرتے ہیں۔

اوّل یہ کہ توراۃ اور انجیل میں اُن کا ذکر ہے اور خاص ان کی مثال جو توراۃ اور انجیل میں ہے وہ مخصوص امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب سے ہے۔ دیکھئے خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کی مثال توراۃ اور انجیل میں بھی دی گئی ہے یہ لوگ مانند اُن زراعت کے ہیں جس کی سبز شاداب زراعت اونچی اور قوی ہوئی جسم کمزور نہیں پھر رفتار میں قطار در قطار بڑے ہوئے پھر اپنی شاخوں پر درست ہو کر قائم ہوئی۔ کاشتکار اُس کے ایسے پھلنے سے شگفتہ خاطر ہوئے۔ لے محمد صلعم کفار کو غیض و غضب اس سے ہوتا ہے دوسری آیت میں اس کو شجرہ طیبہ فرمایا۔ جس کی جڑ زمین میں ثابت اور شاخیں آسمان پر ہیں۔ اسی شجرہ طیبہ سے مراد نسل رسالت ہے۔ سورہ کوثر میں کثرت نسل کے متعلق ارشاد فرمایا ہے انّا اعطینٰک الکوثر۔ کوثر سے کثرت اولاد مراد ہے غیظ و غضب کرنے والے کفار کو شجرہ طیبہ کے مقابلہ میں شجرہ خبیثہ فرمادیا کہ اس کو پائیداری نہیں۔ اِس سے مراد بنی اُمیہ کا شجرہ ہے۔ بقول صادق آل محمد علیہم السلام ان آیات کا منطوق زمانہ سرکار رسالت سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر ان الفاظ کے مفہوم کا تعلق شہادت کے زمانہ میں ہو رہا ہے۔ اب سورہ اشتریٰ میں شہدائے کربلا کی سجود و رکوع کے بعد جو صفت بیان ہوئی ہے وہ ہے۔ اٰلاٰمرون بالمعروف

والنّاهُونَ عَنِ المنکر اسلام میں نیک کاموں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہلاتا ہے اور یہ ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ مگر جن حالات میں اور جیسے ماحول میں شہدائے کربلا نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دیا اس سے تاریخ خاموش نہیں ہے۔ حضرت مسلم بن عقیل۔ عبداللہ بن زیاد کے دربار میں جس طرح انہوں نے اس فریضہ کو انجام دیا اُسے ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ اسی طرح سرکار سید الشہدآ کی وہ تقریر جس میں انہوں نے منزل بیضہ میں لشکر حُر کو خطاب کیا ہے۔ اُسے بھی ہم تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔ زہیر بن قین نے یزیدی لشکروں کے سامنے اس فریضہ کو اس طرح انجام دیا اور فرمایا اے اہل کوفہ میں خدا کے عذاب سے تم کو ڈراتا ہوں۔ خوف خدا سے کام لو۔ دیکھو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے برادر مسلم کو خیر خواہی کے ساتھ نصیحت کرے اور سچا مشورہ دے اور ہم تم ابھی تک بھائی بھائی ہیں۔ ایک ہی دین اور ایک ہی ملت پر ہیں۔ جب تک عملی طور پر ہمارے درمیان تلوار نہ کھچے۔ اس وقت تک ہمیں حق ہے کہ تمہیں نصیحت کریں۔ جس کے تم مستحق ہو اور تمہیں نیک صلاح دیں بیشک جب ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار کھچ جائے گی۔ اس وقت وحدت اسلامی کا رشتہ منقطع ہو جائے گا۔ پھر ہم ایک فرقہ ہوں گے اور تم دوسرا فرقہ ہو گے۔ خدا نے ہمارا اور تمہارا امتحان اپنے نبیؐ کی اولاد کے بارہ میں کیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ہم اور تم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ دیکھو زیاد اور اُس کے بیٹے عبیداللہ کے زمانے میں تمہارے لئے کوئی اچھائی نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ لوگ ہیں جو تمہاری آنکھوں میں سلائیاں پھراتے رہے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں قطع کراتے رہے اور تمہارے اچھے لوگوں اور حفاظ قرآن حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں اور ہانی بن عروہ جیسے اشخاص کو قتل کرتے رہے (تاریخ طبری)

حضرت حبیب بن مظاہر نے قرّہ بن قیس حنظلی کو جبکہ وہ عمر سعد کا پیغام سرکار سید الشہدُ کو پہنچا کر جانے لگا فرمایا اے قرّہ بن قیس ظالم جماعت کی طرف کہاں واپس جاتے ہو آؤ اور اس مظلوم کی مدد کرو۔ جس کے بزرگوں کی بدولت تمہاری اور ہماری ہدایت ہوئی ہے۔

حضرت حُر فوج یزید سے نکل کر اپنی ہی فوج کو جس کے ابھی وہ افسر تھے ۔ چونکہ اُنہیں اُس کے عہدے سے برطرف نہیں کیا گیا تھا۔ فرماتے ہیں اے کوفہ والو خدا تمہیں غارت کرے تم نے اس بزرگوار کو آنے کے لئے کہا اور جب وہ آئے تو تم نے اُسے دشمن کے سپرد کر دیا۔ تم نے خیال ظاہر کیا تھا کہ تم اُن پر جانیں نثار کرو گے۔ پھر تم نے خود ہی اُن پر چڑھائی کر دی اُن کے قتل پر آمادہ ہو گئے تم نے اُن کے سانس کی آمد و شد کو بند کر رکھا ہے۔ گلا گھونٹنے پر آمادہ ہوا اور چاروں طرف سے اُنہیں گھیر رکھا ہے۔ تم نے اُن کو خدا کی چوڑی چکلی زمین میں جدھر وہ امن کا راستہ پائیں جانے سے روک دیا ہے اور وہ تمہارے ہاتھ میں قیدی کی طرح سے بنے ہوئے اور بے لبس ہیں۔ تم نے اُن کو، اُن کے اہلِ حرم کو، بچوں کو اور اُن کے اصحاب کو فرات کے بہتے ہوئے پانی سے روک دیا ہے۔ وہ پانی جس کو یہودی، نصرانی اور مجوسی تک پیتے ہیں اور عراق کے سؤر اور کتے تک اُس میں آکر لوٹتے ہیں اور یہ لوگ ہیں کہ پیاس نے ان کو جاں بلب کر رکھا ہے۔ کیا بُرا وہ سلوک ہے۔ جو تم نے محمد مصطفیٰ کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کیا، خدا تم کو اُس شدت والی پیاس کے دن سیراب نہ کرے۔ اگر تم ابھی آج اسی دم توبہ نہ کر لو اور اپنے طرزِ عمل سے پشیمان ہو کر باز نہ آجاؤ۔

(طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۵)

**الحافظون لحدود اللہ** | اللہ کے قوانین کی حفاظت کرنے والے کربلا کا سارا معرکہ قوانین الٰہیہ کی حفاظت کے لئے تھا۔ یزید کے زمانہ میں قوانین الٰہیہ معطل ہو چکے تھے حلال محمد کو حرام اور حرام محمد کو حلال کر دیا گیا تھا۔ معرکہ کربلا انہی قوانین کو بحال کرنے اور تغیّر سے بچانے کے لئے تھا۔

**وَبَشِّرِ الْمُؤمِنِين** | تم اے رسول ان مومنین خاص کو بشارت دو، چونکہ وہ اس الٰہی معاملے میں جو اُنہوں نے اللہ سے کیا کامیاب ہوئے اگرچہ مادی انسانوں کی نظر میں اُنہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ مگر اُن کے اصول کی فتح ہوئی اور وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ اس لئے

خوشخبری کے مستحق ہیں۔ ان امور کو جنہیں ہم گزشتہ آیات میں بیان کر چکے ہیں۔ حروف مقطعات میں بیان کر دیا ہے۔ آیتہ الٓمٓ ۱ الٓمٓ سورہ بقرہ کی پہلی آیت۔ تفسیر صافی میں ہے فرمایا کہ الٓمٓ واقعہ کربلا کی تاریخ ہے۔ جب ہم نے واقعہ کربلا کا جمل کبیر سے حساب کیا تو الف۔ لام کے اکہتر عدد ہیں۔ یہی اکہتر عدد ہمارے نبی کی بعثت میں شمار ہوتے ہیں۔ الٓمٓرٰ۔ سورہ رعد کی پہلی آیت ہے۔ ۲۷۱ تاریخ امامت صاحب العصر والزمان ہے۔ المص سورہ اعراف کی پہلی آیت ہے یہ تاریخ پوری خلافت بنی اُمیّہ کی ہے اسی طرح اور بھی مقطعات قرآنیہ ہیں جو سب کے سب ان حادثوں پر جو اہلِ بیت پر گزرے ہیں پورے اُترتے ہیں۔ اُن کی خبر اللہ نے سرکار رسالت کو رمز میں دی تھی۔ چنانچہ آداب شاہانہ بھی اسی طرح کے ہیں، کہ بادشاہ اپنی سلطنت کے رازہائے پوشیدہ اپنے خاص خاص عہدیداروں کو سپرد کر دیتے ہیں۔ ان حسابات کا سن بعثت سے شمار کرنا اس وجہ سے ہے کہ اصل تو نبوت کی ابتداء بعثت کے دن سے ہوتی ہے۔ سن ہجری تو بعد میں ہے۔ لہٰذا اصلی سن کا لحاظ ضروری ہے، اسی طرح جو حدیث کھیعص سورہ مریم کی پہلی آیت کی تفسیر کے متعلق وارد ہوئی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ (ک) سے مراد ہے کربلا (ہ) سے ہلاکت (ی) سے یزید (ع) سے عطش امام حسین علیہ السلام اور اُن کے بچوں کی پیاس اور (ص) سے صبر امام حسین علیہ السلام کا اور اس تفسیر کی مناسبت قصہ حضرت یحییٰ سے ظاہر ہوتی ہے۔

نوٹ:۔ شہدائے کربلا کے مفصل حالات میری تالیفات شہزادہ یثرب عالم ہجرت میں جلد ۳ و شہیدانِ فرات جلد ۱ میں مطالعہ کر سکتے ہیں، شہیدانِ فرات کی باقی جلدیں مکمل ہو چکی ہیں، انشاء اللہ عنقریب شائع ہوں گی انشاء اللہ۔

# منزل (۱۵)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ط اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ (سورہ البقرہ آیت ۱۵۵ تا ۱۵۷ پارہ ۲)

ہم ضرور تم کو کچھ خوف سے اور کچھ بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں (اولاد) کے نقصان سے آزمائیں گے۔ اے رسول ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری پہنچا دو جو مصیبت پڑنے کے وقت کہتے ہیں کہ بیشک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہم اُسی کے حضور میں پلٹ کر جانے والے ہیں یہی وہ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی جانب سے صلوٰۃ اور رحمت ہے اور وہ ہی ہدایت یافتہ ہیں۔

ان آیات کے ابتداء میں پانچ امور کا نبقص صریح خدا نے ذکر فرمایا ہے، جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے اور اس میں کوئی امر متشابہ بھی نہیں ہے۔ خوف، بھوک، مال کی کمی جانوں کی کمی اور ثمرات یعنی اولاد کی کمی ظاہر ہے کہ سوائے بھوک کے ہر ایک کمی سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ پھر خوف کو جداگانہ ذکر کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خوف جس سے خدا کسی کا امتحان لے گا۔ وہ ان تینوں خوفوں سے جداگانہ اور علیحدہ ہے۔ اموال اور جان اور ثمرات کا خوف دنیوی خوف ہیں اور کوئی دنیا کا خوف اِن سے باہر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں خوف امور دینیہ کا خوف ہے یہ خوف ہر قسم کے خوف سے

بڑا اور اہم خوف ہے۔ اسی لئے خدا نے اس کو سب سے پہلے ذکر کیا ہے۔ تمام قسم کے امتحانات سے اِسے مقدم اور اہم رکھا ہے۔ اور بعنوان نکرہ جس پر تنوین تعظیم کی ہے ارشاد فرمایا۔ یعنی یہ خوف اس ابتلاء میں ایک بڑی چیز کا خوف ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ امور دینیہ میں خوف بالخصوص انہی حضرات سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ جن کو خدا نے حفاظت دین کا کفیل اور ضامن مقرر فرمایا ہو اور امور دینیہ کا انتظام اُن کے سپرد کیا ہو۔ قرآن میں انہی لوگوں کو اولی الامر کے معزز لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ وہی حضرات انبیاء اور اوصیاء انبیاء اور آئمہ طاہرین ہیں ان سب پر خدا کا درود و سلام ہو۔ اور امام حسین علیہ السلام بھی اُن میں سے ہیں۔ یزید اور اُس کی حکومت کے بدترین حالات ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ دینی امور ایسے حالات تک پہنچ چکے تھے کہ اگر امام حسین علیہ السلام حمایت دین اسلام کی غرض سے کھڑے نہ ہوتے تو شرائع اسلام برائے نام بھی باقی نہ رہتے۔ اسی جہاد کی طرف سرکار رسالت نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے دونوں فرزند حسنینؑ امام ہیں۔ جہاد کریں یا ترک جہاد کر کے مصالحت کریں۔ قائم سے مراد وہی امام حسین علیہ السلام ہیں جو دین کی حفاظت کے لئے قائم بالجہاد ہوئے۔ دین کا خوف ایسا عظیم خوف ہے کہ اس کے سامنے کی اموال، جان اور ثمرات کا خوف کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ خدا پاک جب اپنے کسی بندے کا اُس کے افعال اختیاری سے امتحان لیتا ہے اور ابتلاء نازل کرتا ہے تو یہ امتحان دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم خاص تو اُسی بندے کے افعال سے ہوتی ہے۔ جس کا امتحان لینا منظور الٰہی ہے۔ دوسری قسم اُس بندے کے افعال سے اور اُس کے غیر کے افعال سے بھی متعلق ہوتی ہے۔ مثلاً خدا اگر کسی کا مظلوم ہونے میں امتحان لے اُس کا امتحان تو یہ ہوتا ہے کہ یہ بندہ کہاں تک ظلم برداشت کر سکتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کا امتحان انہی دو قسم کا تھا۔ خدا نے جیسا کہ ظلم برداشت کرنے میں آپ کا امتحان لیا۔ اُسی طرح ظالموں کا امتحان لیا کہ آخر اِن کے ظلم کی کوئی حد ہے۔ یہ ظالمین اپنے ظلم کے اس درجہ میں پہنچے کہ اُس سے

بڑھ کر ظلم کی کوئی حد نہیں ہو سکتی۔ اس آیت مبارکہ میں خدا نے پہلے تو امور دینیہ کے خوف میں ابتلاء کا ذکر فرمایا، اُس کے بعد بھوک سے امتحان کا ذکر کیا۔ سب کو معلوم ہے کہ امام حسین علیہ السلام تین روز تک بھوکے پیاسے رہے مگر پیاس کا ذکر اس آیت میں بتصریح نہیں اس لئے کہ پیاس بھوک کو لازم ہے۔ لہٰذا اُس کے ذکر سے استغناء فرمائی دوسری آیت میں پیاس کا ذکر بھی فرمایا ہے، جس کو ہم آئندہ لکھیں گے۔ اب بھوک اور پیاس سے خدا نے جس طرح حضرت کا امتحان لیا اُس سے غرض یہ تھی کہ اُن کا صبر و استقلال دیکھے اور امتحان کے بعد اُس کی جزا ان کو اس دنیا سے کیا دے گا۔ یہ بھی آئندہ کی آیات سے معلوم ہوگا۔ اس طرح خدا نے ان ظالموں کا بھی امتحان لیا، جنہوں نے حضرت پر آب و غذا بند کر رکھی تھی۔ وہ اس ظلم میں انتہائی درجۂ شقاوت پر پہنچے۔ تا اینکہ انہوں نے ایسا ترحّم بھی برگزیدہ انسانوں سے اختیار نہ کیا جیسا کہ عام انسان عام حیوانات کے لئے اختیار کرتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام اور اصحاب کے چھوٹے چھوٹے بچے جن میں چند شیر خوار بھی تھے۔ پیاس کی شدت سے جاں بلب تھے اور وہ سنگ دل بے رحم صبح و شام بچوں کے رونے کا غل سنتے تھے۔ حالت ایسی تھی کہ اگر پتھر کا کلیجہ ہو وہ بھی پانی ہو جائے۔ مگر ان کو ذرا سا بھی احساس نہ تھا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا شقاوت ہوگی۔ امام حسین علیہ السلام نے خود اپنے شیر خوار علی اصغر کو اُن کے سامنے لا کر دکھایا جو حضرت کے ہاتھوں پہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور اُن سے کہا کہ تم خود اس کو پانی کا ایک قطرہ پلا دو۔ اس کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہ دیا ہاں ایک تیر ضرور مارا کہ بچہ تڑپ تڑپ کے آپ کے ہاتھوں پر شہید ہو گیا۔ اُن ظالموں پہ خدا کی لعنت ہو۔ امام حسین علیہ السلام کا بھوک اور پیاس سے امتحان اس درجہ پر ہوا ہے کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب حضرت آدم سے آپ کے حالات بیان کئے اُن میں ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ اُن کی آنکھوں کے سامنے دھواں سا

اٹھ کر آسمان دیکھنے میں حائل ہوگا۔ اب ہم امت سرکار رسالت سے پوچھتے ہیں کہ کوئی شخص تاریخ میں آپ کو ایسا نظر آیا ہے۔ جس کا بھوک اور پیاس سے ایسا امتحان لیا گیا ہو۔ کتب تواریخ تو آپ کے سامنے موجود ہیں۔ مال کی کمی کو خدا نے بطور اضافت کے بیان نہیں کیا بلکہ من الاموال فرمایا ہے اور من کی لفظ علت بیان کر رہی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے مولا حسین علیہ السلام بظاہر مال دار نہ تھے۔ اس کے اثبات میں ہم یہی کہتے ہیں کہ اہل اسلام کی تاریخی کتب کو دیکھو بلکہ مذاہب غیر کی تاریخی کتب دیکھو۔

عیسائیوں کی تاریخ آج کل معتبر سمجھی جاتی ہے۔ مال کی کمی کی حد تاریخ پڑھنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ بعد شہادت جب خیام اہل بیت کو لوٹا گیا کسی مؤرخ نے نہیں لکھا کہ اس لوٹ میں روپیہ اشرفی نوٹ کسی نے پائے ہوں۔ ہاں البتہ زیورات کی لوٹ میں علیا جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کے دونوں گوشواروں کے لوٹنے کی کیفیت ملتی ہے جس کے ذکر سے اور جس کے سننے سے خوف خدا رکھنے والوں کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ دختران رسول کے ایسے واقعات کو بے ادبی سے بیان کروں۔ جانوں کی کمی مال کی کمی پر معطوف ہے دونوں کا حال یکساں ہے حضرت کے اصحاب و انصار سب شہید ہو گئے۔ اٹھارہ افراد خاندان رسالت کے شہید ہوئے۔ خاندان رسالت کے ان شہدار کو جو کربلا میں شہید ہوئے۔ شہدآء نبی ہاشم کہا جاتا ہے۔ یہ خاص کو عام بنانے کی صورت ہے۔ ہم ان حضرات کو اس وقت شہدآء بنی ہاشم کہتے اگر کسی اور ہاشمی سردار کی اولاد بھی کربلا میں شہید ہوئی ہوتی۔ یہ سب شہدآء راہ خدا اولاد ابی طالب عمران ہیں۔ اس لئے ہم انہیں شہدآء آل عمران یا الطالبین کہہ کر حق صداقت ادا کر رہے ہیں۔ ابوطالب عمران اور ان کی اولاد نے بھی تاسیس اسلام میں حصہ لے کر اسلام کو اسلام بنایا۔ اولاد ابی طالب نے ابقاء اسلام کی جدوجہد میں حصہ لے کر اسلام کو زندہ و جاوید کر دیا۔

ع حیاتِ جاوداں اسلام میں یوں ہی نہیں آئی
بہت انمول جانیں کی فدا ہیں آلِ عمراں نے

اس کی تفصیل یہ ہے ۔ اولاد عقیل کے آٹھ افراد شہید ہوئے ۔

(۱) مسلم بن عقیل (۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۳) محمد بن مسلم بن عقیل محمد اکبر (۴) محمد بن مسلم بن عقیل محمد اصغر (۵) ابراہیم بن مسلم بن عقیل (۶) عبدالرحمٰن بن عقیل (۷) جعفر بن عقیل (۸) محمد بن ابی سعید بن عقیل علیہم السلام

اولاد جعفر طیار :۔ (۱) عون بن عبداللہ بن جعفر طیار (۲) محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار علیہما السلام ۔

اولاد جناب امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام

(۱) امام حسین علیہ السلام (۲) عباس بن علی (۳) عثمان بن علی (۴) جعفر بن علی (۵) عبداللہ بن علی (۶) محمد اصغر عبداللہ بن علی علیہم السلام

اولاد امام حسن علیہ السلام تین افراد

(۱) قاسم بن الحسن (۲) عبداللہ بن الحسن (۳) ابوبکر بن الحسن

اولاد امام حسین علیہ السلام دو افراد

(۱) شبیہ پیغمبر علی اکبر (۲) طفل رضیع عبداللہ علی اصغر علیہما السلام

علی اکبر :۔ اگرچہ تمام شہدآ کربلا اپنی اپنی خصوصیات اور امتیازات میں مخصوص و ممتاز ہیں مگر ہم بخوف طوالت صرف دو شہید ہونے والی مخصوص شخصیتوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں

شبیہ رسول حضرت علی اکبر علیہ السلام

شخصیت :۔ حضرت علی اکبر بعض امتیازات میں اپنی نظیر اور مثال نہیں رکھتے تھے ، سرکار رسالت سے بہت ہی مشابہ تھے ، حسن و جمال میں مشابہ تھے ۔ اخلاق و لب و لہجہ ، انداز تکلم و گفتگو میں مشابہ تھے ۔

أَشْبَہُ الخلق برسول اللہ خلقاً خُلقاً ونطقاً۔ خَلق میں خُلق میں اور نطق میں رسول اللہ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

جب امام حسین علیہ السلام منزل قصر بنی مقاتل پر پہنچے غنودگی کی کیفیت طاری ہوئی چشم مبارک کھلی تو آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ راجعون والحمد للہ رب العالمین کی تین دفعہ تلاوت فرمائی، حضرت علی اکبر نے آگے بڑھ کر تلاوت کا سبب پوچھا تو حضور نے فرمایا۔ بیٹا اس وقت جو میری آنکھ لگ گئی تھی تو میں نے دیکھا کہ ایک ہاتف غیبی کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ تو جا رہے ہیں اور موت ان کی طرف آ رہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہاتف ہماری موت کی خبر دے رہا ہے۔ اس پر حضرت علی اکبر نے عرض کیا یا باجان کیا ہم حق پر نہیں؟ حضرت علی اکبر نے عرض کیا کہ مرنے سے ہمیں کوئی خوف نہیں ہم موت پر جا پڑیں یا موت ہم پر آ پڑے۔ اس پر سید الشہدآء نے ارشاد فرمایا اللہ تمہیں جزاء خیر عطا فرمائے۔ عرفان کی دوسری یہ دلیل ہے کہ لڑتے لڑتے پیاس کی شدت کی وجہ سے ایک دفعہ خیمے میں آئے یہ نہیں عرض کیا کہ بابا مجھے پانی پلا دو صرف یہ کہا یا ابتاہ العطش قد قتلنی یا باجان پیاس نے مجھے مار ڈالا سوال نہیں کیا اس کے بعد رہنمائی چاہی۔

فھل لی شربۃ من الماء سبیل؟ ایک گھونٹ پانی کے حاصل کرنے کی مجھے تدبیر بتائیں۔

تیسری عرفان کی یہ صورت تھی کہ ہر شہید کربلا جب جنگ میں گرتا تھا تو امام حسینؑ کو ان الفاظ میں آواز دیتا تھا مولا آیئے اور مجھے اٹھایئے۔ لیکن حضرت علی اکبر نے یہ فقرہ نہیں کہا بلکہ با آواز بلند کہا یا ابتاہ علیک منی السلام باباجان آپ پر میرا آخری سلام ہو۔

حضرت علی اکبر شجاعت میں یگانہ تھے، اسی روز عاشور جب آپ میدان جنگ میں گئے تو سرکار سید الشہدآءؑ کے سوا کسی شہید نے دو سو آدمیوں کو ایک حملے میں قتل کیے

گھاٹ اُتارا۔ ایک پیاسے اور فاقہ کش بے حال انسان کے لئے دو سو تلواریں مارنا کتنا دشوار ہے۔ دو سو آدمیوں کو قتل کرنا اس سے بھی بڑی بات ہے۔ حضرت علی اکبر میدان قتال میں پھر مڑتے دو سرا رجز پڑھا جنگ فرمائی اور چالیس آدمیوں کو قتل کیا۔ عمر بن سعد نے نوفل اور ایک دوسرے فوجی افسر سے کہا کہ تم دونوں ایک ایک ہزار یا دو دو ہزار سوار لے جاؤ اور دو طرف سے حملہ کر دو یہ لوگ گئے اور انہوں نے شکست کھائی۔ پھر عمر بن سعد نے فریاد کی کہ ایک اکیلے بچے سے اس قدر زیادہ فوجی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسے چاروں طرف سے گھیر کر کیوں لڑائی نہیں لڑتے۔ لشکر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑا۔

**شہادت شبیہ پیغمبر حضرت علی اکبرؑ** اس وقت مُرہ بن منقذ پشت کی طرف سے آیا۔ اور علی اکبر کے سر مبارک پر ایک تلوار ماری۔ حضرت علی اکبر کا سر شگافتہ ہو گیا۔ اس ضرب سے حضرت علی اکبر کمزور ہو گئے۔ نہ اس قدر طاقت تھی کہ سر شگافتہ کے ساتھ گھوڑے پر سیدھا بیٹھیں نہ یہ آپ کی غیرت کا تقاضہ تھا کہ اپنے کو گھوڑے سے گرائیں اور رکاب خالی کر دیں ناچار اپنے ہاتھوں کو گھوڑے کی گردن میں ڈال دیا۔ اس حالت میں گھوڑے کے واسطے باہر نکلنے کے لئے رستہ نہ تھا۔ کیونکہ لشکر نے اس مظلوم کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا گھوڑا اپنے سوار کے ساتھ دشمن کے لشکر میں دوڑ رہا تھا۔ لشکر کے چاروں طرف سے تلواریں پڑنے لگیں۔ یہاں تک کہ آپکے جسم اطہر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اسی حالت میں جب آپ زمین پر گرے روح بدن سے پرواز کر گئی۔ انّا للّٰہِ وانّا الیہ راجعون ط

**دوسری شخصیت** سرکار وفا، آبروئے وفا، جان وفا حضرت عباس علیہ السلام کی **جلالت شان** صادق آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں۔ جناب عباس صاحب علم و بصیرت اور کامل الایمان تھے۔ آپ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی رفاقت میں جہاد کیا۔ اور بے انتہا مصائب جھیلے۔ اور راہ خدا میں شہید ہوئے۔ سرکار وفا عباس اور ان کے بھائیوں کا امتحان وفا حضرت ام البنین کے بھتیجے عبداللہ نے

ابن زیاد سے کہا کہ ایک امان نامہ ہماری پھوپھی کے بیٹوں عباس بن علی اور ان کے بھائیوں کے لئے لکھ دو۔ اس کی تائید شمر نے بھی کی ابن زیاد نے امان نامہ لکھ دیا۔ عبداللہ نے وہ امان نامہ اپنے غلام کزمان کے ہاتھ حضرت عباس علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ جب وہ امان نامہ سرکار وفاء اور ان کے بھائیوں نے پڑھا تو کذمان سے کہا خدا کی امان ہمارے لئے کافی ہے جو اس ولدالزناء کی امان سے بہتر ہے۔ یہ سن کر وہ غلام کذمان واپس چلا گیا۔ روزِ عاشور شمر نے پھر یہ امان نامہ پیش کیا۔ مگر ان وفاء کے پیکروں نے اس کی طرف التفات نہیں فرمائی ان امان ناموں کو اس طرح مسترد کرنا وفاشعاری کا شاہکار ہے۔ سرکار سید الشہدآ کو ان سے اتنی محبت تھی کہ ان کو اکثر اس طرح ارشاد فرماتے تھے۔ نفسی فداك یا اخی عباس۔ بھیا عباس تم پر میری جان فدا ہو۔ حضرت عباس نے میدانِ جنگ میں جانے سے پہلے اپنے بھائیوں سے فرمایا۔ میرے شیرو اب تم اپنی جانیں فرزند رسول پر فدا کرو۔ یہ تینوں سعید انسان حسب فرمان داد شجاعت دیتے کر شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد سرکار وفا حضرت عباس خود خدمت امام میں حاضر ہوئے اور اذن جہاد طلب کیا۔ امامؑ نے حسرت بھری نگاہ سے دیکھ کر فرمایا۔ عباس تم میرے علمدار ہو اور میرے لشکر کی زینت ہو۔ جناب عباس نے عرض کیا۔ آقا مجھ سے تحمل ممکن نہیں۔ میں زندگی سے سیر ہو چکا ہوں۔ امام نے فرمایا اچھا جاتے ہو تو پانی کی فکر ضرور کرنا۔ عباس مشک کاندھے پر ڈال کر فرات کی طرف روانہ ہوئے۔ دشمن کی فوج پر حملہ کیا یہ حملہ بتا رہا تھا کہ جنگ کی غرض سے نہیں بلکہ نہر سے رکاوٹوں کو دور کر کے پانی لانا ہے۔ علیؑ کا شیر اپنی کوشش میں کامیاب ہوا۔ دشمن کو نہر سے ہٹایا اور مشکیزے میں پانی بھرا۔ دنیا کی تاریخ میں یہ واقعہ ہمیشہ سنہری حروف میں درخشاں رہے گا۔ ہزاروں سپاہیوں نے ایک تین روز کے پیاسے کو روکنا چاہا لیکن نہ روک سکے۔ آلِ عمران کے شیر نے دشمن کو پسپا کر کے اتنا دور پہنچا دیا کہ گھوڑا نہر میں داخل کر کے پانی بھرا۔ خود پیاسے تھے مگر پانی چلو میں لے کر پھینک دیا یہ امام کی پیاس اور بچوں کی تشنگی کا خیال تھا کہ خشک لبوں کو

ترنہ کیا۔ نہر سے خشک لب سوکھی زبان کے ساتھ نکلے بھری ہوئی مشک کاندھے پر تھی۔ خیام حسینی کی طرف چلے۔ دشمن کو اپنی شکست کا احساس اور غصہ اور کد بھی تھی کہ کسی طرح پانی پہنچنے نہ پائے۔ آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور تیر بارش کی طرح برسنے لگے۔ کاندھوں پر مشکیزہ ہے۔ جو کھل کر مقابلہ کرنے سے مانع ہے۔ دوش اقدس پر علم ہے۔ جس کا بلند رہنا جان سے زیادہ عزیز ہے۔ مشکیزے کو تینوں طرف سے بچانا مشکل ہے۔ پھر بھی نہایت جوش سے حملے کر رہے تھے۔ دشمن کی شکست خوردہ ذہنیت نے محسوس کیا کہ جب تک اس جری کے ہاتھ موجود ہیں، ہماری کامیابی دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

**شہادت قمر بنی ہاشم** حکیم بن طفیل طائی نے ایک درخت کی اوٹ میں چھپ کر بزدلانہ انداز سے داہنے ہاتھ پر تلوار ماری۔ عباس کو جان سے زیادہ عزیز علم تھا یا مشکیزہ۔ علم کو گرنے نہیں دیا۔ بائیں شانے پر لیا۔ مشکیزے کو پوری حفاظت کرتے ہوئے فرمایا اگر تم نے میرا داہنا ہاتھ کاٹ دیا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ میں اپنے دین کی حفاظت نہیں کروں گا اس فرض کو تو میں ہمیشہ انجام دیتا رہوں گا۔ اس کے بعد زید بن ورقا جہنی نے درخت کے پیچھے چھپ کر بائیں ہاتھ پر ضرب لگائی یہ ہاتھ بھی شہید ہو گیا۔ عباس نے علم کو سینے سے لگایا مشکیزہ کو دانتوں میں دبا کر اپنے آگے رکھا۔ اتنے تک قبیلہ تمیم کے ایک شخص نے سر پر گرز لگایا اور مشکیزے پر ایک تیر لگا۔ زمین پر پانی گرا۔ آبرو وفا حضرت عباس کی آرزوں پر پانی پھر گیا۔ ساری تمناؤں کا خون بہہ گیا۔ زمین پر گرے جہاں سرکار سید الشہداء کے بچوں کا پانی بہہ رہا تھا۔ وہیں حضرت عباس کا خون بہہ رہا تھا۔

محضرنامہ وفا پر اپنے خون سے ایسی مہر تصدیق ثبت کر دی جو قیامت تک یادگار رہے گی۔ زمین پر گرتے ہی بلند آواز سے پکارا اور کہا مولا میری خبر لیجئے۔ اس پر سرکار سید الشہداء میدان میں پہنچے دیکھا جسم تیروں سے چھلنی ہے۔ دونوں ہاتھ قطع ہیں۔ پیشانی شکستہ ہے مشکیزہ چھدا پڑا ہے۔ ایک طرف پانی بہہ رہا ہے۔ دوسری طرف خون، جسم زخموں سے چور ہے

جھک گئے اور سرہانے بیٹھ گئے۔ سرفروش نے عرض کیا آقا میری لاش خیمہ میں نہ لے جانا بچوں کو اُمید ہے کہ چچا پانی لائے گا۔ میری لاش کو دیکھ کر ان کی آرزوؤں پر پانی پھر جائے گا یہ کہا اور شیر نے آخری انگڑائی لی اور روح جسم سے پرواز کر گئی۔ سرکار وفا عباس فوج حسینی کے آخری سپاہی تھے۔ اس کے بعد جو شہید ہوئے وہ آلِ عمران کے چند کم سن بچے تھے۔ وفا کی تاریخ کے شاہکار عباس ہیں۔ جن کا نام ہمیشہ خورشید کی طرح درخشاں رہے گا۔

ع کربلا والوں نے پرچم کو بکھرنے نہ دیا ؎ منہ ہے نمنا ما کیا عباسؑ نے گرنے نہ دیا

یہ حضرت عباسؑ کا ہماری قوم پر احسان ہے۔ کہ آج بھی آبروِ وفا حضرت عباس کا علم ہماری عبادت گاہوں پر لہرا رہا ہے۔

ع عباسؑ نامور کے لہو سے دھلا ہُوا ؎ اب بھی حسینیت کا علم ہے کھلا ہُوا

اب آیت ابتلاء کی آخری آزمائش یعنی ثمرات ہیں۔ جس کے معنی اولاد کی قربانی سے آزمائش ہے۔ کربلا کے میدان میں آیۃ ابتلاء کے مطابق کئی بچے شہید ہوئے۔ اُن میں سے طوالت سے بچنے کے لئے ہم بچوں کا مختصر سا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) سرکار صلح و امن حضرت سبط اکبر امام حسن علیہ السلام کا معرکہ کربلا میں نمائندہ

**حضرت قاسم** اس مجاہد فی سبیل اللہ اور شہید راہ خدا کو گوناگوں خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے "الشہید الممتاز" کہا جائے تو مبالغہ نہیں۔ اس کم سنی میں جناب قاسم موت کے شیدائی تھے۔ جب شب عاشور سرکار سید الشہداء ارواحنا لہ الفداء آپنے اعوان و انصار اور اقرباء نامدار کو بشارت شہادت دے چکے تو اس کمسن مجاہد نے دریافت کیا اے عم بزرگوار کیا میں سعادت شہادت سے محروم رہوں گا؟ حضور نے استفسار فرمایا یا بُنیِ کیف تدرک الموت بیٹا تم موت کو کیا سمجھتے ہو۔

**حضرت قاسم کا جواب** عرض کیا یا عماہ الموت عندی احلیٰ من العسل چچا جان موت میرے نزدیک شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے۔ حضرت قاسم اس طرح

جہاد کے لئے اجازت طلب کر رہے تھے۔ بقبل یدیہ و رجلیہ سرکار شہادت کے دست ہائے مبارک اور پائے اقدس کو بوسے دے رہے تھے۔ یہ دیکھ کر سرکار سید الشہدآ نے فرمایا یا نور عینی انت علامۃ من اخی الحسن بلک آتسلیٰ فاصبر و لا تمش برجلیک الی الموت، میری آنکھوں کی روشنی تم میرے بھائی حسن کی نشانی ہو، ذرا صبر کرو اپنے پاؤں سے موت کی طرف نہ جاؤ۔ یہ جواب سن کر غمزدہ ہو کر لوٹے اور اس طرح بیٹھے کہ سر گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا۔ اور زار زار رو رہے تھے۔ اسی حالت میں خیال آیا کہ والد بزرگوار نے بوقت رحلت میرے بازو پر ایک تعویذ باندھا تھا اور وصیت فرمائی تھی کہ جب کوئی مصیبت پڑے تو اس تعویذ کو کھول لینا اور جو کچھ اس پر لکھا ہے اس پر عمل کرنا۔ خیال کیا کہ اس سے بڑھ کر کونسی مصیبت کا وقت آئے گا کہ گھر میں شوق شہادت کے چرچے ہیں اور میں اجازت سے محروم ہوں تعویذ کھولا اور پڑھا لکھا تھا۔

اے بیٹا قاسم میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ جب اپنے چچا حسین کو کربلا میں دیکھو کہ دشمنوں نے ان کا محاصرہ کر لیا ہے۔ تو اُن کے دشمنوں اور رسول اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنے سے دریغ نہ کرنا اور اپنی جان دینے میں بخل نہ کرنا، ہرچند تمہارے چچا تمہیں جہاد میں جانے سے روکیں مگر تم بار بار اصرار کرنا۔ یہاں تک کہ تمہیں جہاد کی اجازت دے دیں اس طرح تم ابدی سعادت سے بہرہ ور ہوں گے۔

المختصر اس وصیت نامے کو پڑھ کر حضرت قاسم مسرور ہوئے اور سمجھ لیا کہ اب حصول مقصود کا ایک اچھا ذریعہ ہاتھ آیا ہے۔ خدمت امام حسین علیہ السلام میں حاضر ہوئے اور وہ وصیت نامہ پیش کیا۔ جب جناب سید الشہدآ نے اس تعویذ کو پڑھا تو بھائی کو یاد کر کے بہت روئے۔

سرکار سید الشہدآ نے بھائی کی یادگار کو اپنے سینے سے لگایا اور حضرت قاسم کے گریبان کو پھاڑ کر اُن کے سر پہ عمامہ اس طرح باندھا جس طرح میت کے سر پہ باندھتے

ہیں اور اس عمامے کے دونوں گوشے رخساروں پر لٹکا دیئے حضرت قاسم کی کمر سے تلوار باندھی اور گود میں لے کر سوار کیا۔ پھر نظر یاس سے دیکھا اور کہا میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ میدان میں آئے۔ کئی رجز پڑھے ہرچند حضرت قاسم مبارز طلبی فرما رہے تھے۔ کوئی مقابلے پر نہیں آتا تھا۔ اس پر آپ نے اپنے دادا حیدر کرار کی طرح لشکر پر حملہ کر دیا اور ایک سو بیس سواروں کو واصل جہنم کیا۔ عمر سعد کے مجبور کرنے پر ازرق شامی اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ مقابلے میں آیا۔ حضرت قاسم نے پہلے اُس کے چاروں بیٹوں کو قتل کیا۔ پھر ایک ضرب ازرق کو لگا کر گرا دیا اور اُس کا سر کاٹ کر خدمت سرکار شہادت میں حاضر ہوئے پھر اپنی پیاس کے متعلق عرض کیا۔ حضرت نے ایک انگشتری چسائی اور تسلی دے کر رخصت کیا۔ پھر حضرت قاسم نے شیر غضبناک کی طرح فوج یزید پر حملہ کیا۔ فوج یزید نے دو حصوں میں تقسیم ہو کر دونوں طرف سے حملہ کر دیا۔ حضرت قاسم دونوں طرف کی صفوں کو پسپا کر رہے تھے کہ پھر لشکر یزید نے اس کمسن مجاہد پر چاروں طرف سے حملہ کیا۔ تلواروں اور تیروں سے وار ہونے لگے۔

## شہادت حضرت قاسم بن حسن

عمر ازدی ملعون نے پچھلی طرف سے آکر اس کمسن مجاہد کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ سر مبارک شگفتہ ہو گیا۔ دادا کا ورثہ پا کر یہ کمسن مجاہد گھوڑے سے زمین پر تشریف لایا۔ اس پر ازدی ملعون نے بڑھ کر سر تن سے جدا کرنا چاہا۔ حضرت قاسم پکارے یا عماہ ادرکنی یا عماہ ادرکنی چچا جان میری مدد کو آیئے۔ چچا جان میری مدد کو آیئے۔ یہ ظالم میرا سر تن سے جدا کرنا چاہتا ہے۔ سرکار سید الشہداءؑ عقاب غضبناک کی طرح میدان جنگ میں آئے۔ حضور نے حضرت قاسم کے قاتل عمر ازدی ملعون پر حملہ کر دیا اور اس کو تلوار لگائی۔ وہ اُس کے ہاتھ پر پڑی یہ ہاتھ کہنی سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ فوج اُسے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اس فوج سے لڑ رہے تھے کہ جنگ مغلوبہ ہوئی اس لڑائی کی حالت میں سرکار سید الشہداءؑ کے کان میں برابر یہ آواز آ رہی تھی۔ یا عماہ ادرکنی یا عماہ ادرکنی چچا جان مجھے بچایئے۔ چچا جان مجھے بچائیے

جب گرد و غبار چھٹا تو دیکھا گیا کہ سرکار سید الشہدآ بچے کے سرہانے کھڑے ہیں۔ اور وہ زمین پہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اس کے تمام اعضاء و جوارح پامال سم اسپاں ہیں۔ سرکار سید الشہدآ نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا۔

یعزّ واللّٰہ علی عمّک ان تدعوہ فلا یجیبک وان یجیبک فلا یعینک وان یعینک فلا یغنی عنک ولا ینفعک خدا کی قسم یہ امر تیرے چچا پر بہت شاق ہے کہ تو اُسے پکارے اور وہ تجھے جواب نہ دے سکے اور اگر جواب دے بھی تو تیری مدد نہ کر سکے اگر تیری مدد کرے تو تجھے بے نیاز نہ کر سکے۔ سرکار سید الشہدآ نے اس کمسن شہید کو اٹھایا اس طرح پر کہ سینہ سینے پہ لگا ہوا تھا اور اس شہید کے پاؤں زمین پر لگ رہے تھے یا تو اس لئے کہ اس کمسنی پر حضرت قاسم بلند و بالا اور سرو قد تھے یا اس لئے کہ سرکار سید الشہدآ کی کمر خمیدہ ہوگئی تھی یا اس لیے کہ پامالی نعش سے جسم کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ سینہ کہیں تھا اور پاؤں شکستہ ہو کر کہیں سرکار سید الشہدآ نے چند شہیدوں کی نعشیں جمع کر کے رکھ دیں اور خیمے میں نہیں لے گئے

انا للّٰہ وانّا الیہ راجعون وسیعلمُ الذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون ط

## حضرت عبداللہ بن حسن | سرکار صلح حسن کا دوسرا نذرانہ

روز عاشور اس کمسن مجاہد کی عمر گیارہ سال کی تھی اس کمسن مجاہد یعنی عبداللہ بن الحسن کے جہاد کا عجیب وقت ہے اور جہاد بھی عجیب جہاد ہے۔ اس بچے نے تلوار سے جہاد نہیں کیا بلکہ خود سپر بن کر داد شجاعت دی ہے۔ ارشاد میں شیخ مفید علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ جب افواج یزید نے سرکار سید الشہدآ کو محاصرے میں لے لیا اور تیر و تبر نیزہ و شمشیر سے چاروں طرف سے حملے کرنے لگے اور اس حالت میں امام مظلوم زین سے زمین پہ تشریف لے آئے تو ایک شہزادہ جس کی عمر گیارہ سال تھی عبداللہ بن الحسن نام تھا۔ حرم سرکار شہادت سے بیتابانہ نکلا۔ اس بچے کے پیچھے پیچھے صدیقۂ صغریٰ۔ نائبہ زہرا حضرت زینب صلوٰۃ اللہ علیہا تھیں، اُنہوں نے دوڑ کر اس بچے کو گود میں اُٹھا لیا۔ اور ہر چند چاہا کہ اس بچے کو خیمہ میں

لے جائیں۔ لیکن وہ بچہ بے تاب ہوا۔ ایسا کہ اپنے آپ کو اس معظمہ کی گود سے گرا دیا اور عرض کیا یا عمتاہ واللہ لا افارق عمّی الحسین وحیداً فریداً بین الاعداء۔ پھوپھی اماں خدا کی قسم میں اپنے چچا کو زرغۂ اعداء میں اس طرح یکہ و تنہا نہ چھوڑوں گا یہ کہہ کر وہ دوڑا اور تھوڑے عرصے میں اپنے عم بزرگوار کے پہلو میں جا کھڑا ہوا۔ اس کمسن مجاہد کی شجاعت جرأت اور عزم بالجزم کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہزارہا مسلح سپاہیوں کی صفوں کو توڑ کر نصرت سرکار شہادت کے لئے جا پہنچا اور ایسے وقت پہنچا کہ ابجر بن کعب تلوار سے حضور پر حملہ کیا چاہتا تھا۔ اس شیر بیشۂ حیدری نے للکار کر اسے کہا یابن الخبیثۃ اتقتل عمّی۔ اے ناپاک عورت کے بیٹے کیا تو میرے چچا کو قتل کرے گا۔ یہ کہہ کر اپنے دونوں ننھے ہاتھ سرکار شہادت کے سر پر سپر کر دیئے۔

دونوں ہاتھ شہید ہو گئے مگر تلوار سرکار سید الشہداؑ کے سر مطہر تک نہیں پہنچی اس کمسن مجاہد کا شکستہ دل سوانح نگار کہہ سکتا ہے کہ اس بچے کا اپنے ہاتھوں کو سپر بنانا ایک اضطراری فعل نہیں تھا۔ ہاتھوں کو اس شان سے سرکار شہادت پر قربان کرنا کہ حضور کا سر ضرب تلوار سے بچ جائے، صاف بتلا رہا ہے کہ یہ بچہ عزم وارادے کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ سرکار سید الشہداؑ نے اس لخت جگر کو سینے سے لگایا اور کہا میرے بھتیجے اس مصیبت میں صبر کر اور اس کے بہتر انجام کی انتظار کر تو بھی اپنے بزرگوں کے پاس رسول اللہؐ، علی مرتضیٰؑ، حمزہ و جعفر اور حسنؑ مجتبیٰ کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ جب امام حسینؑ اس بچے کو اس طرح پر اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے، حرملہ نے چلّہ میں تیر جوڑ کر بچے کی طرف پھینکا۔ اسی سے اس کمسن مجاہد کی شہادت واقع ہوئی۔ زیارت شہدا میں ہے السلام علی عبداللہ ابن الحسن الزکی ولعن اللہ قاتلہ و رامیہ حرملۃ بن کاہل الاسدی سلام ہو پاک و پاکیزہ حسن کے لعل پر اور لعنت ہو اس کے قاتل اور اس کی طرف تیر پھینکنے والے حرملہ بن کاہل الاسدی پر۔

## شہادت علی اصغرؑ | الطفل الرضیع عبداللہ بن الحسین علی الاصغر

- میدانِ کارزار میں سرکارِ شہادت کا ششماہ شاہد صداقت۔
- یزیدیوں کے نام نہاد اسلام کے پردے تار تار کرنے والا ننھا مجاہد۔
- کربلا کا یگانہ شاہکار۔

شکستہ دل، شکستہ قلم سوانح نگار اب ایسے کمسن مجاہد کے تذکرے کو شروع کر رہا ہے، جس کے حالات کے تصور سے دل پاش پاش ہوا جا رہا ہے۔ قلم کا سینہ چاک ہے زمین و آسمان میں تزلزل محسوس ہو رہا ہے۔ ایسا تذکرہ ہے کہ کاش یہ سوانح نگار سیاہی کی بجائے اپنے خون دل سے لکھ سکتا تاریخ خاموش ہے۔ کوئی مذہب آج تک چھ مہینے کے مجاہد کو میدان جنگ میں پیش نہیں کر سکا یہ سرکارِ شہادت کا حصہ ہی تھا۔ اس شہادت نے واقعۂ کربلا کو چار چاند لگا دیئے۔ سرکار شہادت کی صداقت پر مہر لگا دی اور مخالفوں کی قساوت قلبی، استبداد، خباثت باطن اور سنگدلی کو نمایاں کر دیا۔ اُن کے نام نہاد اسلام کا پردہ چاک کر کے ان کے کفر و نفاق کو طشت ازبام کر دیا اور دنیا کو تبلا دیا کہ وہ کس ذہنیت کے لوگ تھے جن کے مقابلے میں سرکار رسالت کا نواسہ مصروف جہاد تھا۔
یوں تو چھ مہینہ کی جان بے زبان کہلاتی ہے۔ مگر اصغر سرکار سید الشہدآءؑ کی وہ گویا زبان ہے جو صداقتِ حسینیہ کو تا قیامت بیان کرتی رہے گی۔ سرکار سیّد الشہدآؑ تمام اعزہ و اقرباؑ کی شہادت کے بعد جب استغاثہ فرما رہے تھے اور اس استغاثہ پر کسی طرف سے صدائے لبیک بلند نہ ہوئی۔ فارتفعت اصوات النساء بالعویل۔ پس عورتوں کی گریہ و زاری کے ساتھ آواز بلند ہوئی۔ حضرت خیمہ گاہ میں تشریف لائے اور اس گریہ و زاری کا سبب پوچھا حضرت علی اصغرؑ کی مادر گرامی نے عرض کیا۔ مولا یہ شیر خوار بچہ پیاس سے بے تاب ہے۔ قریب المرگ ہے اس کے لب پیاس سے نیلے ہو گئے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ لاؤ حضرت علی اصغر شیر خوار کو مجھے دو تاکہ میں اسے وداع کر لوں۔ مادر علی اصغر شیر خوار بچے

کو سید الشہدآ کے پاس لائیں، حضرت نے اُسے اپنے دست ہائے مبارک پر لیا اُس پر
نظر کی اور اُسے بار بار چومنا شروع کیا اور فرمایا اِس قوم پر عذاب الٰہی ہو، جبکہ تیرے
جدِ پاک محمد مصطفےٰ صلعم اُن سے انتقام لیں، پھر آپ اُس بچے کو لے کر چلے۔ لشکر کے
پاس پہنچ کر اُس بچے کے چہرے سے پردہ اُٹھا کر فرمایا۔ لوگو! کیا تم اس شیر خوار بچے کو
نہیں دیکھ رہے یہ پیاس سے کس طرح تلملا رہا ہے یہ تین دن سے پیاسا ہے اگر تمہیں
کوئی خیال ہو تو میں اس بچے کو سامنے رکھ دیتا ہوں کوئی اپنے ہاتھ سے اس بچے کے منہ
میں پانی ڈال دے۔ جب حضور اس طرح خطاب فرما رہے تھے تو ایک ملعون نے
غالباً حرملہ بن کاہل الاسدی تھا۔ عمر بن سعد کے حکم سے کمان میں تیر جوڑ کر مارا جو شیر خوار کے
حلق سے گذر کر سرکار سید الشہدآء کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ سرکار سید الشہدآء نے اس بچے کے
خون گردن کو اپنے دست مبارک پر لیا۔ یہاں تک کہ چلو بھر گیا اور اُسے آسمان کی طرف
پھینک دیا۔ فلم یسقط من ذالک الدم قطرۃ الی الارض اس خون میں سے ایک
قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا۔ ثم قال الحسینؑ اللھم لایکون ھذا اھون الیک من
فصیل پھر سرکار شہادت نے آسمان کی طرف منہ کر کے درگاہِ رب العزت میں عرض کیا میرے
معبود تیرے نزدیک میرے اس بچے کا احترام ناقۂ صالح کے بچے سے کم نہیں۔ دنیا میں
قاعدہ ہے کہ انسان کسی خاص چیز کو جو کسی لحاظ سے سب سے اعلیٰ ہو آخر میں پیش کرتا ہے
ایک شاعر اپنے اعلیٰ ترین اشعار کو تأثرات کے قائم رکھنے کے لئے سب سے آخر میں
پڑھتا ہے اور ایک لیکچرار یا مقرر اپنی تقریر کے ممتاز نکات کو سب سے آخر بیان کرتا
ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اسی لئے اپنی ممتاز قربانی علی اصغر کو سب سے آخر
رزم گاہ میں لائے۔ اس چھوٹے سے اسلحہ کو اگر ہم ایٹم بم کہیں تو یہ مبالغہ نہیں۔ حضرت علی
کی قربانی نے ایٹم بم کا کام دیا۔ جس نے بنی اُمیّہ کی انسانیت، بنی اُمیّہ کا اسلام، بنی اُمیّہ کے
جعلی دعویٰ خلافت اور بنی اُمیّہ کی حکومت کو ایٹم بم کی طرح جلا کر خاکستر کر دیا۔

اُب جبکہ ہم نے آیتِ ابتلآء کے مطابق امام حسین علیہ السلام کا پانچ امور میں امتحان ثابت کر دیا۔ اب آخر میں صرف یہ بات رہ گئی کہ سرکار شہادت کا انجام کار اِس امتحان کے بعد کیا ہوگا اُس کو قرآن حکیم ان الفاظ میں بیان کر رہا ہے اور اس بیان کو ہر مسلمان کو ہٹ دھرمی چھوڑ کر چشم انصاف سے دیکھنا چاہیئے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ وَبَشِّرِ الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انّا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اے رسول اُن صبر کرنے والوں کو بشارت دو جو مصیبت پڑنے کے وقت کہتے ہیں کہ ہم تو خدا کے لئے ہی ہیں اور خدا ہی کی طرف ہماری بازگشت ہے۔ یعنی ہماری ابتدأ و انتہاء اُسی معبود برحق کی طرف ہے۔ البتہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام مصائب پر صبر و شکر کا اظہار کرتے ہوئے بار بار اسی آیت کو پڑھتے تھے۔ چنانچہ متواتر روایات میں ہے کہ حضور بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے تھے کہ میرا مال، میری جان، میری اولاد، میرے اعضاء و جوارح سب خدا کے دیئے ہوئے ہیں اور جب اُسی کے ہیں تو اُن سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے۔

**بشارت** اب اس وقت ہم بیان کریں گے کہ اس آیت میں بشارت کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اس کا فائدہ یہ ہے کہ بشارت عام ہے۔ اس میں دنیا و آخرت دونوں امور کی بشارت ہے۔ آخرت کی نعمتوں اور مدارج پر بے شمار آیات قرآنیہ دلالت کر رہی ہیں۔ جن کا شمار سوائے خدا کے کوئی نہیں کر سکتا اس کے علاوہ چونکہ آخرت کی نعمتیں مدتوں کے بعد ظاہر ہوں گی۔ ہم اُن کو مشاہدہ کر کے ثابت نہیں کر سکتے۔ مگر جو شخص خدا کے وعدوں کو سچا مانتا ہے اس کے نزدیک تو یہ مدارج مشاہدے سے بڑھ کر ظاہر ہیں۔ ہاں وہ امور جو شہادت حسین سے آج تک موجودہ دنیا میں ظاہر ہو چکے ہیں اور ظاہر ہوتے رہیں گے۔ جب تک خدا کو منظور ہے اُن کو بیان کرتے ہیں۔ ازاں جملہ حضرت کے صبر کی ایک جزا یہ بھی ہے کہ مقتول ہونے پر انسان مر جاتا ہے۔ مگر بنص

قرآن دوسرے شہیدوں کی طرح حسینؑ اور شہدائے کربلا زندۂ جاوید ہیں۔ اور یہ شرف اگرچہ عموماً تمام شہدائے کو ملا ہے۔ مگر آیاتِ حیات جس قدر امام حسین علیہ السلام میں پائے جاتے ہیں اور کسی شہید میں نہیں پائے گئے۔ چنانچہ فضلِ خدا سے اس کا مشاہدہ ہر زمانے میں اور ہر ایک جگہ ہو رہا ہے۔ ارباب تاریخ لکھ رہے ہیں اور ہم سب لوگ دیکھ رہے ہیں زیادہ بحث کی اس امر بدیہی میں ضرورت نہیں ازاں جملہ بشارت الٰہی کے ایک یہ بھی بشارت ہے۔ جس کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ط سورہ آل عمران آیت ۱۴۵ پارہ ۴ رکوع ۶

ترجمہ:۔ اور نبیوں میں سے بہت سے ایسے ہوئے ہیں جن کی معیت میں اکثر اللہ والے لڑے۔ پھر خدا کی راہ میں جو مصیبت اُن پر پڑی نہ اُس سے اُنہوں نے ہمت پست کی نہ بوداپن ظاہر کیا اور نہ (دشمن کے آگے) گڑگڑائے اور اللہ (ایسے ہی) صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

پھر چونکہ اس آیت میں اجمال تھا اور صاف صاف بیان اِن مصائب کا نہ تھا۔ جو اُن کو پہنچے تھے۔ اور آیت ابتلاء میں پانچ امور کا ذکر گزر چکا ہے۔ باقی رہا بھوک اور پیاس اور تعب لہٰذا اُس کے لئے اس آیت کا مطالعہ فرمائیے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

(سورہ توبہ آیت ۱۲۹ پارہ ۱۱ رکوع ۴)

یہ اس لئے کہ ان کو راہِ خدا میں پیاس کی تکلیف پہنچتی ہے تو کوئی رنج پہنچتا ہے تو اور بھوک کی تکلیف ہوتی ہے تو۔ اور کوئی ایسا راستہ چلتے ہیں اُن کے لئے عمل صالح لکھ دیا جاتا ہے۔ یہ سب مصائب امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا کو ہی پہنچے

یہی وجہ ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے انکار فرمایا جب کسی شخص نے آپ کے سامنے فرمایا تھا کہ امام حسین علیہ السلام معہ اصحاب کے اس دُنیا سے پیاسے اُٹھ گئے۔ آپ کو ناگوار گزرا۔ فرمایا تجھے کیا علم ہے۔ بلکہ سب کے سب کو ان کی شہادت سے پہلے خدا نے سیراب کر دیا تھا۔ اس امر سے خدا کی یہ مراد نہیں کہ ان کو ایذا بالکل نہ ہوگی۔ اس لئے کہ صبر کرنا ہی اس آیت میں وارد ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کو جزاء صبر انجام کار میں یہ سب کچھ ملے گا۔ اگر آپ کو ہمارے اس بیان کی تصدیق منظور ہو تو تاریخ پڑھیں۔ لشکریان یزید میں سے علامہ بن ابی الحدید نے ایک کا قول لکھا ہے۔ وہ شخص شجاعت امام حسین علیہ السلام کا ذکر یوں کر رہا ہے کہ ہم پر ایک ایسے گروہ نے حملہ کیا جو تلواروں کے قبضے اپنے ہاتھوں میں اس مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔ جس طرح شیر اپنے شکار کو پکڑے ہوئے ہو اگر ہم ان کے قتل سے ہاتھ روک لیتے تو وہ بہادر ہمارے سارے لشکر کو قتل کر ڈالتے یہ جو کچھ ہم نے لکھا یہ آیات قرآنیہ سے ہے اب حدیث کو دیکھئے امام حسین علیہ السلام نے اپنے نانا سے یہ روایت کی ہے یہ روایت آپ نے شہید ہونے سے ایک گھڑی پہلے کی ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ اے حسین تم کربلا میں شہید ہو گے اور تمہارے ساتھ تمہارے اصحاب کو بھی جو شہید ہوں گے۔ ایذا لوہے کے ہتھیاروں سے نہیں پہنچے گی۔ اس کے بعد سرکار رسالتمآب نے یہ آیت پڑھی۔ یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراہیم۔ اے آگ ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ سرد ہو جا۔ فرمایا اے حسین لڑائی تم پر برد اور سلام ہو جائے گی۔ اب ہم کو معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کی تائید آیات مذکورہ بالا کرتی ہیں۔ الحمد للہ آپ درود پڑھیں محمد و آل محمد علیہم السلام پر کیا تم سوائے حسین اور اصحاب حسین کے اور کسی جہاد کرنے والے کو ان صفات سے موصوف بتلا سکتے ہو۔ اگر ہو سکے تو نام بتلاؤ اب ہم کو پورا یقین ہو گیا کہ یہ آیات امام حسین اور اُن کے اصحاب کے حق میں

ہی نازل ہوئی ہیں، اُنہی اصحاب کے حق میں آپ نے فرمایا تھا کہ میں اپنے اصحاب سے بہتر کسی کے اصحاب کو نہیں سمجھتا یہ فرمانے کا سبب یہی ہے کہ یہ اوصاف کسی کے اصحاب میں نہیں ہیں، خدا کی اُن پر رحمت ہو۔ اس کے علاوہ آیتہ ابتلا میں مذکور امتحان کا اجر تھا، جو خدا نے ہمارے نبی کو کوثر عطا فرمایا۔ کوثر کے دو معنی ہیں ایک تو حوض، مشہور جس کے پانی سے بروز حشر، ہمارے رسولؐ۔ امیر المؤمنینؑ اور خود امام حسین علیہ السلام تشنگان کی پیاس بجھائیں گے یہ اجر امام حسینؑ علیہ السلام کے پیاسے رہنے کا ہے۔

کوثر کے دوسرے معنی کثرت نسل کے ہیں، یہ صلہ اور انعام خدا کا اس وجہ سے ہے کہ جناب رسولؐ خدا اپنے پیارے فرزند حسینؑ اور اُن کی اہلبیت کے قتل پر راضی ہوئے۔ اسی کے اثبات میں ہم یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کے اجر میں نسل امامت کو امام حسین علیہ السلام کے صلب میں رکھا گیا ہے۔ چنانچہ آخری امام کے متعلق حدیث ہے۔ المھدیُ منّا اہل البیت من وُلدِ فاطمۃَ مِن وُلدِ الحسین۔ آخری حجت مہدی ہم اہلبیت سے ہوں گے۔ فاطمہ کی اولاد سے حسینؑ کے بیٹے ہوں گے۔

# منزل ۱۶

## تاریخ عالمگیر انقلاب اسلامیہ

## قرآن حکیم میں دو عظیم نظریات انقلاب

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ (سورہ الشعراء آیت ۲۲۷ پارہ ۱۹ رکوع ۱۵)

اور عنقریب وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے یہ جان لیں گے کہ کس انقلاب میں وہ پلٹ رہے ہیں۔

ع آنکہ ظلمہ راکشد تحت عذاب — انقلاب است انقلاب است انقلاب

(۲) نظریہ انقلاب تمدن

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۔ سورہ بنی اسرائیل ایت ۱۶ پ ۱۵ ع ۲)

ترجمہ:۔ جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے دولت مندوں کی تعداد میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ اس لئے وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

خالق انقلاب۔ مصلح اعظم انسانیت۔ ختم الرسل حضرت محمد المصطفیٰ احمد مجتبیٰ ارواحنا لہ الفداء نظریات انقلاب قرآنیہ کو دو عظیم عملی جامہ پہنانے والی شخصیتیں۔

پیام بر انقلاب حضرت امام حسین علیہ السلام جنہوں نے صنف ذکور میں انقلاب کی سپرٹ تخلیق فرمائی۔

(۲) اُمّ المصائب صدیقۂ صغریٰ۔ ثانیۃ الزہرا زینب کبریٰ صلوٰۃ اللہ علیہا جنہوں نے طبقۂ
نسوانیت میں انقلاب کو زندہ کیا اور جس شجرۂ طیبۂ انقلاب کو مظلوم بھائی نے گلشن شہادت
میں لگایا تھا اُسے مثمر اور پھلدار تک کیا۔

؎ حدیثِ عشق دو باب است کربلا و دمشق
یکے حسینؑ رقم کرد دیگر زینبؑ

مظلوم بھائی کا موقف انقلاب کربلا معلّیٰ اور مظلومہ اسیرہ بہن کا موقف انقلاب
دمشق اور سادات حسنیہ کا موقف انقلاب فخ جو سادات حسنیہ کی کربلا ہے۔

عالمین کے مصلح اعظم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے
تو دنیا میں کفر و شرک انتہا کو پہنچ گیا تھا اور ظلم و جور، فسق و فجور کے تاریک بادلوں نے
ساری دنیا کو تیرہ و تاریک بنا دیا تھا۔ غیرت الٰہی جوش میں آئی اور سرکار ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ
کو بذریعہ وحی توحید الٰہی کی اشاعت اور پیغام امن پہنچانے کا حکم ہوا۔ آپ نے اعلان
فرمایا اور مذہب انقلاب اسلام کی دعوت دی اور عالمگیر انقلاب کو پروان چڑھانے
کے لئے جو حزب تشکیل فرمایا اُس میں حزب اللہ کے ارکان ترتیب دیئے گئے کہ سرکار
رسالت اس حزب اللہ کے منصوص من اللہ معصوم صدر تھے۔ کفیل رسالت مربی ختمی مرتبت
حضرت ابوطالب عمران ایسے رکن تھے، جن کی آغوش شفقت و احسان میں رسول اللہ نے
پرورش پائی۔ اشاعت اسلام کے لئے اُن کے وقار نے اس انقلاب کو پروان چڑھایا
اس دولت مشترکہ اسلامیہ کی وزارت عظمیٰ پر حضرت علی مرتضیٰ ارواحنالہ الفداء فائز ہوئے
ان کے علم اور شجاعت نے اسلام کے انقلابی مشن کو آگے بڑھایا۔ وزارت معاشیات
پر ملکۂ تمول تجار عرب حضرت خدیجۃ طاہرہ متمکن رہی اور اُن کے تدبر اور دولت نے
اسلامی مشکلات کو باحسن الوجوہ حل کیا ہے۔ اس حزب کے ارکان حضرت حمزہ سید الشہداء
حضرت جعفر طیار علمدار اور دوسرے خاندان رسالت کے افراد تھے۔ طبقۂ نسوانی

ترقی مدارج کے لئے عصمت کبریٰ فاطمہ زہراء کا اسوۂ حسنہ کام کر رہا تھا جس کی توضیح فاطمۃ بضعۃ منی کا جملہ کر رہا ہے کہ طبقۂ نسواں میں اسوۂ حسنہ کے لحاظ سے فاطمہ سلام اللہ علیہا بدل رسالت تھیں

دنیا میں عالمگیر انقلاب کا پُرجوش نعرہ قولوا لا الٰہ الا اللہ تُفلِحوا کہو سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اسی میں ہی تمہاری دنیوی و اخروی فلاح و بہبود مضمر ہے۔ توحید کا مفاد خود بے نیاز اور صمد کو نہیں کیونکہ وہ غنی عن العالمین ہے۔ بلکہ توحید کا مفاد انسانوں کے لئے ہے تاکہ مختلف نسل، مختلف نسب، مختلف ملک، مختلف رنگ گورے کالے اور مختلف قومیت کے لوگ ایک وحدہ لاشریک کی توحید پر مجتمع ہو جائیں اور حق سمجھیں کسی انسان کو نہ انسان سے کمتر۔ اور اس طرح ایک دولت مشترکۂ پُرامن کی تشکیل ہو جائے اور اس توحید کے پرچم کے نیچے الہٰی حاکمیت کا ظہور ہو اور انسان انسانی حکومت کے جوئے سے آزاد ہو جائے۔ رسول اللہ نے جس عظیم اصلاح کی بنیاد رکھی تھی وہ سارے عالم کے لئے امن کا موجب تھی۔ اس لئے حضور نے یہ دیکھتے ہوئے کہ کہیں یہ اصلاح، فساد میں تبدیل نہ ہو جائے ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی۔

وَلا تفسدوا فی الارض بعد اِصلاحِھا اور زمین میں بعد اُس کی اصلاح کے فساد مت کرو۔ (سورہ اعراف آیۃ ۵۶ پارہ ۸ رکوع ۱۳)

عالم الغیوب اللہ جانتا تھا کہ اس اصلاح کے بعد بہت عنقریب اس انقلاب صالح کو خواہشات نفسانیہ سے بدل دیں گے۔ چنانچہ خالق عالم نے سورہ محمد میں ایک استبدادی حکومت کے قیام کی اس طرح اطلاع دی جسے ہم اس کتاب کی چوتھی منزل میں بیان کر چکے ہیں۔ وہ ان الفاظ میں ہے۔

فَھَل عَسَیتُم اِن تولیتم اَن تُفسِدُوا فِی الاَرضِ وَ تُقَطِّعُوٓا اَرحَامَکُم۔ اولٰئک الذین لعنھم فاصمھم واعمٰی ابصارھم۔ (سورہ محمد پارہ ۲۶ آیت ۲۳ رکوع ۷)

یہ بات دور نہیں ہے کہ تم حاکم ہو جاؤ گے کہ زمین میں فساد کرو گے اور قطع رحمی کرو گے۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اس استبدادی حکومت کا ہونا اتنا حتمی تھا کہ ان پر

اللہ نے سورہ بنی اسرائیل میں اس لعنت کی توضیح کردی ہے اور ان حکمرانوں کے خاندان کو شجرۂ ملعونہ کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ دونوں آیتوں کے ملانے سے ثابت ہوگیا کہ یہ کونسی استبدادی حکومت تھی جن پر خدا نے لعنت کی اور اُن کے خاندان کو شجرۂ ملعونہ کہا رسول اللہ کی نگاہوں میں بعد اصلاح یہ فساد رونما ہونا تھا۔ لہٰذا اُس کے لئے سرکار رسالت نے پیام بر انقلاب حسین علیہ السلام کو ان الفاظ سے یاد کیا حسین منی وانا من الحسین اگر یہ من جنسیہ ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حسینؑ اُسی جنس سے ہے جس سے میں ہوں اگر یہ من تبعیضیہ ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ حسینؑ میرا حصہ ہے اگر یہ من بدلیہ ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اِس استبدادی حکومت کے فساد عظیم سے میری تعلیمات میرے اعمال وافعال میرے آثار کو زندہ جاوید کرنے والا حسینؑ ہے اگر حسینؑ نہ ہوتا تو گویا میری یہ امتیازات مٹ جاتیں اور میں نہ ہوتا پس اس انقلاب کے لئے اور استبدادی حکومت کے فساد کو دور کرنے کے لئے جس طرح حسینؑ اُٹھے۔ اُس کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

چوں خلافت رشتہ از قرآن گسیخت — حریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوۂ خیر الامم — چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
برزمین کربلا بارید و رفت — لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تاقیامت قطع استبداد کرد — موج خون او چمن ایجاد کرد
بہر حق درخاک وخون غلطیدہ است — پس بنائے لاالہ گردیدہ است

جب خلافت نے قرآن سے قطع تعلق کرلیا تو حریت و آزادی کے حلق میں زہر ڈال دی یعنی قرآن نے جو نظریۂ حکومت الٰہی قائم کیا تھا اُسے قطع تعلق کرکے اُسے انسانی حکومت کے نظریہ میں بدل دیا تو انسان کو جو انسانی حکومت کے جوئے سے آزادی وحریت حاصل ہوئی تھی اُسے انسانی مظالم کے زہر سے موت کے گھاٹ اُتار دیا

اس بات کو دیکھ کر خیرالامم کا جلوہ دینے والا الٰہی نمائندہ اُٹھا اور قبلہ کے بادل کی طرح رحمتیں لئے ہوئے برس پڑا زمین کربلا پر برسا اور چلا گیا۔ ویران سرزمین میں شہادت کے لالۂ رخ پھول برسائے اور چلا گیا۔ قیامت تک کیلئے اُس نے استبداد کو پارہ پارہ کر دیا۔ اُس کے خون کی موج نے ایک ایسا باغ شہادت ایجاد کیا۔ وہ خدا کے لئے خاک و خون میں لوٹا ہے۔ اس لئے وہ لاالٰہ الا اللہ کی بنیاد ہوگیا۔ یعنی اس انقلاب میں اُس نے یہ بنیاد رکھ دی کہ اللہ کے سوا کسی کو حکومت کا حق نہیں ہے نہ اشخاص کو اور نہ جمہور کو۔

شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی نے امام حسین علیہ السلام کے اس خونی انقلاب کو بہت پیارے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

جل رہا تھا خانۂ دیرینۂ فکر و نظر ✱ تیرگی کی جیب میں تھی دولتِ شمس و قمر
اک عظیم انسان بہر خدمت نوع بشر ✱ زندگی پر یوں جہنم کا تسلط دیکھ کر
دوش پر لے کر سبُو آیا وہ اپنے خون کا ✱ رنگ بھرنے زندگی کے نقش میں قانون کا

(موحد و مفکر صفحہ نمبر ۲۵)

# خونِ حسینؑ

جس کے ہر قطرے میں تھی قلزم کی طغیانی وہ خون ✱ کاہ جس کی راہ میں تھا کوہِ سلطانی وہ خون
جس کے آگے خسروی کی آگ تھی پانی وہ خون ✱ غرق ہو کے رہ گئی جس میں جہانبانی وہ خون
جس کی موجوں میں خمِ تیغ و مزاجِ سنگ تھا ✱ نوح کا طوفان جس کے دبدبے سے دنگ تھا
جو لواءِ عزم و اعلانِ صداقت تھا وہ خون ✱ جو چراغِ حکمت و شمعِ ہدایت تھا وہ خون
خاک پر جو آبشارِ آدمیت تھا وہ خون ✱ جو علیلِ انسانیت کا غسلِ صحت تھا وہ خون
جس نے ظلمت کو خیابانِ چراغاں کر دیا ✱ کفر پر وہ رنگ برسایا کہ ایمان کر دیا

حقیقت میں یہ خون کس طرح رنگ لایا اس کی کیفیت کو کتب تاریخ سے پڑھئے

ایران کے مشہور اہل قلم علی اکبر قرشی اپنے مقالہ اسیران اہل بیت میں لکھتے ہیں۔ ہم اُس کا اُردو ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ ہم اپنے مقالہ یارانِ باوفا میں لکھ چکے ہیں کہ جہاد کربلا کو امام حسین علیہ السلام اور اُن کے سراپائے ایمان اصحاب وانصار وجود میں لائے۔ اور اسیران اہلبیت نے اس مقصد طیب کو انتہائی افادیت تک پہنچایا۔

**اسیرانِ کربلا** بلا شبہ اگر امامؑ کے اہلبیت قید نہ ہوتے اور وہ انتہائی بزرگوارانہ اطوار اور کمال درجہ کی برداشت وتحمل کو کام میں نہ لاتے اور واقعات فاجعہ کربلا کو مقامات دورانِ سفر اور کوفہ وشام میں تبلیغ نہ کرتے تو شہادت امام حسین علیہ السلام کا یہ امر عظیم اس قدر شہرت پذیر نہ ہوتا۔ امام حسین علیہ السلام نے ان مخدراتِ عصمت وطہارت اور اپنے کمسن بچوں کے متعلق اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے فرمایا تھا۔ اِنَّ اللہَ قَدْ شَآءَ اَنْ یَّرَاھُنَّ سبایا۔ اللہ تعالےٰ نے یہی چاہا ہے کہ میرے اہلبیت کو وہ اسیر دیکھے یہ بات اُس وقت معلوم ہوئی جبکہ اہلِ بیت کی اسیری اور قید نے جہاد کربلا کو تکمیل تک پہنچایا اور اُسے ثمر آور کیا (مرد مافوق انسان سید الشہداؑ صفحہ ۱۹۶) یہ بنی اُمیہ کے ارباب مناصب اور یزیدی حکومت کے عہدیداروں ابن زیاد وغیرہ کی سب سے بڑی سیاسی خطا اور غلطی تھی کہ ان لوگوں نے خاندان رسالت کے افراد کو قید کرکے بلاد وامصار میں پھرایا۔ اور انہیں جہاد کربلا کی عظمت اور بنی اُمیہ کی ناہنجاری کے اظہار کا موقع دیا، چنانچہ اہلِ بیت کے دورانِ سفر میں یہی حکومت بنی اُمیہ کے خلاف آثار بغاوت نمایاں ہوگئے تھے، اس سفر میں قیدیوں کو پہنچانے والے فوجی ظاہر یہ کرتے تھے کہ جن لوگوں نے انسانی خلیفہ پر خروج کیا تھا یہ انہی کے اہلبیت ہیں جو کفار ترک و دیلم کی قیدیوں کی طرح مقید کئے گئے ہیں، لیکن اہل بیت حسینی کی اس طرح تشہیر حسینی مقصد کو کامیاب بناتی جاتی تھی۔ سوائے چند بستیوں کے جن آبادیوں سے گذر ہوتا تھا۔ اموی حکومت کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا ہوتے جارہے تھے۔

**موصل** اہل موصل نے کسی طرح یہ گوارا نہ کیا کہ یزیدی فوج ان کی آبادی سے گذر جائے

**تکریت** تکریت میں پہلے تو یزیدی پروپگنڈہ کی بنا پر یہ سمجھا گیا کہ کسی عام آدمی نے حکومت کے خلاف خروج کیا تھا یہ اُنہی کے سر ہیں جن کی تشہیر ہو رہی ہے۔ اس لئے بازاروں کو سجا کر فوج کا استقبال کرنا چاہا۔ لیکن بروقت ایک عیسائی نے ان مسلمانوں کو غیرت دلا کر یہ بتلایا کہ میں کوفہ میں موجود تھا مجھ کو معلوم ہے کہ یہ سر تمہارے نبیؐ کے نواسے حسینؑ کا ہے۔ اور یہ انہی کے اہل بیت ہیں جن کو قید کیا گیا ہے۔ تکریت کے عیسائیوں اور مسلمانوں نے حسینؑ کے نام پر مل کر یزیدیوں کے خلاف محاذ جنگ قائم کیا۔ یزیدیوں کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے راستہ بدل دیا اور معرۃ النعمان کی طرف چل دیئے۔

**شیرز** مقام شیرز کے لوگوں نے بھی یہی کیا

**کفرطاب** قلعہ کفرطاب میں بھی نہیں داخل ہو سکے۔

**سیبور** مقام سیبور کے لوگوں نے بھی مقابلہ کیا۔ علیا جناب اُم کلثومؑ نے ان لوگوں کو ان الفاظ خیر میں دعا دی۔ خدا تمہارے اِن پانی کے چشموں کو میٹھا کرے گرانی تمہارے ہاں سے دور ہو اور آپ لوگ ظالموں کے شکنجے سے نجات پائیں۔

**حماۃ** اہل حماۃ بھی جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور یزیدیوں کو اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دیا۔

**حمص** باشندگانِ حمص نے باقاعدہ جنگ کی اور چھبیس ۲۶ یزیدیوں کو قتل کیا۔ صاحب روضۃ الاحباب کی تحقیق کی بنا پر مقام حرّان میں یحییٰ حرّانی ایک عیسائی راہب نے یزیدیوں سے جنگ کی اور بالآخر شہید ہو گیا۔ شہید انسانیت صفحہ ۷۶ھ

عالیہ زینبؑ، سید سجادؑ، عالیہ اُم کلثومؑ کی تقاریر سے شام کے صدر مقام دمشق میں سید سجادؑ کی تقریر اور زینبؑ کبریٰ کے آتشیں خطبہ سے یزید کے دربار میں ایسی پریشانی پھیلی کہ لوگ یزید کو گالیاں دینے لگے اور اُس کے سامنے اُس کے ان اعمال قبیحہ کی مذمت کر رہے تھے۔ (الکامل ابن اثیر صفحہ ۳۰۰)

مصری مؤرخ عباس محمود عقاد لکھتا ہے۔ کہ یزید کو سب سے زیادہ اُس کے خاندان کے لوگ گالیاں دیتے تھے اور اُس کی مذمت کرتے تھے (ابو الشہدا صفحہ ۱۹۷ ترجمہ مغربی)

اسی لئے تو جوش ملیح آبادی نے اس حقیقت کو اپنی نظم میں بیان کیا ہے۔

ع طاقت سی شئے کو خاک میں جس نے ملا دیا ۔ تختہ الٹ کے قصر حکومت کو ڈھا دیا
جس نے ہوا میں رعب امارت اڑا دیا ۔ ٹھوکر سے جس نے افسر شاہی گرا دیا
اس طرح جس سے ظلم سیاہ فام ہو گیا ۔ لفظ یزید داخل دشنام ہو گیا

(حسینؑ اور انقلاب۔ شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی)

مؤرخ عماد الدین طبری لکھتا ہے کہ یزید کی مخالفت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ دمشق کے لوگوں نے چاہا کہ یزید کے گھر پر حملہ کر کے اُس کو مار ڈالیں۔ مروان بن حکم نے یہ حالت دیکھ کر پریشانی میں یزید کو کہا اب تمہارے لئے یہ بہتر نہیں ہے کہ تم اس جگہ قیام کرو۔ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی نے اپنی کتاب جامع صغیر میں جناب رسالتمآب سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ جب خدا چاہتا ہے کہ اپنے احکام قضا و قدر کو انجام دے تو عقلمند حکمرانوں کی عقل کو بھی اس طرح سلب کر لیتا ہے تاکہ اُس کے احکام قضا و قدر انجام پائیں اور وہ حکمران پشیمان ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے یزید اور اُس کے عمال اور اہل کاروں سے عقل چھین لی تھی اور ایسے مبلغین حق کو اُس شہر میں بھیج دیا تھا۔ جنہوں نے اپنی تقاریر سے یزید کو اس حد تک پہنچا دیا تھا جو کہ یزید اور اُس کے حکام کی ذلت کا باعث ہوئی۔ سرکار سید الشہدا کے اسیر اہلبیت کا نالہ و فریاد اور آہیں اس طرح رنگ لائیں۔ جس پر جوش ملیح آبادی اظہار خیال کر رہے ہیں۔

یوں بجھا کر رکھ دیئے آہوں نے دولت کے دیئے ؛ آنسوؤں میں بہہ گئے طبل و علم کے دبدبے
بیڑیوں کی گونج سے ایوان تھرانے لگے ؛ ایک بی بی کی خطابت نے ڈالے زلزلے
اشک خون روشن ہوئے نظروں سے تارے گر گئے ؛ خاک پر قصر حکومت کے منارے گر گئے

**اموی حکومت کا انجام** | اعلیٰ درجے کا تمدن اور اعلیٰ درجے کی متمدن قومیں کیوں کرنا

ہو جاتی ہیں۔ یہ فلسفۂ عمرانیات کا اہم سوال ہے۔ جس کا مختصر جواب یہ ہے کہ تمدن خود تمدن کا دشمن ہے۔ جس کی تشریح یہ ہے۔ کہ جب کوئی قوم تہذیب و تمدن کے زیور سے آراستہ ہو کر ہر قسم کی قوت و اقتدار کی مالک بن جاتی ہے اور اُس کو ہمسایہ قوم کے حملے کا خطرہ نہیں رہتا تو وہ عیش پسند ہو جاتی ہے۔ جو افراط زر اور کثرت دولت کا لازمہ ہے اور وہ عیش پرستی تمدنی ترقی کے ساتھ ضروریات تعیش میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ ہر شخص میں خود غرضی اپنا قدم جما لیتی ہے اور اُس کا نقطۂ خیال صرف یہ ہوتا ہے کہ جو مال دولت اُس کے ہاتھ آئے بغیر سوچے سمجھے اُس سے فائدہ اُٹھائے۔ ان کی نظر میں مصالح عامہ کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ قوم کے تمام محاسن و اخلاق فنا ہو جاتے ہیں۔ اب اُس پر وحشی یا نیم وحشی قرب و جوار کے ہمسائے حملہ کر دیتے ہیں۔ روم اور ایران کی سلطنتوں کا یہی حشر ہوا۔ اگرچہ ان کا حکومتی انتظام نہایت مستحکم تھا۔ تاہم بربریوں نے روم کا خاتمہ کر دیا۔ اور عربوں نے ایران پر قبضہ کر لیا۔ قرآن نے اس قانون عمران کو اِس آیت میں بیان کیا ہے۔ جسے ہم عنوان میں لکھ چکے ہیں ارشاد ہے۔ اذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرنٰھا تدمیرا۔ جب ہم کسی آبادی کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے دولت مندوں کی تعداد میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ اس لئے وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر اُن پر ہمارا قانون فطرت منطبق ہو جاتا ہے۔ پھر ہم اُس کو تباہ کر دیتے ہیں۔

**بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کا تقابل** اب ذرا بنی اُمیہ کی تاریخ تمدن پر نظر ڈالئے۔ بنی ہاشم سے بنی اُمیہ کو عناد و عداوت تھی۔ جس میں بنی اُمیہ کو ہمیشہ نیچے دیکھنا پڑا بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کا یہ اختلاف قبائلی اختلاف نہ تھا بلکہ دونوں قبیلوں کی طبیعتیں متضاد تھیں۔ بنی ہاشم موحد، خدا پرست تھے بنی اُمیہ ماحول کے اثرات سے بُت پرست ہو چکے تھے۔ بنی ہاشم میں شفقتِ خلق کا جذبہ تھا۔ تو بنی اُمیہ سرمایہ دارانہ ذہنیت سے انسانیت کا خون چوسنا چاہتے تھے۔ بنی ہاشم عفیف و پاکدامن تھے بنی اُمیہ رنگیلے مزاج کے مالک اور عیاش تھے۔ بنی ہاشم ایثار و قربانی سے موصوف اور بنی اُمیہ اقتدار دوست، خود غرض، بنی ہاشم مجسمۂ روحانیت۔ صاحبان سیاست روحانیہ بنی اُمیہ

مجسمہ مادیت علمبرداران سیاست مادیہ۔ طبیعتوں کا یہ اختلاف رنگ لایا۔ ابوسفیان اسلامی انقلاب کو مٹانے کے لئے تاامکان محمد مصطفیٰ سے لڑتا رہا۔ فتح مکہ کے دن اُس نے اسلام اختیار نہیں کیا بلکہ بقول جناب امیرؑ اسلامی طاقت کے آگے سر جھکا دیا گویا پھنکارے مارتا ہوا سانپ مارِ آستین بن گیا۔ سرکار رسالت کے ارتحال پُر ملال کے بعد جب ملکی فتوحات شروع ہوئیں، تو اموی افراد عسکریت کے دروازے سے مسلمانوں کے قصر حکومت میں داخل ہو گئے۔ حضرت عمر کے زمانہ جو کہ خود ایک سخت گیر سیاسی حکمران تھے تو یہ سمجھ میں نہیں آتا جب ہم دوسرے گورنروں سے اُن کا سخت گیرانہ سلوک پڑھتے ہیں اور اس کے برخلاف اموی خاندان یعنی اولاد ابوسفیان سے امتیازی مراعات دیکھتے ہیں تو تعجب کی انتہا نہیں رہتی مثلاً حضرت عمر کا ایک ایسے خاندان کو برسرِ اقتدار لانا ابوسفیان کے بیٹے یزید کو شام جیسے زرخیز صوبے کا گورنر مقرر کرنا اور اُس کے مرنے پہ ساٹھ ہزار اشرفی ماہانہ پہ اُس کے بھائی معاویہ کو اُس کی جگہ مقرر کرنا پھر اُسے برابر ترقی دیئے جانا یہاں تک کہ تین حاصل خیز صوبوں شام، فلسطین اور شرق اردن کو پورے طور پہ اُس کے سپرد کر دینا تاریخ کے طالب علم کے لئے سرمایۂ حیرت ہے۔ اب یہ سلطنت امویہ یزید کے دور تک اتنی ترقیاں کر گئی تھی کہ جنہیں بھلایا نہیں جا سکتا، جن کی وجہ سے مال و دولت حکومت و مملکت کی وسعت، جاہ و حشمت، قیصر و کسریٰ کو مات کئے ہوئے تھی۔ اب ان لوگوں کو یہ جرأت ہوئی کہ نوبت یہاں تک پہنچے جسے قرآن نے بیان کیا ہے اور ہم اسے اس کتاب کے اُس مقالے میں جس کا عنوان یسئلونک عن الشھر الحرام کی آیت میں بیان کر چکے ہیں۔ اب اس اقتدار پہ پہنچ کر حکومت امویہ یہ چاہتی تھی کہ وہ انقلابی اسلام کے علمداروں سے برسر پیکار رہے۔ جسے قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے لا یزالون یقاتلونکم حتٰی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا۔ یہ لوگ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے۔ جب تک کہ تم کو تمہارے دین سے مرتد کر دیں۔ اگر یہ ان کی طاقت میں ہوا۔ ابوسفیان سرکار رسالتؐ سے لڑتا رہا معاویہ سرکار ولایت علی مرتضیٰ سے لڑتا رہا۔ جب معاملہ حد سے گزر گیا تو پیامبر انقلاب حسینؑ اُٹھے تاکہ وہ اپنے اصحاب و انصار کے

ساتھ اس فتنہ کو مٹانے کے لئے ہجرت کریں اور پھر جہاد کریں۔

خداوند عالم نے اس آیہ مبارکہ میں امام حسین علیہ السلام کی ہجرت اور جہاد کو اس طرح بیان کیا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥

(سورہ بقرہ آیت ۲۰۱ پارہ ۲ رکوع ۱۱)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ اللہ کی رحمت کے حق دار ہیں۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی ہجرت کو اگرچہ ہم روانگی مدینہ کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں۔ مگر اس واقعہ کے بعد المیہ کربلا میں جو نشو و ارتقا رہوئی۔ اس کے لحاظ سے ہم ہجرت کے واقعات کو مزید توضیح سے بیان کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہجرت کے متعلق تین آیات ہیں۔ پہلی آیت وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ط (سورہ نساء آیت ۱۰۰ پارہ ۵ رکوع ۱۱)

اور جو شخص راہ خدا میں ہجرت کرے گا تو وہ زمین میں بڑی وسعت اور کشائش پائے گا۔

دوسری آیت وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (سورہ نساء آیت ۱۰۱ پارہ ۵ رکوع ۱۱)

اور جو خدا اور رسول کے لئے اپنے گھر سے ہجرت کر کے نکلے پھر اُسے موت آ جائے تو اُس کا اجر یقیناً خدا کے ذمہ رہا اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

تیسری آیت اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ط (سورہ حج پارہ ۱۷، آیت ۴۰ رکوع)

جو اپنے ملک سے ناحق صرف اتنی سی بات کہنے پر نکالے گئے تھے۔ کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔

اگرچہ یہ تینوں آیتیں جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔ مختلف مواقع کے لحاظ سے مختلف انسانوں پر منطبق ہوتی ہیں۔ مگر لغت اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اور واقعات کے لحاظ سے ان کا اطلاق سرکار سید الشہداء امام حسین علیہ السلام پر ہوتا ہے اور کسی پر ایسا نہیں قرآن حکیم باوجود اختصار و ایجاز کا اعجاز اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ قرآن صرف چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات کا مجموعہ ہے۔ لیکن انسان کے تمام حالات پہ حاوی ہے۔

**لفظ مراغماً کی توضیح** اب پہلی آیت کو لیجئے اگرچہ یہ مہاجرین مدینہ کے لئے ہے اور اُن پر منطبق ہوتی ہے مگر لفظ (مراغم) کی لغت کے لحاظ سے توضیح ملاحظہ فرمائیں۔ لغت میں مراغم کے معنی اس طرح بیان ہوئے ہیں۔ مراغم کے معنی مضجع (خواب گاہ قبر) دوسرا چلنے کی جگہ تیسرے قلعہ چوتھے جائے پناہ (المنجد عربی۔ اردو صفحہ ۴۷۶) مجمع البحرین میں اس کے معنی اس طرح پہ ہیں علامہ طریحی لکھتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ یجد فی الارض مراغماً کثیراً ای متحولا مرغام بالفتحہ وھو التراب۔ الراغم کے معنی جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا قول اس آیت میں ہے یجد فی الارض مراغماً کثیراً مراغماً بالفتح ہے اور رغم کے معنی مٹی ہیں اس لئے مراغم کے معنی قبر ہے دوسرا معنی علامہ طریحی نے لکھا ہے۔ قیل طریقاً یُراغم قومُ بسلوکہ۔ مراغم کے معنی رستہ ہے، جس کو قوم نے مٹی میں چل کر بنایا ہو، رغم باب فَعِلَ بروزن تَعِبَ سے ہے جس کے معنی تکلیف میں لوٹنا ہے آخر میں لکھا ہے کہ اس کے معنی قلعہ ہیں۔ مجمع البحرین علامہ فخرالدین طریحی نجفی صفحہ ۲۰۲

اور عربی کی مشہور لغت قاموس میں ہم نے لفظ مراغم بضم میم اور بفتحہ غین معجمہ چار معنے پائے ہیں (۱) جائے رفتن چلنے کی جگہ (۲) مہرب جائے گریز بھاگنے کی جگہ (۳) اور حصن قلعہ (۴) مضطرب جائے دست و پا زدن ہاتھ پاؤں مارنے کی جگہ۔ بعض مترجمین قرآن نے مضجع یا خواب گاہ اور قبر کے معنی لکھے ہیں کہ مردہ اس میں بڑے آرام سے سورہا ہے، چونکہ مومن کی قبر باغ ہائے بہشت میں سے ایک باغیچہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مصداق اس آیت کا امام حسین علیہ السلام جس طرح ہیں اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ وہ ایسے مہاجر ہیں جو اپنے گھر سے نکل کر راہ خدا

میں چلے ہیں۔ اسی معنی کے تعین کے لئے بلاغت عرب میں قرینۂ صارفہ کی ضرورت ہے۔ یہ قرینہ لفظی ہو یا عقلی ہو قرینۂ صارفہ کی موجودگی میں دوسرے معنی اُس سے مراد نہیں ہو سکتے اور لفظ مشترک کا استعمال بدون قرینے کے ہرگز درست نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی ضرورت ہی ایسی ہو تو بدون قرینے کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔ پھر اگر قرینہ کسی معنی کے مراد لینے کا نہ ہو اور ہر ایک معنی کا مراد لینا صحیح ہو سکے گا۔ اُس کو بدل بدل کر اس وقت جائز ہے۔ کوئی معنے لئے جائیں جیسے کوئی شخص کہے میں نے عین کو دیکھا۔ اب لفظ عین کے جتنے معنی ہیں اور ان کو آنکھ دیکھ سکتی ہو تو بدل بدل کر حسب مراد معنی لئے جا سکتے ہیں۔ پھر اگر کوئی ایسا شخص پایا جائے یا کوئی چیز کہ جس پر لفظ مراغم کے ہر ایک معنی کا اطلاق درست اور صحیح ہو سکے تو وہی شخص لفظ مراغم کا زیادہ مصداق قرار دیا جائے گا۔ جب ہم امام حسین علیہ السلام اور اُن کے واقعات کو دیکھیں تو پانچوں معنی اُن پر منطبق ہوتے ہیں۔ پہلے معنی (مذہب چلنے کی جگہ۔ مذہب یا تو مصدر میمی ہے یا ظرف مکان ہے۔ مصدری معنی تو جانا اور چلنا ہے۔ اس کو امام حسین علیہ السلام نے مدینے سے ہجرت کرنے کے وقت سے کربلا پہنچنے تک مراغماً واسعۃً یعنی ہمیشہ کشادہ راہ پر چلتے رہے۔ اگرچہ آپ کے روکنے کی لوگوں نے بڑی بڑی کوششیں کیں، جیسا کہ مکے سے روانگی کے روز یزید کے بھیجے ہوئے آدمی سد راہ ہوئے لشکر حُر نے بھی روکا۔ مگر آپ ہرگز نہ رُکے اور اپنی خوابگاہ پر پہنچ گئے۔ مذہب اگر ظرف مکان ہے تو وہی خاص جگہ آپ کے مشہد کی ہے۔ اِسے بھی آپ نے پالیا۔ ملائکہ اور جنات کی فوجوں سے آپ نے صاف کہہ دیا تھا کہ جب تک میں اپنے خاص گھر کو نہ پہنچوں یہ لوگ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مراغم کے دوسرے معنی (مہرب) کے ہیں یعنی جائے گریز بھاگنے کی جگہ آپ تو بہادر اور دلیر تھے۔ آپ کی ذات سے یہ لفظ منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن آپ نے دشمنوں کے بھاگنے کی جگہ کربلا کو ضرور بنا دیا۔ بر حملہ حیدری میں تمام لشکر یزید کو چند مرتبہ بھگا دیا۔ رہا (حصن) یعنی قلعہ یہ بھی آپ کو ملتا تھا۔ مگر آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا۔ طرماح بن حکم جو منزل عذیب الہجانات پر آپ سے

ملے۔ اس واقعہ کو علامہ جزری سنے جو مورخ اہلسنت ہے اپنی تاریخ میں لکھا ہے جزری کہتا ہے
کہ طرماح نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے تو آپ کے ساتھ کچھ
زیادہ بھیڑ بھاڑ نظر نہیں آتی اور میں نے میدان کوفہ میں اپنے چلنے سے ایک روز پہلے
لشکر یزید کی ایسی جمعیت دیکھی ہے کہ ایسا مجمع کبھی مجھے نظر نہیں آیا وہ سب کے سب
آپ پر چڑھائی کریں گے۔ میں آپ کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ اگر ہو سکے تو ان کی طرف ایک
بالشت بھی قدم نہ بڑھائیں۔ اگر آپ کو ایسی جگہ جانا منظور ہو کہ وہ مقام محفوظ ہو اور خدا
آپ کے دشمنوں کو وہاں تک پہنچنے سے روکے تو یہی حصن یعنی قلعہ ہے۔ مگر حضور نے
اپنا قلعہ بند ہونا پسند نہ فرمایا۔ تو ان معنوں میں مراغم یعنی جائے پناہ یا قلعہ آپ کو ملا۔ طرماح
نے کہا آپ وہاں پہنچ کر باطمینان خاطر اپنی تجاویز کو نافذ کیجئے اور جو کچھ کرنا ہو۔ وہاں اطمینان
سے بیٹھ کر کیجئے۔ چلئے آپ میرے پہاڑ پر جس کا نام "اجاء" ہے۔ وہی ایسا پہاڑ ہے کہ ہم
لوگ شاہان غان اور حمیر کی دست درازی سے ہمیشہ محفوظ رہے خدا کی قسم کبھی وہاں ہم کو ذلت
نہیں پہنچی تا آخر جو کچھ اس مورخ نے لکھا ہے۔ مگر امام حسین علیہ السلام راضی نہ ہوئے کہ طرماح
کے ہمراہ جائیں بلکہ آپ سنے فرمایا کہ میرے اور اس گروہ میں ایک وعدہ ہے مجھے اس کے
خلاف کرنا گوارا نہیں حصن کا ملنا تو ضرور ثابت ہے۔ لہٰذا مراغم کے تین معنی آپ پر صادق
آچکے ہیں۔ حضور نے یہ بھی فرمایا کہ اگر خدا دشمنوں کے ضرر کو ہم سے دفع کر دے گا۔
جیسے کہ اس کی نعمت ہمیشہ ہمیں ملتی رہی ہیں اور وہی خدا کافی ہے۔ اور اگر وہی ہونا ہے
جس کا ہونا ضروری ہے (موت) تو اس سے ہم اپنے مقصد کو پہنچ جائیں گے اور شہادت
ملے گی انشاء اللہ اب تو معلوم ہوا کہ امام حسین علیہ السلام نے حصن کو پایا تھا۔ مگر راضی نہ ہوئے
کہ اس میں جا کر پناہ گزیں ہوں۔ باقی رہے چوتھے معنے یعنی مضطرب ہاتھ پاؤں مارنے کی جگہ
اور یہی معنے ہمارے محل استدلال ہیں۔ شہادت امام حسین علیہ السلام کا اثبات اسی معنی
سے ہمیں کرنا ہے یہ مقالہ اس غرض سے لکھا گیا ہے کہ مراغم کی آیت ہمارے دعویٰ پر دلیل ہے

روایت ہے جسے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یوم ورود کربلا اس روایت کو اپنی چھوٹی بہن سے بیان فرمایا تھا۔ فرمایا ام کلثوم میں اپنے والد امیر المومنین علیہ السلام کے ہمراہ ایک سفر میں تھا۔ جب آپ واپس ہو کر اس زمین پر پہنچے تو آپ اس طرح لیٹ رہے کہ ان کا سر میرے برادر معظم حسنؑ کے زانوئے اقدس پر تھا آپ سو گئے اور میں آپ کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا آپ کی دونوں آنکھیں بند ہو گئیں۔ یعنی نیند آگئی۔ پھر آپ بیدار ہوئے تو روتے ہوئے خواب سے اٹھے بھائی حسن نے رونے کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ یہ ساری زمین دریائے خون ہو گئی ہے اور میرا فرزند حسین اسی دریا میں پڑا ہوا ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ فریاد کرتا ہے۔ لیکن کوئی اس کی فریاد کو نہیں پہنچا۔ پناہ مانگتا ہے اور کوئی اُسے پناہ نہیں دیتا۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر آپ فرمانے لگے سے اے فرزند کہو تم کیا کرو گے۔ تمہارا کیا ارادہ ہے۔ یہ راز و نیاز کی باتیں ہیں، اس کو خوب سمجھئے باپ بیٹے سے قتل ہونے پر رضامندی کے متعلق پوچھ رہا ہے کہ جس دن یہ واقعہ پیش آئے گا۔ تو امام حسین علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی اے پدر بزرگوار میں اس امتحان پر خدا کا شکر ادا کروں گا۔ اور انشاء اللہ اسی دریائے خون میں تیروں گا۔ جب معلوم ہو گیا کہ مراغم کے یہ معنے ہاتھ پاؤں مارنے کے امام حسین علیہ السلام پر صادق آگئے تو اب ہمیں کیا مانع ہے کہ ہم اس آیت کو آپ کی شہادت کے ثبوت میں پیش کریں۔ قرآن اور حدیث دونوں مطابق ہیں، رہے معنی خواب گا اور آرام کے

خواب گاہ یا قبر کی جگہ امام حسینؑ کی یہ تو وہ جگہ ہے جس کو خدا نے اسی روز پسند کر لیا جس روز زمین کو بچھایا ہے۔ آپ کی قبر گاہ امان ہے۔ آپ کے دوستوں اور زائرین کے لئے جائے امن ہے۔ یہی وہ قبر ہے جسے سرکار رسالتؐ نے اپنے دست مبارک سے کھودا ہے۔ چنانچہ ام سلمہؓ سے آپ نے خواب میں ارشاد فرمایا ہے۔ حسینؑ کی خواب گاہ سے کس کی خواب گاہ اچھی ہے۔ اس قبر کی کرامت کی قوی دلیل یہی ہے کہ ہمیشہ بروز عاشورہ

اس جگہ کی مٹی سرخ ہو جاتی ہے اور سرخ ہوتی رہے گی۔ جب تک خدا کی مشیت جاری ہے
پھر چونکہ ایسی قبر جو قدرت الٰہی کو ہمیشہ ظاہر کرتی رہی ہے خدا اس مضجع کے حصول کا ذکر نہ
کرے گا تو اور کس کا کرے گا۔ یہی سبب ہے کہ جس تسبیح کے کسی دانہ میں یہ مٹی ہوتی ہے
وہ دانہ سرخ ہو جاتا ہے۔ ہمارے برصغیر پاک و ہند میں چند جگہ آج بھی ایسی تسبیحیں موجود ہیں
جو ہمارے قول کی راستی پر شاہد ہیں، اسی طرح اور بھی چند نشانیاں ایسی ہیں جو اس قبر مطہر کی
کرامت کی دلیل ہیں لفظ مراغم پانچوں معنوں میں جس آیۂ مبارکہ میں جس طرح امام حسینؑ پر
صادق آتی ہیں اور کسی آدمی پر صادق نہیں آتے۔

اب (وسعۃً) اور کشائشیں سو آیت میں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے کہ خاص قسم کی
کشائشیں مراد ہو لیکن جب ہم نے قرآن حکیم میں تلاش کی تو قصۂ داؤدؑ و جالوت میں یہ سراغ
ملا کہ دینی قیادت میں وسعت مال نہیں بلکہ وسعت علم وجسم ضروری ہے یعنی علم و شجاعت
درکار ہے، آیۂ مراغم میں بھی وسعت مال مراد لینا مناسب نہیں۔ کیونکہ لفظ مراغم کے پانچوں
معنوں سے مال کو کوئی ربط نہیں ہے اور وسعت مال و وسعت رزق لازم ملزوم ہیں
اگر وسعت مال کا مراد لینا درست نہیں تو وسعت رزق بھی درست نہ ہوگی اب مناسب
ہے کہ اس آیت میں وسعت سے وہی کشائشیں مراد لی جائے جو مراغم کے کسی معنے سے
مناسبت رکھتے ہوں اور نیز لفظ کثیر جو مراغم کی صفت ہے اُس سے مخالف نہ ہوں۔
قرآن کے حقیقی مفسر اور شارح حضرات آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں جو کہ الراسخون فی العلم
ہیں، جو حدیث ثقلین کی رُو سے ہمیشہ قرآن کے ساتھ رہیں گے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا
ہے کہ امام حسینؑ کو وسعت ان کے مضجع یا خواب گاہ میں ملی ہے۔ جو آپ کا حائر ہے اور
اس وسعت کی حد چار میل مربع ہے اس میں برکت اور شفا ہے اور روز قیامت جو
شخص اس مرکز میں سے محشور ہوگا۔ حساب سے پاک ہوگا اور جو شخص اس زمین پر بقصد
زیارت آ لے گا اس کو پوری نماز اور قصر کرنے میں اختیار ہے گویا مومن کا اصلی وطن یہی ہے

یہی وہ وُسعت ہے جو امام حسینؑ کے سوا اور کسی کو میسر نہیں آتی الحمدللہ

اب دوسری آیت کہ جو شخص اللہ اور رسول کے لئے ہجرت کر کے نکلے پھر اُسے موت آجائے تو اس کا اجر خدا کے ذمہ رہا۔ مفسرین نے لکھا ہے۔ سورہ نساء کی یہ آیت ایک بیمار شخص کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ وہ مکہ کا باشندہ تھا اس کا نام جندع یا جندب تھا، ہجرت کا ثواب سن کر مدینہ کو روانہ ہوا تنعیم۔ جو کہ مکہ سے مدینہ کے راستہ میں پہلی منزل ہے وہاں پہنچ کر وہ مر گیا۔

اس آیت میں الی اللہ ورسولہ ہے (الی) حرف جار لام کے معنی دیتا ہے
(المنجد عربی اردو صٓ)

لام مختلف المعنی ہے۔

اختصاص، استحقاق، ضرورت اور تعدیہ، ملک، تبلیغ، قسم وغیرہ (المنجد عربی اردو صٓ ۱۱۳۵)

یہ سب معانی ہجرت حسینؑ پر زیادہ منطبق ہوتے ہیں، امام حسین علیہ السلام کی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے مخصوص تھی، استحقاق رحمت کے لئے دین کی ضرورت اس لئے تھی کہ نبوت ختم ہو چکی تھی اس لئے اُن کی عظیم قربانی ختم نبوت کی دلیل تھی۔

تیسری آیت

کتاب کافی میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ یہ آیت جناب رسولؐ خدا جناب علی مرتضیٰ حضرت حمزہ اور حضرت جعفر طیار کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پھر اس کا حکم جناب امام حسینؑ کے بارے میں جاری ہوا۔

تفسیر قمی میں ہے کہ اس آیت کے مصداق جناب امام حسینؑ ہیں جبکہ یزید نے ان کی گرفتاری کے لئے آدمی بھیجے کہ ان کو پکڑ کر شام لے آئیں اور وہ حضرت کوفہ کی طرف روانہ ہوئے، اور میدان طف میں قتل کئے گئے۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنی اس ہجرت اور جہاد سے فسق و فجور، ظلم و جور اور استبداد

سے دوچار ہونے کا نظام بنا دیا۔ اور طریق کار ایجاد کیا۔ جس سے سب سے پہلے یزیدی حکومت بنی اُمیہ کی سلطنت۔ عیش پرستیوں اور خود غرضیوں کا شکار ہو گئی ہوتا وہی تھا جو قانون فطرت کا تقاضا تھا۔ لیکن ناعاقبت اندیش یزید نے اُس زفت کے آنے سے بیشتر امام حسین علیہ السلام سے تصادم مول لیا اور حسینؑ کے تقدس اور قوت روحانی کا ذرہ بھر دھیان نہیں کیا اور انہیں شہید کر ڈالا' ہوا کیا کہ اُس کا داخلی نظام جو عیش پرستیوں اور خود پرستیوں سے متزلزل ہو رہا تھا۔ اُس نے اس شہادت عظمیٰ سے متاثر ہو کر انقلابات کو جلدی قبول کر لیا۔

پروفیسر ایڈورڈ براؤن اپنی کتاب لٹریری ہسٹری آف پرشیا کی جلد اوّل صفحہ ۲۲۸ میں لکھے ہیں عبداللہ بن زبیر اور نیز مختار کے خروج اور یزید و بنی اُمیہ کے برخلاف بغاوتوں کو شہادت حسینؑ اور واقعہ کربلا کے اثرات کا نتیجہ بتلاتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر کی بغاوت جس نے نو سال تک خود مختارانہ حیثیت سے بطور خلیفہ ارض مقدس پر تسلط رکھا ۶۸۳ء سے ۶۹۳ء تک وہ حسین اور اُن کے اقرباء کے خون کا انتقام لینے کی عام خواہش پر مبنی تھی جو نہ صرف شیعان علی ہی میں بلکہ اکثر خارجی فرقے کے مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یزید کی فوج کے ہاتھوں مدینہ منورہ میں قتل و غارت کے موقع پر ۶۸۲ جلیل القدر اصحاب رسول اور سات سو حفاظ قرآن مجید تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے، اِن شہیدوں کا خون اور خانۂ خدا کی بے حرمتی زبان حال سے انتقام لینے کے لئے پکار اُٹھی۔

**عراق میں اضطراب** سلیمان بن صرد خزاعی شیعوں کے ایک گروہ کی سرپرستی میں خون حسینؑ کا انتقام لینے کے لئے میدان میں آئے یہ لوگ مخلص شیعہ۔ اصولی شیعہ اور صحیح معنوں میں شیعہ تھے۔ جو حکومت کی سختی سے دب گئے تھے۔ یہ لوگ حکومت کی سخت پابندیوں کی وجہ سے سرکار سید الشہداءؑ تک نہ پہنچ سکے۔ ایسی جدوجہد نہ کر سکے کہ حضور کی خدمت میں پہنچ جاتے اور سرکار سید الشہداءؑ کے مقابلے میں نہیں آئے اور جب بھی انہیں موقع ملا انہوں نے

اپنی ضمیر کی آواز پر لبیک کہا اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک قاتلانِ حسین کو قتل نہ کر دیا
اب انہیں توبہ کرنے والے توابین کہیں یا انتقام لینے والے ثارات الحسین کے لقب سے ملقب
کریں یہ جماعت بعد شہادت حسین اپنی جانوں پر کھیل کر کامیاب ہوئی ان میں سے بعض اس جدوجہد
میں شہید ہوئے اور انہوں نے اپنے خون سے کوتاہی کے دھبے کو دھو ڈالا۔ اور بعض انتقام حسین
کے سلسلے میں تا بحدِ امکان کامیاب ہوئے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اللہ ان کی توبہ قبول کرے
اور ان سے راضی ہو اور ان کی جدوجہد کا انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ انگلستان کے مشہور شاعر
ڈرامہ نگار شیکسپیئر نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی گروہ کی تصویر ان پیارے الفاظ میں کھینچی ہے۔

CONFESS THY TREASONS ERE
THOU FLY THE REALM,,
SINCE THOU HAST FAR TOGO,
BEAR NOT ALONG
THE GLOGGING BURDEN OF A GUILTYSOUL.
AWET HIS GRAVE WITH THY REPENTANT
TEARS (RICHARD, ACT SU 2)

عالم آخرت کی طرف پرواز کرنے سے پہلے اپنی بیوفائی کا اعتراف کرو تمہیں دور دراز کا
سفر درپیش ہے ایک مجرم روح کا بھاری بھرکم بوجھ اپنے ساتھ اٹھا کر نہ لے جاؤ۔ اس کی قبر کو
اپنی ندامت کے آنسوؤں سے بھگو دو۔

**خونِ ناحق کا انتقام** | شہادت امام حسین علیہ السلام کے وقت مختار بن ابی عبیدہ، ابن زیاد
کی قید میں تھے عبداللہ بن عمر کی زوجہ ان کی بہن تھی۔ اس کی سفارش سے یزید نے انہیں جیل سے
نکالا۔ ان کے دل میں امام حسین علیہ السلام کے خون کا انتقام لینے کے لئے جوش تھا۔ مختار خوش قسمتی
سے ابراہیم بن مالک اشتر کا اتحاد عمل حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مختار اور ان کی جماعت

کے لئے قاتلان حسین سے انتقام لینا آزادی کے ساتھ اُس وقت تک ناممکن تھا۔ جب تک وہ کوفے میں ایک خود مختارانہ حیثیت حاصل نہ کریں۔ یہ وجہ تھی کہ انہیں حکومت ابن زبیر سے تصادم ناگزیر ہُوا۔ عبداللہ بن مطیع جو ابنِ زبیر کی طرف سے حاکم کوفہ تھا۔ ان جانبازوں کے مقابلے کی تاب نہ لاکر فرار ہو گیا اور کوفے میں مختار کی حکومت قائم ہو گئی۔ حکومت پاتے ہی انہوں نے اپنے نصب العین کو فراموش نہیں کیا۔ اُنہوں نے چن چن کر قاتلان امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنا شروع کیا۔ یہی واقعہ ان کی نیت کے متعلق اچھی رائے قائم کرنے پر مجبور کرتا ہے اور اسی وجہ سے ہم اُسے مختار آل محمد کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ عمر بن سعد شمر بن ذی الجوشن سنان بن انس، خولی ابن یزید، زرعہ بن شریک، زحر بن قیس، حرملہ بن کاہل اسدی اسی طرح کے ہر ہر ظالم کو جو قتلِ حسین میں عملی طور پر شریک تھا۔ پوری سختی کے ساتھ گرفتار کیا گیا۔ ابن حجر مکی نے ان لوگوں کی تعداد جنہیں بحیثیت قاتلان حسین قتل کیا گیا چھ ہزار بتائی ہے۔

(صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۸)

ابن زیاد ہلاکت یزید کی خبر سننے کے بعد ہی بصرے سے بھاگ چکا تھا۔ مگر مشیت نے اُسے بھی کشاں کشاں مختار کی فوج تک پہنچا دیا۔ اس طرح وہ دمشق سے تیس ہزار کی فوج کے ساتھ [illegible] کے مقابلہ میں بھیجا گیا۔ مختار [illegible] سیم بن مالک اشتر کو چند ہزار فوج کے ساتھ اُس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ فرات [illegible] ے کنارے پر دونوں لشکروں کے درمیان مقابلہ ہُوا جس میں لشکر شام نے شکست کھائی اور ابن زیاد معرکۂ جنگ میں ابراہیم بن مالک اشتر کے ہاتھ سے قتل ہُوا۔ ابن حجر مکی کا بیان ہے کہ یہ ۶۵ھ عاشور کا دن تھا جب ابن زیاد اور اُس کے بہت سے ساتھی قتل ہوئے اور اُن کے سر قلم کر کے مختار کے پاس بھیجے گئے وہ اُسی جگہ نصب کئے گئے جہاں اُس سے پہلے سرِ حسینؑ نصب ہو چکا تھا۔ صحیح ترمذی کی روایت مظہر ہے کہ لوگوں نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ ابنِ زیاد کے سر کے پاس ایک سانپ دیکھائی دیتا تھا۔ جو اُس کی ناک کے ایک نتھنے سے داخل ہوتا ہے۔ پھر گردش کر کے دوسرے نتھنے سے

باہر آجاتا ہے۔

مختار نے عمر بن سعد اور اُس کے بیٹے حفص کا سر کاٹ دیا اور یہ کہا کہ میں نے عمر کو امام حسین علیہ السلام کی بجائے اور حفص کو علی ابن الحسین الاکبر کی بجائے قتل کیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں ان کے مساوی اور مقابل قیاس نہیں کئے جاتے۔

(الامامت والسیاست جلد ۲ صفحہ ۲۴، بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۳۳۶)

مختار نے علی اصغر شیر خوار کے قاتل حرملہ اسدی کو گرفتار کیا اور کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ تو میرے پنجے میں آیا۔ حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پیر کاٹ کر آگ میں جلا دو۔

(بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۲۴۳)

مختار نے اس طرح سے انتقام کی آگ جلائی کہ تمام قاتلان شہدائے کربلا اُس میں جل گئے ابن مرجانہ، عمر بن سعد، شمر ذی الجوشن، خولی بن یزید یہاں تک کہ اس گناہ کے مرتکب لوگوں میں سے ایک بھی نہ بچ سکا۔ مصر کا مشہور مورخ محمود عقاد لکھتا ہے کہ جس کسی نے دست درازی کی تھی یا کوئی کلمہ اپنی زبان سے نکالا تھا یا کسی حیثیت سے بھی کربلا کے واقعہ میں شرکت کی تھی یا اعانت جرم کی تھی وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ ابوالشہدآ صفحہ ۲۰۵

نیز مورخ یعقوبی کہتا ہے کہ جن لوگوں نے کسی طرح بھی اس واقعہ میں حصہ لیا تھا۔ اُن کا بدلہ لینے میں صرف انہیں قتل کرنے پر ہی کفایت نہیں کی بلکہ اُن کے گھروں کو ویران کیا۔ اور جلا دیا۔ اُن کے جسموں کو آگ لگادی۔ فراریوں کا تعاقب کیا۔ مختار اور اُس کے اعانت کرنے والوں نے کوئی کمی نہیں کی اور ہر طرح سے قاتلوں سے بدلہ لیا اور اُس کا یہ فعل عدل وانصاف اور دادگری پر مبنی ہے۔ مختار نے ابن زیاد کے کٹے ہوئے سر کو امامؑ سید سجاد کے پاس مدینے بھیجا۔ روایت ہے کہ والد بزرگوار کی شہادت کے بعد کبھی اُن کے لبوں پر مسکراہٹ نہیں آئی تھی، جب ابن زیاد کا سر مدینے لایا گیا اور حضرت کی نظر اُس ملعون کے چہرہ پر پڑی۔ فرمایا خدا اسے جہنم کی آگ میں جلانے اور اس کے شکر اینں اہل مدینہ

میں میوے تقسیم کئے گئے اور خاندان عصمت و طہارت نے اُس دن عزاداری کو ختم کیا

(رجال کشی صفحہ ۱۱۵ ترجمہ مختار)

اب مختار اپنے مقصد حیات کو پورا کر چکے تھے۔ وہ چکی کے دو پاٹوں کے اندر تھے۔ ایک طرف حکومت شام اور دوسری طرف مکہ میں عبداللہ بن زبیر کی حکومت، چنانچہ عبداللہ بن زبیر کے حکم سے اُس کے بھائی مصعب ابن زبیر ایک فوج گراں لے کر مختار کے مقابلے کے لئے آیا، اس موقع پر اتفاق سے مختار کے پاس ان کی فوج کے روح رواں ابراہیم بن مالک اشتر بھی موجود نہ تھے۔ وہ انہیں گورنر بنا کر مدائن کی طرف بھیج چکے تھے۔ ان کی فوج متفرق تھی۔ مجبوراً اپنی باقی ماندہ فوج لے کر انہوں نے مصعب کا مقابلہ کیا۔ قاتلان حسین میں سے ایک شخص محمد بن اشعث جو حضرت مسلم کا بھی قاتل تھا۔ بھاگ کر مصعب کے پاس چلا گیا تھا اور مختار کے مقابلہ میں جو لشکر آیا اُس میں محمد بن اشعث بھی موجود تھا۔ اب یہی ایک شخص ایسا رہ گیا تھا جس کی مختار کو فکر تھی۔ یہ اتفاق کی خوبی ہے کہ یہ شخص محمد بن اشعث مختار کی فوج کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ مختار کے دل نے یہ کہہ دیا کہ اب میعاد زندگی تمام ہو گئی، حیات کا مقصد پورا ہو چکا۔ اب موت کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ آخر بڑی بہادری سے لڑ کر انہوں نے اپنی جان مالک قضا و قدر کے سپرد کی وہ مر گئے۔ مگر خون حسین کا انتقام لے کر وہ اپنے نام کو ہمیشہ کے واسطے زندہ کر گئے۔

خوش قسمت ہے وہ انسان جو مشیت کے کسی مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بنے، مختار انہی خوش قسمت انسانوں میں تھے۔ ان کی ذات کے ساتھ قدرت نے اپنا ایک پروگرام وابستہ کیا تھا۔ اس پروگرام کی تکمیل کے ساتھ ان کی زندگی بھی ختم ہو گئی۔ اب وہ ختم نہیں ہو گئی۔ بلکہ جاودانی طور پر باقی ہے۔

ع ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

جس عشق کا دل عشق و محبت سے زندہ ہُوا ہو وہ کبھی نہیں مرتا۔ دنیا کے دفتر میں ہمارا ہمیشہ زندہ رہنا لکھا جا چکا ہے۔ (شہیدِ انسانیت صفحہ ۲۰۸)

اس کے مقابلے میں حسرت و بدنامی کے ساتھ یزید کا خاتمہ ہو گیا، صرف اسی کا خاتمہ نہیں ہُوا بلکہ اس کی نسل سے وہ حکومت و سلطنت بھی ختم ہو گئی جس کو کہ اُس کے باپ نے حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کر کے اور امام حسن علیہ السلام کو زہر دے کر حاصل کیا تھا کہ خلافت جبری اس میراث کی ہو کر نسلاً بعد نسلٍ اُس کی اولاد میں قائم رہے۔ یہی نہیں ہُوا بلکہ حسین علیہ السلام کی کامیابی اس طرح ہوئی کہ یزید کے بیٹے معاویہ نے تمام مسلمانوں کے سامنے علیؑ اور اولادِ علیؑ کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے اُن تمام جرائم کی نقاب کشائی کر دی۔ جن کا ارتکاب اُس کے باپ اور اُسکے خاندان نے کیا تھا، اُس نے ایسے تخت و تاج سے انکار کر دیا، جو کہ اپنے دامن پر حسین ایسے شہید کے خون کا دھبہ رکھتا تھا، آخر یہ ہُوا کہ ابوسفیانیوں کی زبردست حکومت تھوڑے ہی عرصہ میں صفحۂ ہستی سے مٹ کر تاریخ کا دھبہ بن کر رہ گئی اور قاتلانِ حسینؑ کا نام ایسا مٹا کہ آج ایک شخص بھی اُن کی اولاد سے باقی نہیں ہے یا یوں کہئیے کہ اس واقعہ سے وہ ایسے ذلیل ہوئے کہ ساری دنیا میں ایک آدمی بھی اپنا انتساب ان کی طرف پسند نہیں کرتا۔ دوسری طرف وہ ہی حسینؑ جن کے ساتھ کربلا کی جنگ میں گنتی کے چند آدمی تھے۔ اُن کے نام پر جان نثار کرنے والے ان کی بارگاہ میں خونِ دل کا نذرانہ آنسوؤں کی شکل میں پیش کرنے والے اور قربان گاہِ حسینؑ پر اپنے سرمایہ حیات خون کا نذرانہ پیش کرنے والے کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ واقعہ کربلا میں محض ایک علی سجاد کی ذات تھی جو کہ خاندانِ ائمہ کے سرگروہ اور آدم ہوئے اور جو اپنی سنجیدگی اور افادیت سے نویں صدی عیسوی کے اختتام تک متاثر کرتے رہے گویا کہ کربلا کے شہدا ر کی روحیں انصاف اور رحم کے لئے صدائے احتجاج بلند کر رہی تھیں، اب بھی کر رہی ہیں۔ اور وقت معلوم تک کرتی رہیں گی۔

انصاف کا احتجاج ظالم کے ظلم کے مقابلے میں اور رحم مقتولین کے لئے ان کی صدا ر

سنی گئی، خاندان اموی دنیا سے نیست و نابود ہوگیا۔ محمد مصطفٰے اور واحنالہ الفداؑ کی تعداد کروڑوں کی تعداد میں بڑھ گئی ہے، جن میں سے ہر ایک سیّد یعنی سردار کہلاتا ہے۔ حسینی فوج کے کشتے میدانِ جنگ میں بغیر تکفین و تدفین کے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ مگر اب اُن کی قبروں پر شاندار عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ مجموعۂ قبور جو گنجِ شہیداں کہلاتا ہے۔ وہ انسانی مساوات کا بہترین منظر ہے جہاں خاندان رسالت کے شہیدوں کے پہلوؤں میں حبشی اور غیر حبشی غلام سو رہے ہیں۔ اِن مزاروں کو مسمار کرنے کی بھی پیہم کوششیں کی گئیں۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ مقبروں کو مسمار کرنے والے مدتیں ہوئیں فنا ہو گئے، لیکن حسین علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کے مقبرے پورے آب و تاب سے آج کروڑوں انسانوں کے دلوں کو مسخر کئے ہوئے ہیں۔ جو کہ اُن پر احترام و عقیدت کی نذر چڑھاتے ہیں۔ کربلا جو پہلے سنسان صحرا تھا آج جسمانی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے پھُولا پھلا نخلستان ہے۔ اور اُس کے بے جان ذرے آج حسین علیہ السلام کی کامیابی کے ساتھ ساتھ چمک رہے ہیں۔ اس سراپا غم و الم مقالہ نگار کو مرض فالج کی حالت میں جو ۱۹۷۳ء میں ایران، عراق اور شام کی زیارات کی سعادت نصیب ہوئی تو میں نے کربلا کے کارپوریشن کے دفتر سے کربلا کی آبادی دریافت کی تو وہ تین لاکھ تھی۔ اسی طرح ۱۹۶۷ء میں جب مجھے زیارت نصیب ہوئی ۱۳ رجب المرجب کا دن کربلا معلّٰی میں آیا اُس دِن نو لاکھ انسان ضریح اقدس حسینؑ کے گرد معروف طواف تھے۔ وہ دمشق جہاں عصمت کبریٰ کی بیٹی زینب طاہرہ قید ہو کر گئی تھیں وہ اُن کا مزار زینبیہ میں انتہائی نورانیت کے ساتھ رخشاں ہے اور قید کرنے والوں کی قبروں پر ناکامی اور حسرت برس رہی ہے۔ یزید کی حکومت کے خاتمے کے بعد اموی حکومت ابھی برسرِ اقتدار تھی، جس کا بنی عباس کی سلطنت نے خاتمہ کیا، امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب بنی امیہ کے مقابلے کا ارادہ کیا گیا اور نفس زکیہ نے حکومت میں انقلاب پیدا کرنا چاہا تو سفاح اور منصور نے ان کی بحیثیت خلیفہ اور بادشاہ کے محکومانہ بیعت کی اور جب سفاح نے انتقام خون بنی فاطمہ کے لئے خود شاہی تاج پہنا اور پہلا خطبہ پڑھا تو اُس وقت

سفاح کے چچا داؤد نے یہ تقریر کی کہ ہم نے روپے پیسے سونے چاندی جمع کرنے، نہر بنانے اور قصر تعمیر کرنے کے لئے خروج نہیں کیا ہے۔ بلکہ بنی اُمیہ نے ہمارا اور ہمارے بنی اعمام یعنی بنو فاطمہ کا حق غصب کر لیا ہے۔ اس لئے ہم مقابلہ پر مجبور ہو گئے ہیں (مختصر اخبار الخلفاء ابن الساعی صفحہ نمبر ۷)

بنی عباس کا شاعر شبل بن عبداللہ نے ایک دردانگیز نظم پڑھی جسکا ایک شعر یہ ہے۔

واذکروا لمرع الحسین و زید　　　و قتیلاً بجانب المہراس

حسینؑ اور زید کا قتل یاد کرو اور یاد کرو کہ مقام مہراس میں جنگ اُحد کے موقع پر، ابوسفیان نے حمزہ کو کیوں قتل کرایا تھا اور ہندہ نے کیوں کر اُن کا جگر چبایا تھا۔ بنی عباس کو بنی فاطمہ کے اثرات اور دعویٰ انتقام خون حسینؑ کے نتیجہ میں حکومت ملی، ورنہ اُس وقت اُن کا کوئی نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور نہ وہ اس منصب کو پا سکتے تھے۔ بنی عباس نے علامت کے طور پر کہ جذبۂ انتقام خونِ حسینؑ کو ان کی حکومت سے کتنا لگاؤ ہے۔ اپنے لئے بطور شعار کے سیاہ لباس کو اختیار کیا یہ سیاہ کپڑے پہنتے تھے۔ ان کے پھریرے سیاہ تھے۔ اس لئے ان کو مسودہ کہا جاتا ہے۔ عبداللہ بن معتز عباسی خلیفہ کی ایک نظم میں یہ اشعار بھی ہیں۔

ولا عجب غایر قتل الحسین　　　ظمان یقصی عن المشرب

وکم من شعار لباسہ　　　یجدو امنہا علی المذنب

وکم من سواد حداد نابہ　　　وتطویل شعر علی المنکب

(یعنی) سب سے زیادہ حیرت خیز حسین کا قتل ہونا ہے۔ پیاس کے عالم میں جب کہ نہر سے اُن کو روکا جا رہا تھا، ہم نے اُن کے غم میں سیاہ لباس پہنا ہے اور سر کے بالوں کو بڑھایا ہے۔ (شہید انسانیت صفحہ ۱۳۱، ۱۳۲)

بنی عباس علیحدہ خون مظلوم کا بدلہ لینے کے نام سے بنی اُمیہ کے مقابل میں آ ڈٹے مکہ مدینہ عراق اور بنی عباس کی جدوجہد یہ سب کی سب محض سیاسی کروٹیں تھیں، نفرت

کا بیج جو کربلا میں بویا گیا تھا زمین کی گہرائیوں تک پہنچ گیا، یہاں تک کہ وہ ایک بڑے درخت کی شکل میں ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب ابو مسلم نے مرو میں سیاہ جھنڈا کھولا تو ہزاروں آدمی امویوں کی بیخ کنی کے لئے اُس کے نیچے جمع ہو گئے۔ اُن کی سلطنت اپنے آخری بادشاہ مروان کے ساتھ جو جنگ ذاب میں مارا گیا ختم ہو گئی۔ اور ان تمام کے حصہ میں جلا وطنی، ذلت اور قتل آیا

**بنی اُمیہ کا ہولناک انجام**

خاندانِ امیہ کا آخری تاجدار مروان ثانی ۸ ذی الحجہ ۱۳۲ھ بمطابق ۷ اگست ۷۵۵ء کو مارا گیا۔ ویسے تو اس کا انجام بہت عبرتناک تھا۔ مگر اُس کے خاندان کی تباہی اُس سے بھی زیادہ ہولناک تھی۔ سلاطین عباسیہ نے مروان کی اولاد کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کیا۔ اس لحاظ سے سفاح اسم بامسمیٰ ثابت ہوا۔ اموی تاجداروں نے جو مظالم اپنے نوے سالہ عہد سلطنت میں ہاشمیوں پر کئے تھے۔ اُن کا بدلہ سفاح نے پانچ سال میں لے لیا۔ اُس کے چچا داؤد بن علی نے مکّے اور مدینے میں دوسرے چچا عبداللہ بن علی نے شام میں اموی خاندان کے کسی ہمدرد کو پایا تو اُس نے بے دریغ قتل کر دیا۔ کوفے کے گورنر سلیمان بن علی نے کثیر التعداد امویوں کو مروا کر اُن کی لاشیں کتّوں اور چیلوں کے لئے پھینک دیں۔ شام کے گورنر عبداللہ بن علی نے جب اُن کی آتش انتقام زندہ انسانوں کے قتل سے نہ بجھی تو اموی سلاطین کی قبروں کو کھدوا کر ان کی ہڈیوں تک کو جلا دیا۔ ہشام کی نعش صحیح وسلامت نکلی تھی اُس نے کوڑوں سے پٹوا کر جلا دیا اور اُس کی راکھ کو ہوا میں اُڑا دیا۔

فلسطین کا واقعہ نہایت عبرت انگیز اور ہولناک ہے۔ سفاح کے چچا عبداللہ بن علی نے بنی اُمیّہ کے بہت سے افراد کو پناہ دی تھی۔ اس کے بعد ایک دعوت میں انہیں دوسرے لوگوں کے ساتھ بلایا۔ تمام مہمان جمع ہو گئے۔ تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر ایک نظم پڑھی۔ جن میں بنی اُمیہ کے ظلم وستم کا ذکر کیا۔ اس پر عبداللہ نے برہم ہو کر تمام اموی مہمانوں کو مروا ڈالا اور ان کی نیم مردہ تڑپتی ہوئی لاشوں پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا۔ حالانکہ نیچے سے زخمیوں کے کراہنے اور دم توڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ واقعہ اوراق تاریخ میں

اپنی مثال آپ ہے۔

بنی اُمیہ کی مشرقی حکومت کا یہ عبرتناک حشر ہے جو ہمیں سبق دے رہا ہے از مکافات عمل غافل مشو۔ عمل کے بدلے سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ انہی بنی اُمیہ نے جو مغربی حکومت افریقہ اور سپین میں قائم کی تھی، اُس کا جو حشر ہوا اس کے لئے ہم مسدس حالی کے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتے ہیں

کوئی قرطبہ کے کھنڈرات جا کے دیکھے　　حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے

مغرب میں سینکڑوں سال کی حکومت کے بعد وہاں اب نہ کوئی عرب نظر آتا ہے نہ کوئی مسلمان، مسجدیں ان کی مرثیہ خوانی کر رہی ہیں۔

**شیعیان علی پر سفاح کے مظالم** بنی اُمیہ کے زوال میں شیعیان علی بنی عباس کے شریک کار تھے، اُنہوں نے بنی ہاشم کی حکومت کا فریب دے کر شیعوں کو اپنے ساتھ ملایا تھا اور انتقام خون حسین کے نام پر عوام کو ساتھ ملا کر حکومت کے حصول میں کامیابی حاصل کی تھی۔ مگر

ع　کیسی آنکھیں پھیر لیں مطلب نکل جانے کے بعد

عیسائی مؤرخ "ڈاکٹر "سل" کہتا ہے پہلے خونخوار اور خون ریز عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح نے اولاد علی کو شدید ایذائیں دیں۔ اُن کے گھروں کو مسمار کیا اور اُن میں سے بہتوں کو مار ڈالا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے مکان میں آگ لگا دی۔ سفاح نے حکم جاری کر دیا تھا۔ کہ جہاں کوئی شیعہ علی ملے اُسے قتل کر دو۔ شیعان علی کی بدولت عباسیوں کو سلطنت ملی اور اس اندیشے کے پیش نظر کہ اگر کوئی دعویدار سلطنت ہوگا، تو ان میں سے ہوگا۔ اس لئے ان کو قتل کیا۔ اور قید میں رکھا۔ یہ بنی فاطمہ سے قرابت کا دعویٰ کرنے والے دشمن، بنی اُمیہ سے بھی بڑھ گئے۔ منصور دوانیقی نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو جن کے دم قدم سے نشر علوم ہو رہا تھا۔ انگوروں میں زہر دے کر شہید کیا۔ منصور کے بیٹے مہدی نے پہلے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قید رکھا پھر چھوڑ دیا۔ ہارون کے زمانہ میں وہ پھر قید کر لئے گئے

ع　مولا پہ انتہائے اسیری گذر گئی　؎　زنداں میں جوانی و پیری گذر گئی

آخر ہارون نے سندی بن شاہک کے ذریعے سے انہیں زہر دیا۔ مامون الرشید نے جبکہ شیعوں کا اقتدار بڑھ کر عباسی حکومت کے لئے خطرہ بن گیا تھا، سلطنت کو بچانے کے لئے امام رضا علیہ السلام کے خلافِ منشاء انہیں اپنا ولی عہد بنایا اور اپنی بیٹی سے نکاح کیا۔ جب مطلب نکل گیا تو انہیں زہر دے کر شہید کیا۔ پھر مامون الرشید نے اپنی دوسری بیٹی امّ الفضل کا امام محمد تقی علیہ السلام سے نکاح کر دیا۔ اور خلیفہ معتصم نے اُس کے ذریعے سے امام محمد تقیؑ کو زہر دلائی۔ امام علی نقی علیہ السلام کے زمانے میں خلیفہ متوکل نے قبور مطہرہ کربلا و نجف کو مسمار کرنے کی کوشش کی اور امام علی نقی علیہ السلام المعتز باللہ کے زہر دلانے سے شہید کئے گئے۔ اور امام حسنؑ عسکری نے خلیفہ معتمد عباسی کا زہر پی کر جان دی۔ منصور دوانقی کے زمانے سے آخری دورِ عباسیہ تک بہت سے شیعہ اور سادات لقمۂ اجل بنائے گئے نفس زکیہ شہید ہوئے۔ ہزاروں شیعہ اور سادات موت کے گھاٹ اُتارے گئے۔

؎ جب کوئی قصرِ دل آرا بنا — خون سے سادات کے گارا بنا

مہدی عباسی کے زمانے میں واقعہ فخ ہوا جو حسنی سادات کی کربلا ہے۔ المیہ کربلا بنی اُمیہ کے مظالم کی یادگار رہنے تو المیہ فخ بنی عباس کے مظالم کی یادگار ہے۔

**واقعہ فخ کی عظمت** | فخ ایک گاؤں کا نام ہے جو مکے سے ایک فرسخ پر واقع ہے جہاں حسین حسنی اپنے خاندان سادات حسنی کے افراد کے ساتھ شہید ہوئے۔ ابو نصر بخاری سے منقول ہے کہ جوادالائمہ امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم اہلبیت کے لئے کربلا کے بعد سب سے بڑی قتل گاہ المیہ فخ ہے۔

اسلام کی عالمی اصلاح کے بعد اسلام کے اپنے ہی نام لیواؤں نام نہاد مسلمانوں نے ایسی حکومت کی بنیاد رکھی، جس کے فساد انگیز طوفان کا اور تو اور محسن انسانیت محمد مصطفےٰ ارواحنالہٗ الفداکی اولادہی تختۂ مشق رہی۔

؎ اگرچہ داخل طبع جہاں ہے کون و فساد ؛؛ مگر زمانے کی نیّت فساد سے نہ بھری

(رسوا لکھنوی)

سرکار رسالت کی نبیانہ فراست نے جس ہستی کو اپنا بدل تجویز کیا وہ قدسی صفات خسر کار شہادت امام حسینؑ تھے، جن کو ان الفاظ سے سربلند و سرفراز فرمایا۔ الحسین منی وانا من الحسین، اگر من جنسیہ ہے تو ارشاد ہے کہ حسینؑ میری جنس سے ہے۔ اگر من تبعیضیہ ہے تو گویا حسینؑ میرا حصّہ ہے، اگر من بدلیہ ہے تو گویا حسینؑ میرا بدل ہے، میری تربیت ہی حسینؑ جیسا شہید اسلام کو دے سکتی ہے۔ ہاں اگر حسینؑ نہ ہوتے تو میں نہ ہوتا میرے افکار و تصورات نہ ہوتے، میرے الفاظ و میرا کلام نہ ہوتا۔ میرے اعمال و افعال نہ ہوتے میرا اسوۂ حسنہ نہ ہوتا۔ میرے آثار اور میری تعلیمات نہ ہوتیں۔ ان سب کو شہادت عظمیٰ حسینؑ نے زندہ و جاوید کر دیا۔

امام حسین علیہ السلام نے ان سراپا فساد طاقتوں سے ایک نیا انداز مقابلہ و تصادم ایجاد فرمایا۔ ظلم و ستم جور و جفا کے مقابلے میں مظلومیت تحمل و برداشت، صبر و استقلال اختیار کیا، عربی مقولہ ہے الشئی اذا تجاوز عن حدہ رجع الی ضدہٖ، ایک شئی جب اپنی حد سے بڑھتی ہے تو اپنی ضد کی طرف راجع ہو جاتی ہے۔

یزیدی طاقت حسین علیہ السلام پر ظلم و ستم ڈھا رہی تھی۔ اس غرض سے کہ اس عبرتناک انجام کو دیکھ کر پھر کسی کو ذرہ بھر بھی مخالفت کی جرأت باقی نہ رہ جائے۔ حسین علیہ السلام اپنے اوپر مظالم کا موقع دے رہے تھے اس غرض سے کہ یہ بے پناہ مظالم انسانی فطرت کو چیخ اٹھنے پر مجبور کر دیں گے۔ حسینؑ نے اس مقصد کے لئے ایسے سامان فراہم کئے کہ ظلم اپنی عام حدوں سے انتہائی درجے تک آگے بڑھ جائے اور وہی یہ جگہ ہے جہاں سلطنت کی سیاست نے ایک شہید انسان کے تدبر کے مقابلہ میں شکست کھائی، اس لئے اگر حکومت کو اپنے ذوق حکمرانی میں اس کی تمیز نہ ہو سکی کہ مظالم کی کون سی وہ حدیں ہیں جنہیں صبر کے دباؤ سے خلقت برداشت کر سکتی ہے اور کہاں سے وہ حد شروع ہو جاتی ہے، جہاں بے ہوش احساسات بھی تھرتھری لے کر چونک پڑتے ہیں اور شکنجۂ جبر میں گرفتار

ملت اس شدت سے پھڑپھڑاتی ہے کہ شکنجہ ٹوٹ کر رہ جاتا ہے۔ امام حسینؑ کی نظر میں شکست و فتح کا مضمون اُس وقت بالکل معین تھا۔ فتح کے یہ معنی نہ تھے کہ آپ دشمن کی فوجوں کو پامال کر کے اُس کے ملک پر قبضہ کر لیں، اور شکست کے یہ معنی نہ تھے کہ آپ کے ساتھ والے سب ختم ہو جائیں اور آپ بھی قتل ہو جائیں۔ آپ کے نزدیک فتح کے یہ معنی تھے کہ کہاں تک آپ اپنے اصول کی حمایت میں مصائب کا زیادہ سے زیادہ مقابلہ کرتے ہیں اور کہاں تک آپ کا دشمن اپنے مقاصد کے تحفظ میں زیادہ تشدد سے کام لیتا ہے۔ دشمن کے تشدد کا ہر قدم ایک مورچہ تھا جسے حسینؑ فتح کرتے تھے۔ اور اُس کا انتہائی متشددانہ اقدام اپنے مقصد کے لحاظ سے حسینؑ کی ایک مکمل فتح تھی۔

بہر کیف حسینؑ سرمایہ داری کا مقابلہ ضروریات زندگی کی نایابی سے اطمینان کے ساتھ کر رہے تھے۔ حسین علیہ السلام نے شہدائے کربلا نے ام المصائب حضرت زینبؑ نے اور ان کے ہمنوا سیّد سجاد، ام کلثوم اور فاطمہ بنت الحسینؑ نے ایک بیداری پیدا کر دی، ظلم کے احساس اور اُس کے اظہار کا سویا ہوا جذبہ بیدار کر دیا۔ اور ایک ایسی جماعت پیدا کر دی کہ اُن کی اولاد اور اُن کے متبعین حسینی سپرٹ اور انداز سے انقلاب لاتے رہے ظلم وجور، فسق و فجور، گناہ و معصیت کا مقابلہ اس شعر کی سپرٹ میں کرتے رہے

؎ بلا سے خون ہو حسرت کا یا گھٹ گھٹ کے دم نکلے
مگر جور و جفا کی حسرتِ مشقِ ستم نکلے

بنی اُمیہ کی طرح بنی عباس کا انجام بھی بڑا حسرت ناک تھا۔ ان کا انجام اس فارسی مقولہ کے مطابق ہے۔

؎ ہر کہ با آل مصطفےٰ در افتادہ بر افتاد
جو شخص آل محمدؐ کے مقابلہ میں آیا آخر تباہ و برباد ہوا۔

بنی عباس پر وارد ہونے والے انقلاب کی تصویر کشی ہمارے خاندان کے محترم

بزرگ خواجہ الطاف حسین حالی نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

وہ بندہ کہ فخر بلادِ جہاں تھا گڑا جس پہ عباسیوں کا نشان تھا
عراق عرب جس سے رشک جناں تھا ترو خشک پر جس کا سکہ رواں تھا
اُڑا لے گئی بادِ پندار جس کو بہا لے گئی سیلِ تاتار جس کو

اس عبرتناک انجام پر جس میں اگر محلہ کرخ کے سینکڑوں شیعہ قتل ہوئے تو تاتاریوں کے ہاتھ سے ہزار ہا جانیں موت کے گھاٹ اُتریں تو یہ شیعہ سُنی کشمکش کا نتیجہ تھا۔ مگر اس سے مسلمانوں نے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ مفکر اسلام علامہ اقبال نے ان فسادی استبدادی طاقتوں کو مورد انقلاب دیکھا ہے اور اس سے جو کچھ اخذ کیا ہے، اس کو انہوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

؎ رمز قرآن از حسین آموختیم ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

ہم نے قرآنی رمز انقلاب کو حسین علیہ السلام سے سیکھا ہے۔ اور انہی کی آگ سے ہم نے شعلے جمع کئے ہیں۔ وہ رمز قرآن وہی دو آیتیں ہیں، جن کو ہم اپنی سولہویں منزل میں بیان کر چکے ہیں۔ یعنی سیعلم الذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون (پ۱۹ ع ۱۵ سورہ الشعرا)
جن لوگوں نے ظلم بپا کئے وہ عنقریب جان لیں گے کہ ہم انہیں کیسے انقلاب میں منقلب کرتے ہیں۔

دوسری آیت:۔ واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمّرناھا تدمیرا (پ ۱۵ ع ۲ سورہ بنی اسرائیل)

جب ہم کسی آبادی کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دولت مندوں کی تعداد میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ اس لئے وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر ان پر ہمارا قانون قدرت منطبق ہو جاتا ہے اور ہم انہیں تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ ان رموز قرآنی کو جس طرح حسینؑ نے جامہ عمل پہنایا تھا، اس کا ہم نے استبدادی حکومتوں اور خدا کی نافرمان سلطنتوں سے

مقابلہ کرنے کا انداز حسینؑ سے سیکھ لیا ہے۔

؎ شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت　　سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت

تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز　　تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز

اموی حکومت شام کی شوکت وقف انقلاب ہوگئی اور عباسیہ کی بغداد کی حکومت کا دبدبہ سیلِ تاتار میں بہہ گیا، امویوں کی مغربی حکومت غرناطہ کا رعب ہماری یاد سے نکل گیا، لیکن امام حسینؑ نے ہماری زندگی کی تار پر انقلابی ضرب لگائی تھی، اُس تکبیر سے آج تک ایمان تازہ ہے۔

؎ اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں　　اشکِ ما بر خاکِ پاک اُو رساں

امام حسین علیہ السلام کے اِن احسانات کی یاد میں اور اُن کے سراپا غم و مصائب سے متاثر ہو کر صبح کی ہوا کو کہہ رہے ہیں کہ ہمارے آنسوؤں کو اُس خاک پاک پر پہنچا دے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے ظلم و جبر کے خلاف جو انقلابی احتجاج پیدا کیا ہے، اُس سے آج دنیا میں انقلابات آ رہے ہیں۔ چنانچہ شاعر انقلاب جوشؔ ملیح آبادی اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کر رہے ہیں۔ ؎

یہ صبح انقلاب کی جو آج کل ہے ضو　　یہ جو مچل رہی ہے صبا پھٹ رہی ہے پو

یہ جو چراغِ ظلم کی تھرا رہی ہے لو　　در پردہ یہ حسینؑ کے انفاس کی ہے رو

حق کے چھڑے ہوئے ہیں جو یہ ساز دوستو　　یہ بھی اُسی جری کی ہے آواز دوستو

امام حسین علیہ السلام کی انقلاب آور شہادت عظمیٰ کے دو پہلو ہیں ایک اثر شہادت حسینؑ اور ایک غرض شہادت حسینؑ، غرض شہادت حسینؑ یہ تھی کہ اِس دنیا میں قربانیاں دینے والا ایک ایسا اولی العزم صابر و شاکر گروہ پیدا کر جائیں جو انسان کے امن و آمان کے لئے کام آکر فتنہ زا استبدادی حکومتوں کو درہم برہم کر کے امن و اطمینان و طمانیت بخشتا رہے۔ آج جو انسانیت مصائب تلے جان توڑ رہی ہے اُس سے یہ آواز بلند ہے۔

؎ پھر زبوں ہے نفس انسانی کی حالت یا حسینؑ　　آ کہ پھر دنیا کو ہے تیری ضرورت یا حسینؑ

آج دنیا پر مصائب سے جو موت چھائی ہوئی ہے۔ وہ امام حسین علیہ السلام سے زندگی کی بھیک طلب کر رہی ہے۔

؎ چہرۂ اُمید کو رخشندگی دے یا حسینؑ ؛ زندگی دے، زندگی دے، زندگی دے یا حسینؑ

مفکر اسلام علامہ اقبال چاہتے ہیں کہ اس مصائب سے تنگ آئی ہوئی دنیا کو ایک پُرامن جہاں آفرینی کی ضرورت ہے۔ اس لئے وہ اپنے پیغام میں اس ضرورت کے پورا کرنے کے لئے دنیا کو اِن الفاظ میں ملتفت کر رہے ہیں۔

؎ بیا تا ازیں انجمن بگذریم ۔۔۔ ازیں کاخ و کوئے کہن بگذریم

آ، تاکہ ہم دنیا کی اس انجمن سے گذر جائیں اِس پرانے محل اور گلی سے گذر جائیں۔

؎ دگر خیمہ در کربلائے زنیم ۔۔۔ بہ این بے نوائی نوائے زنیم

آ۔ تاکہ ہم کربلا میں جا کر خیمہ لگائیں اور اس بے سروسامانی میں ایک آواز بلند کریں۔

؎ نوائے کہ آتش کند خاک را ۔۔۔ نوائے کہ واسوزد افلاک را

ایسی آواز کہ جو اس مٹی کو آگ بنا دے ایسی آواز جو آسمان کو جلا دے۔

؎ نوائے کہ بے ساز تقدیر نیست ۔۔۔ نوائے کہ بے ضرب شبیر نیست

ایسی آواز کہ جو تقدیر کے ساز کے بغیر نہیں ہے۔ ایسی آواز جو تقدیر پہ حضرت شبیرؑ کی ضرب لگانے والی ہے۔

؎ اگر بندہ دین نوائے زند ۔۔۔ چوں یزدان جہاں آفرینی کند

اگر ایک دیندار انسان آواز بلند کرے تو خدا کی طرح جو ایک نیا جہان اخلاق پیدا کر سکتا ہے۔ مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ میرے اس پیغام پر عمل کرنے کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے علامہ اقبال پیام مشرق کے صفحہ ۱۸۵ پر کہتے ہیں۔ جس کا عنوان مسلک شبیر ہے۔

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزو ست ۔۔۔ با من میا کہ مسلک شبیرم آرزو ست

حضرت امام حسین علیہ السلام کے راستے پر چلنے کے لئے مجھے تیر نیزے خنجر اور تلوار

کی آرزو ہے جو حضرت شبیر کا مسلک ہے اگر تو اس پر نہیں چل سکتا تو میرے ساتھ مت آ

ہمیں دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے ہم جو نام حسینؑ لیتے ہیں وہ کس انداز میں لینا چاہیئے۔ ؎

کچھ خبر بھی ہے محبانِ حسینِ دور بیں ۔۔۔ موت ہے شبیریت کے دائرے میں انگبیں

اتباع مرشدِ حق پر ورد عہد آفریں ۔۔۔ کاروبار مرگ ہے بازیچۂ طفلاں نہیں،

زہر سے لبریز ہے جام حسینؑ ابن علیؑ ۔۔۔ جان دینا ہو تو لو نام حسینؑ ابن علیؑ

عزت و دستور پر جو سر کٹا سکتا نہیں ۔۔۔ جو خود اپنے ہی چراغوں کو بجھا سکتا نہیں

تان کر سینے کو جو میدان میں آسکتا نہیں ۔۔۔ موت کو جو اپنے کاندھے پر اٹھا سکتا نہیں

ہاں خود اپنے خون میں کشتی جو کھے سکتا نہیں ۔۔۔ وہ حسینؑ بن علیؑ کا نام لے سکتا نہیں

ہاں روئیے اور حسین بن علی پر خوب روئیے۔ کیونکہ یہ رونا عبادت ہے اور یہ چاہتا ہے کہ ہم غرض حسینؑ کو پورا کریں اگر ہم مسلکِ شبیر کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے تو ڈرو اس سے جو روز ہے آنے والا۔ اُس وقت ہمیں سرکار شبیرؑ کی بارگاہ میں پیش ہو کر جواب دینا ہوگا کہ ہم نے مقصد غرض حسین کو کہاں تک پورا کیا اور فسق و فجور کا قلع و قمع کرنے اور ظلم و جور کو تباہ کرنے میں کیا کچھ حصّہ لیا ہے۔

# منزل (۱۷)

## جذبات و وجدانات

## جذبۂ غم۔ گریہ و زاری

اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيٰى (پ ۲۷، رکوع ۷، آیت ۶، سورۃ النجم)

ترجمہ:۔ وہ وہی خدا ہے، جس نے ہنسایا ہے اور رُلایا اور وہ وہی ہے جو مارتا اور زندہ کرتا ہے۔

اِس آیۂ مبارکہ میں صنعت لف ونشر مرتب ہے۔ اِس صنعت کے لحاظ سے آیہ مبارکہ کا ترجمہ اس طرح ہوگا۔ وہ وہی خدا ہے، جس نے ہنسایا ہے اور مارتا ہے اور وہ وہی خدا ہے، جس نے رُلایا اور زندہ کرتا ہے۔

اِس سے یہ ثابت ہُوا کہ مسّرت وغم۔ ہنسی و گریہ و زاری جزو فطرت انسانیہ ہے۔ مسّرت موت ہے اور غم زندگی ہے۔ علامہ اقبال ارشاد فرماتے ہیں۔

؎ اُمتاں را زندگی جذبے دروں　　　کم نظراں جذبہ را گوید جنوں
ہیچ قومے زیر چرخ لاجورد　　　بے جنونِ ذوفنون کارے نہ کرد

قوموں کے لئے اندرونی جذبات زندگی ہے۔ کوتاہ نظر انسان اس اندرونی جذبات کو جنون کہتا ہے۔

کسی قوم نے نیلے آسمان کے تلے اِس صاحبِ فنون جنون کے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔

سرشاران محبت سید الشہدآ اِس جذبۂ دروں سے گریہ و بکا کرتے ہیں۔ اور بے بصیرت انسان اِس گریہ و زاری کو جنون کہتے ہیں۔ کسی قوم نے جذبۂ باطنی کے بغیر اس نیلے آسمان کے

کے تلے اِس جنونِ پُرفنون کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دیا۔

## اسلام دینِ فطرت و دینِ ارتقا ہے

الآیہ:- اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام (پ۳، ع۱ آیت ۱۹ سورہ آلِ عمران)

اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

اسلام انسانی زندگی کا مکمل پروگرام ہے۔ یہ دینِ فطرت ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (پارہ ۲۱ رکوع ۷ آیت ۳ سورہ الروم)

چونکہ دینِ فطرت ہے، اِس لئے وہ انسانی زندگی کا پروگرام عین فطرت کے مطابق مر[illegible] کرتا ہے۔ اسلام دینِ ارتقا ہے۔

فطرت نے جو جو صلاحیتیں، قابلیتیں، قُویٰ، جذبات، وجدانات اور جبلتیں (INSTINCTS) انسان کو عطا فرمائی ہیں۔ انہیں سمجھنا، انہیں جاننا نہایت ضروری ہے۔ انسان کو معلوم کرنا چاہئے کہ قدرت نے اِن چیزوں کو فطرت انسانی میں کیوں ودیعت رکھا ہے۔ کیونکہ حکیم مطلق کا کو[ئی] فعل حکمت سے خالی نہیں ہے۔ ان قوتوں کو حکیم مطلق نے بے کار پیدا نہیں کیا۔ اللہ تعا[لیٰ] کا انہیں جزوِ فطرت بنانا کوئی مقصد رکھتا ہے۔ اگرچہ اس مقصد کا مفاد معبود کو نہیں پہنچتا کیونکہ اُس کی ذات غنی عن العالمین ہے۔ بلکہ اس مقصد کا فائدہ بنی نوع انسان کو ہی پہنچ[انا] مقصودِ حقیقی ہے۔ اِس حقیقت کو سمجھ کر انسان کو ان اجزائے فطرت انسانیہ سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ قدرت کے عطیوں سے زیادہ فائدہ اُٹھانا ہی اسلام کا انسا[نی] زندگی کے لئے عملی پروگرام ہے۔

## اسلام اور عطیاتِ فطرت کا ارتقاء

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اِس لئے فطرت کے تمام عطیات کو نشو و ارتقا دی[تا]

اسلام کا طریق کار ہے۔ ایک مغربی مفکر نے اسلام کی کس قدر صحیح تعریف کی ہے۔

DEFINATION OF ISLAM.

NARMONIOUS DEVELOPMENT OF HUMAN

FACULTIES. i.e. INTELLECT, REASON,

THOUGHT, FEEING, EMOTION

SENTIMENT AND INSTINCT.

اسلام کیا ہے؟ — انسانی قابلیتوں، انسانی صلاحیتوں، انسانی قویٰ اور انسانی ملکات یعنی تعقل، ادراک، تخیل، احساس، جذبہ، وجدان اور جبلت کا متوازن خوشگوار نشوو ارتقا

## مسرت و غم

SORROW AND PLEASURE

الآیہ: عسیٰ ان تکرھوا شیئاً و ھو خیر لکم (پ۲ ع آیت ۲۱۶ سورہ بقرہ)

**جذبۂ غم اور حسینؑ** مذہب کے اغراض و مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تشکیل سیرت تعمیر کردار (CHARACTERBUILDING) ہے۔ تشکیل سیرت کے لئے جذبات و وجدانات کی اہمیت مسلّم ہے کہ جذبات و وجدانات سے تعمیر کردار واقعہ کربلا کی خصوصیت ہے اور سرکار سید الشہدا آ معمار کردار ہیں۔ اور ان کے المیہ المیۂ کربلا نے جس شان سے تعمیر کردار کی ہے یا کر رہا ہے یا کرتا رہے گا۔ اس کی مثال دنیا کے کسی واقعہ میں نہیں ملتی۔ ہم نے واقعہ کربلا میں جذبات و وجدانات کی فراوانی ان کی افادیت اور ان کے روشن پہلوؤں کو تفصیلاً اپنی تالیف "الارشاد والعزا" میں بیان کیا ہے اور جذبۂ غم کو ہم اس سلسلہ میں تفصیلاً بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ درد و غم کا جذبہ واقعہ کربلا کی امتیازی شان ہے۔ حسین درد کے پروردگار سے

شبیدِ ظلم غریب الدیار کیا کہنا ؎ حسینؑ درد کے پروردگار کیا کہنا
(نجم آفندی)

حسینؑ اپنے مصائب اپنے درد سے اپنے غم سے بنی نوع انسان کی تشکیلِ سیرت اِس شان سے کرنا چاہتے ہیں۔ جو اللہ کا مقصود ہے، رسول اللہؐ کی غرض ہے، اسلام کا مطمحِ نظر ہے اور انسانیت کی معراجِ کمال ہے۔ جس کے لئے انبیاء و رُسل مبعوث ہوئے کتب و صحائف نازل ہوئے اور فرقہ ناجیہ شیعہ نے اس غم کو اپنا کر دنیا و آخرت کے مفاد حاصل کئے اور دنیائے انسانیت نے بلا امتیاز مذہب و ملت اِس سے اثر لیا۔

**سال کے آغاز اور اسلامی نوروز پر اظہارِ غم** | محرم کا مہینہ سن ہجری کا پہلا مہینہ ہے۔ محرم کی پہلی تاریخ اسلامی نوروز (NEWYEARS DAY) ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ دوسری قومیں اپنے سال کی ابتداء جذباتِ مسرت سے کرتی ہیں۔ مسلمانوں اور حسینؑ کے دیوانوں کے سال کا آغاز درد سے، غم سے، آہ و بکا سے، گریہ و زاری سے ہوتا ہے جہاں مطلعِ فلک پر ہلالِ محرم دیکھا غم کی بجلیاں گرنے لگیں۔ محبتِ اہلبیت کے دیوانے نوروز کا خیر مقدم ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں، دھڑکتے ہوئے دلوں، پریشان بالوں اور غم سے اُترے ہوئے چہروں سے کرتے ہیں۔ عورتیں زیور اُتار کر پھینکتی ہیں۔ زیب و زینت کو ترک کر دیتی ہیں ہائے حسینؑ ہائے حسینؑ کی آوازیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ ایک قیامت کا سامان ہوتا ہے

گویم اگر قیامتِ صغریٰ بعید نیست ؎ این رستخیز عام کہ نامش محرم است
(محتشم کاشی)

رونے والے اس طرح روتے ہیں کہ کبھی اس طرح کوئی ماں اپنے اکلوتے بچے کی موت پر بھی نہیں روئی۔ کسی نے اپنے عزیز ترین رشتہ دار کی موت پر ایسا مظاہرہ غم نہ کیا۔ سینہ کوبی کی صدائیں بلند ہیں۔ مفتیوں کے فتوے اس غم کو روک نہیں سکتے۔ بدعت کہنے والوں کی خطابت اِس ہیجانِ غم پر اثر انداز ہو نہ سکی۔ اقتدارِ حکومت اسے مٹا نہ

اموی اور عباسی تلواریں اس متحرک رنج والم کو ساکن نہیں کر سکیں۔ منع کرنے والے تھک گئے مگر حسینی سرکار میں خونِ دل آنسوؤں کی نذر پیش کرنے والے اور عشقِ حسینی میں سرمایہ حیات خون بہانے والے غم و ماتم جیسی ناگوار مشقت سے تنگ نہیں آئے۔ یہ روحانیت کا چراغ ان حرکات مذبوحی پر خندہ زن ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے۔

ع پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

سچ ہے کہ

ع وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا سے بالکل نرالا مظاہرہ کیوں ہے؟ دنیا کی قومیں اپنے سال کا آغاز مسرت سے کریں اور ہم غم سے کریں۔ جس قوم کا آغاز یہ ہے۔ اُس کا انجام کیا ہوگا۔

نوروز کے دن پر رونے پیٹنے کا بُرا شگون کیوں؟ سال کی ابتدا زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس پر عقل، تدبر، فہم و فراست کی بجائے جذبات و وجدانات کا مظاہرہ کیسا؟ قوم زندگی کے نئے دور کا آغاز عقل و فراست، فہم و تدبر سے کیوں نہیں کرتی؟۔

اس معمہ کو حل کرنے اسی گتھی کو سلجھانے کے لئے نفسیاتی حقائق (PSYCOLOGICAL TRUTHS OR FACTS) پر ایک غائر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ آیئے ہم اس چیستان کے حل کرنے کے لئے ایک لمحہ فکر یہ صرف کریں۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ قانون قدرت میں تبدیلی نہیں لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ چونکہ اسلام فطرت کے اٹل قوانین و آئین پر مبنی ہے۔ اس لئے دین قیم ہے۔ قانون فطرت میں انسانی زندگی کا آغاز عقل و ادراک سے نہیں ہوتا، بلکہ جذبات سے ہوتا ہے۔ انگلینڈ کے ایک عالم نفسیات مسٹر ٹی۔ ایچ ریبٹ پروفیسر فرانس کالج لندن اپنی مشہور تصنیف "نفسیات جذباتی" (PSYCOLOGY OF EMOTIONS) میں اس قانونِ فطرت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

THE EMOTIONAL STATE IS PRODUCED ATFIRST AND INTELLECTUAL STATE AFTERWARDS

(T·H·RABBIT)

" قدرت انسانی زندگی میں جذباتی کیفیت پہلے پیدا کرتی ہے اور عقلی کیفیت بعد میں رونما ہوتی ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ فطرت کی ترتیب میں جذباتی زندگی مقدم ہے اور عقلی زندگی مؤخر ہے چونکہ ہمارا دینِ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس لئے ہم فطرت یعنی دین کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کے نئے دور کو جذباتی زندگی سے شروع کرتے ہیں۔ اور عقلی زندگی پر اپنی زندگی کو ختم کرتے ہیں۔

آیئے اب قانون فطرت پر غور کریں۔ کہ سنت الہٰی جس میں تبدیلی نہیں کس جذبہ کو مقدم قرار دیتی ہے اور کس جذبہ کو مؤخر۔ یہ بھی روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ انسانی بچے کی زندگی کا آغاز گریہ و بکا سے ہوتا ہے۔

انسانی زندگی میں سب سے پہلے غم کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ انسانی بچہ روتا ہوا نظر آتا ہے اگر روتا ہوا نہ آئے تو اپنے متعلقین کے لئے سرمایہ تشویش ہوتا ہے۔ اس کی خلقت ناقص سمجھی جاتی ہے۔ انسانی زندگی کے آغاز میں غم زندگی کی علامت ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ سعدی نے مسرت اور غم کی ترتیب کو خوب بیان کیا ہے۔ اور اپنے دو شعروں میں قانون فطرت کی ترجمانی کی ہے۔

؎ تو ندانی کہ وقت زادن تو — ہمہ خندان بدند و تو گریاں

آن چنان زی کہ وقت رفتن تو — ہمہ گریاں بوند تو خنداں

کیا تو نہیں جانتا کہ تیری ولادت کے وقت سب لوگ ہنس رہے تھے اور تو رو رہا تھا۔ اب اس طرح پر زندگی بسر کر کہ جب تو دنیا سے جائے تو سب رو رہے ہوں اور تو ہنس رہا ہو۔

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ کامیاب زندگی وہی ہے جس کا آغاز غم سے ہو اور اختتام مُسرّت پر ہو۔ کس قدر وہ ناکام زندگی ہے جس کی ابتدا مُسرّت ہو اور انتہا غم ہو۔ بدنصیب ہیں وہ لوگ جو زندگی کے شروع میں مُسرّت کے نشہ میں سرشار ہوں اور زندگی کے آخر میں غم والم کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں۔

## سال کا آغاز غم اور اختتام مُسرّت

المختصر ہم اِس قانون فطرت کے مطابق سال کی ابتدا غم سے کرتے ہیں۔ ہماری زندگی کا نیا دور غم سے شروع ہوتا ہے۔ اور ہم اپنی زندگی کو مسرت پر ختم کرتے ہیں۔ ہماری زندگی کا دور مُسرّت پر ختم ہوتا ہے۔ سال کا ابتدائی مہینہ محرم ہے۔ جو ماہِ غم ہے۔ اور سال کا آخری مہینہ ذی الحجۃ الحرام ہے۔ جو ماہ مسرت ہے۔ جو خوشی کے تہواروں سے معمور ہے۔ اس مہینہ میں ہم مختلف عیدوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ۱۰ ذی الحجہ کو عید الاضحیٰ ہے۔ ۱۸ ذی الحجۃ الحرام کو عید تکمیل دین و اتمام نعمت عید غدیر ہے جو مولائے مؤمنین علی ابن ابیطالب کی ولیعہدی کا بھی دن ہے اور تخت نشینی کا بھی روز ہے ۲۴ ذی الحجۃ الحرام کو عید مباہلہ ہے اور ۲۴ ذی الحجۃ الحرام کو عید خاتم بخشی یعنی یوم ولایت ہے۔ جس دن آیہ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہ نازل ہوئی ہے اور جناب امیرؑ نے سائل کو حالت رکوع میں انگشتری دی ہے۔ جس طرح ہمارے سال کا نیا دور غم والم میں زندگی بسر کر کے ہماری زندگی کا انجام مُسرّت پر ہوگا۔ یہ بھی سرکار سید الشہدؑا کے غم کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے ذرا جذبہ غم کی افادیت پر شاعر انقلاب جوشؔ ملیح آبادی کے اِن اشعار پر ایک لمحہ فکریہ صرف کیجئے۔ ؎

سُن اے غافل کہ غم میں ہی خوشی کا راز ہے پنہاں
شکستہ ساغروں میں ہی چھلکتی ہے مے عرفاں
جسے گھیرا ہو صدموں نے وہی انسان ہے انساں
درِ رحمت دل بیتاب ہے اور دیدۂ گریاں

تڑپ اے دل تڑپنے سے ہی باطن جگمگاتا ہے
ستارے کانپتے رہتے ہیں شعلہ تھرتھراتا ہے

جسے تو غم سمجھتا ہے خزانہ ہے مسرت کا
جسے تو چشم تر کہتا ہے سرچشمہ ہے رحمت کا
ہر آہِ سرد جھونکا ہے نسیم باغ راحت کا
ہر آنسو آئینہ ہے اصل میں تصویرِ جنت کا

یہ نوحے سوئیں گے اک روز آغوش ترنم میں
یہ آنسو جذب ہو جائیں گے حوروں کے تبسم میں

## غمِ حسین علیہ السلام

عام طور پر واقعہ کربلا کو ایک غم انگیز مصیبت ہی کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے جس پر ہمارا کام آنسو بہانا اور اظہار رنج و ملال کر دینا ہے اور بس اسے سیّد الشہدا کا مقصد نہیں کہنا چاہیئے یہ تو اس عظیم الشان المیہ کا اثر ہے نہ کہ غرض یہ کہ ایک فطری تقاضا ہے انسانیت کا جسے بہرحال ہونا چاہیئے۔ حسین علیہ السلام کا بلند نصب العین ہم سے کچھ اور چاہتا ہے اور وہ حسینی سیرت کو ہمیں اپنانا ہے۔ اپنی تشکیل سیرت حسینی کے واقعات سے کرنا ہے۔ اپنی سیرت کو شہدائے کربلا کی سیرت میں ڈھالنا ہے۔ شہادتِ عظمیٰ حسینؑ کے دو پہلو ہیں۔

(۱) اثر شہادت حسین گریہ و بکا، عزاداری۔

(۲) غرض شہادت حسین تشکیل سیرت و تعمیر کردار۔

غمِ حسینی غرض و مقصد کا اثر ہے۔ اس لئے المیۂ کربلا میں اثر و غرض لازم و ملزوم ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے ہمیں ورثہ میں غم کیوں دیا؟ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ وہ یزید کی فوج کو تہ تیغ کرتے اور دنیا میں بجائے مجلسِ ماتم کے ان کی محفل مسرت ہوتی یہ غیر ممکن تو نہیں تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا جیسا کہ ہوا تو اس کا ثبوت نہ ملتا کیونکہ ظاہراً کمزور انسان بھی باطل کا مقابلہ کر سکتے ہیں، حسینؑ آئے تھے۔ انسان کے دل پر اس کے فریضہ کا نقش قائم کرنے یہ محفل چراغاں میں ناممکن تھا دل پر چوٹ لگتی ہے تو غم کی نہ خوشی کی، حسینؑ نے رنج والم کی تیز آنچ میں انسانی دل کو تپا کر اس پر اپنا نقش قائم کیا ہے "شہیدِ انسانیت"۔

## غم ہی اصل دین ہے

غم اصل دین ہے۔ مکمن دین ہے۔ مقصد دین ہے۔ عین دین ہے۔
غم کے بغیر دین ناقص رہتا ہے۔ آیئے اِن حقائق پر لمحات فکر یہ صرف کریں۔

دین کیا ہے اس کی ایک جامع اور مانع تعریف سرکار رسالت محمد مصطفٰے نے فرمائی ہے۔ سرکار علی مرتضٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعمیل میں صدقہ دے کر حضور ختمی مآب نے دس سوال دریافت فرمائے تھے۔ اِس میں ایک سوال تھا۔

یا رسول اللہ میں آپ پہ قربان ہو جاؤں دین کیا ہے؟ اس کے جواب میں سرکار رسالت نے فرمایا۔ الدّین التسلیم لامر اللّٰہ والشفقۃ علی خلق اللّٰہ ۔ دین امر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا۔ اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنا ہے۔ یعنی دین کے دو حصے ہیں۔ ایک اللہ سے تعلق پیدا کرنا اور اس کی اطاعت کرنا یعنی حقوق اللہ کو ادا کرنا۔ اور دوسرے خدا کی مخلوق پر شفقت کرنا جو حقوق العباد ہے۔ یعنی دین کیا ہے۔ اللہ کی اطاعت اور بنی نوع انسان سے ہمدردی اللہ! اللہ! کیا جامع اور مانع تعریف ہے۔ اِس تعریف کے لحاظ سے بھی غم کل دین ہے۔ غم انسان کو خدا سے وابستہ کرتا ہے اِس حقیقت کو قرآن مجید نے کئی آیات میں بیان فرمایا ہے کہ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے اور نا شکر انسان مسرت میں خدا کو بھول جاتا ہے۔ بلکہ مسرت میں انسان قدرت سے سرکشی اور بغاوت بھی اختیار کرتا ہے۔ اَب آپ ہی فرمایئے کہ دین کے لئے وہ غم مفید ہے کہ جس میں خدا یاد آتا ہے یا وہ مسرت جس میں انسان خدا کو بھول جاتا ہے اور اُس سے سرکشی اور بغاوت اختیار کرتا ہے۔ دین کا دوسرا جزو شفقت علی الخلق یا ہمدردی ہے یہ حقیقت واضح ہے کہ کسی درد رسیدہ یا غمزدہ انسان سے ہمدردی اسی انسان کو ہو سکتی ہے۔ جسے درد و غم کا احساس ہو۔ اور احساس اُسے ہی ہو سکتا ہے جس نے درد و غم کو چکھا ہو جو شخص درد و غم سے نا آشنا ہو اُسے کسی غمگین دل اور دردمند انسان سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ شفقت علی الخلق کا جذبہ بھی، جذبہ درد و غم سے وابستہ ہے۔ غم گناہ کے جذبہ کو مٹاتا ہے۔ مذہب کی دنیا میں اس لئے ضرورت ہے کہ مذہب گناہ، فسق و فجور اور ظلم و ستم کو مٹانا چاہتا ہے اور ان خباثتوں

سے انسان کو پاک کرنا چاہتا ہے۔ مذہب کی ساری جدوجہد گناہ کو ملیامیٹ کرنے کے سلئے ہے۔ دیکھنا چاہیئے کہ گناہ کی خواہش اور شہوات کا زور مسرت میں ہیجان میں آتا یا غم میں یہ ظاہر ہے کہ گناہ اور شہوات مسرت میں جوش میں آتی ہیں۔ اور جب انسان گناہ کا ارتکاب کر رہا ہو اور اُس پر کوئی مصیبت آپڑے تو وہ گناہ سے الگ ہو جاتا ہے۔ نفس انسانی درد والم غم ورنج میں گناہ و شہوات کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ کیا دین غم کو اپنائے گا جو اُس کے مقصد کو پورا کر رہا ہے۔ یا مسرت کو جو اُس کے اغراض و مقاصد کو تباہ کرنے والا جذبہ ہے فتدبر و لاتکن من الجاهدین غم کی یہ افادیت ہے۔ جس کی وجہ سے سرکار شہادت نے اس مفید جذبہ کو نشو و ارتقا دے کر اپنے تذکرہ کا جزو لاینفک قرار دیا۔ ترجمان المیہ کربلا حضرت نجم آفندی نے اسی سلئے سرکار شہادت کو درد کا پروردگار کہا ہے۔

| | |
|---|---|
| شہید غم غریب الدیار کیا کہنا | حسینؑ درد کے پروردگار کیا کہنا |
| بڑھا تھا کفر کہ اسلام کا نشان نہ رہے | جگر پہ روک لیا تونے وار کیا کہنا |

جذبۂ غم والم کی تربیت کے بغیر دین ناقص ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ جس کے سمجھنے کے سلئے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے۔

**تعمیر کردار کے سلئے تعلیم کافی نہیں** مذہب کا مقصد تشکیل سیرت یا تعمیر کردار ہے اور اس کے لئے محض تعلیم کافی نہیں اخلاقیات میں یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ خیر و شر کا محض علم انسانی کردار کی تعمیر نہیں کر سکتا بلکہ اس کے سلئے دو اور عظیم الشان امور کی ضرورت ہے تین چیزیں مل کر انسان سے گناہ چھڑا سکتی ہیں اور اُسے نیکی کا عادی بنا سکتی ہیں اور اس کی تکمیل سیرت کر سکتی ہیں۔

۱۔ تربیت (TRAINING) ۲۔ نظریہ (THEORY) ۳۔ مثال یا نمونہ (EXAMPLE-IGEAL)

دنیا کے تمام مذاہب تشکیل سیرت کے سلئے تعلیم کو کافی خیال کرتے ہیں، اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ اس میں ہر نظریہ کے سلئے ایک تربیت ہے اور اسی تعلیم و تربیت کے سلئے بہترین نمونہ ملے

عمل موجود ہیں۔ اسلام کے مجموعہ نظریات کو قرآن و معصومین کی احادیث ہیں۔ تربیت کے لئے اسلام میں مختلف اعمال ہیں اور اس تعلیم و تربیت کے نمونہ ہائے عمل اور بہترین امثال سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ اب تعمیر کردار کے اس طریق کار کو ہم چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔ مثلاً تکبر برا ہے۔ اور مذہب انسان سے تکبر چھڑا کر اُسے متواضع بنانا چاہتا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب تکبر کو برا کہتے ہیں اور تکبر کا ازالہ چاہتے ہیں۔ مگر اُن کے ہاں اس کے لئے تربیت نہیں۔ اسلام میں تکبر کے ازالہ کے لئے مختلف تربیتیں ہیں۔ نماز جماعت۔ حج۔ سعی صفا و مروہ، روزہ، محافل فضائل، مجالس مصائب، حلقہ ہائے ماتم وہ تربیتیں ہیں، جو انسانی معاشرہ میں مساوات کے علمبردار ہیں اور تکبر کا قلع قمع کر دیتی ہیں۔ طمع و حرص بنی نوع انسان کے لئے مصیبت ہے۔ جس کے دم قدم سے آج بنی آدم کا ناک میں دم ہے۔ اسلام میں اس کے ازالہ کے لئے زکوٰۃ، خمس اور تقسیم وراثت ہے۔

فسق و فجور اور صنفی بغاوت کے ازالہ کے لئے اصول پردہ ہے۔ روزہ کی افادیت یہ ہے کہ روزہ ضبطِ نفس، استحکام ارادہ اور دوسروں کے مصائب کے احساس کی تعلیم و تربیت ہے۔ حلال چیزوں سے احتراز سے نفس انسانی میں ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ حرام سے بچ سکے۔ روزہ استحکام قوتِ ارادیہ اور عزم استقلال کے لئے بہترین تربیت ہے۔

اسلام میں سنگدلی کے ازالہ کی تربیت قساوت قلبی اور سنگدلی امراضِ روحانیہ میں سے بدترین مرض ہے۔ دل رئیس الاعضا ہے۔ اس لئے اُس کی روحانی بیماری بھی تمام روحانی بیماریوں کی سردار ہے۔ یہ سنگدلی ہے جس سے قتل نفسِ انسانی، ڈاکہ، غصب، ظلم و جبر، ستم و جفا، اور استبداد کا ارتکاب ہوتا ہے۔ کیا اسلام جیسے کامل مذہب میں قساوتِ قلبی اور سنگدلی کے ازالہ کے لئے کوئی تربیت ہے؟ اگر نہیں تو اسلام کامل مذہب نہیں بلکہ ناقص ہے۔ اسلام میں سنگدلی کے ازالہ کے لئے تربیت تذکرہ مظلوم امام حسین علیہ السلام ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری بہترین تربیت ہے۔ اس لئے ہم ببانگ دہل کہہ سکتے ہیں کہ سیدالشہدا، امام حسینؑ

کی عزاداری کو اگر اسلام سے علیحدہ کر لیا جائے تو دین ناقص رہ جاتا ہے، اس لئے حکیم مطلق اللہ نے تکمیلِ دین کے بعد اعلان کے بعد ارادہ کر لیا ہے کہ قیامت تک اِس دین میں کوئی نقص نہیں آنے دے گا۔ امام حسینؑ کے واقعات رنج و اندوہ، غم و الم کو سُن کر اس پر آنسو بہانے کے بعد انسانی نفس میں یہ قابلیت ہی نہیں رہتی کہ وہ انسانیت سوز مظالم برداشت کر سکے یہی وجہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام پر آنسو بہانے والی قوم کا دامن سیاست انسانیت سوز مظالم کے دھبوں سے پاک ہے اور پاک رہے گا۔

غم سے انسانی دماغ کی صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور نازک جذبات بلند ذہانت کا موجب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حسینؑ کے غم میں رونے والے بلند ذہن و ذہانت کے مالک رہے ہیں۔ حسین علیہ السلام کا غم دل و دماغ بناتا ہے۔

ع شہید غم کلیجے ہلا دیئے تو نے — حسینؑ درد کے دریا بہا دیئے تو نے
ہر ایک ذرہ بے حس میں اک تڑپ بھر دی — دماغ وضع کئے دل بنا دیئے تو نے

حسین علیہ السلام کا غم اس لئے ہے کہ اس سے دل و دماغ میں پند و مواعظ کا اثر لینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور ہم صالح اور متقی انسان بن جائیں۔ حسین علیہ السلام کا تذکرہ غم سے متاثر دل و دماغ کو نہایت مہتم بالشان اخلاق و اطوار عظیم الشان معاشرہ اور تمدن کی تعلیم دے رہا ہے۔ عزاداری کی یہ شان افادیت ہے جس کی وجہ سے خالق عالم نے عزاداری کو معجزانہ انداز میں آج تک قائم رکھا ہے اور قیامت تک قائم رکھے گا۔

**عزاداری امام حسینؑ زندہ معجزہ ہے** تیرہ سو برس سے زیادہ زمانہ گذر چکا ہے امام حسین علیہ السلام کا غم و الم اور عزاداری معجزانہ شان سے قائم ہے اور روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ عزاداری معجزہ ہے، دورِ حاضر میں معجزہ ہے اِس علم و فن اور سائنس کے زمانے میں معجزہ ہے۔ ایسا معجزہ ہے کہ جس سے اِس حقائق کے زمانے میں انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ذرا نفسیات کی عینک لگا کر آپ کتاب عزاداری کا مطالعہ کیجئے۔

الاوّل: جذبات غم چونکہ قاطع حیات ہیں اِس لئے قانون عادتِ جاریہ انہیں مٹانے میں مصروف ہے اور جذبات مسرت چونکہ ممدِ حیات ہیں۔ اس لئے قانون عادتِ جاریہ انہیں قائم رکھنا چاہتا ہے۔ اِس قانون کی تائید ہمارا مشاہدہ کر رہا ہے بچے سے بڑا غم نوجوان اولاد کا غم ہے، یہ غم بھی دیر پا نہیں، موت کے وقت ماں باپ کی کچھ اور حالت ہوتی ہے۔ تجہیز و تکفین کے بعد کچھ اور، اور سوئم کے بعد کچھ اور چہلم کے بعد کچھ اور سال کے بعد کچھ اور جوں جوں زمانہ گزرتا ہے غم کم ہوتا جاتا ہے۔

ع رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں (غالب)

امام حسین علیہ السلام کا غم (عزاداری) ایسا غم ہے جسے تیرہ صدیوں کا طویل زمانہ نہ اُسے مٹا سکا نہ کم کر سکا یہ قانون عادت جاریہ ہے کہ اقتدارِ زمانہ جذبات غم کو مٹاتا یا کم کرتا ہے ناکام رہا ہے، عزاداری نے قانون عادتِ جاریہ کو توڑ دیا۔ اِس لئے عزاداری معجزہ ہے بجائے اس کے یہ غم مٹتا یا کم ہوتا ہم روتے ہیں اور پھر کہتے ہیں۔

ع حسرت رہی مولا! تجھے دل بھر کے نہ روئے

روتے ہیں اور دل نہیں بھرتا۔ سیری نہیں ہوتی۔ جس مجلس عزا میں ہم شامتِ اعمال سے زیادہ نہ روئیں تو کہا جاتا ہے کہ مجلس کا مآل کار نہیں ہوا کیا یہ معجزہ نہیں دنیا کے انسانوں نے اس غم کو ختم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگالیا، تمام قوتیں صرف کر دیں، سلطنت کی طاقت اسے ختم نہ کر سکی، دولت کی طاقت اُسے نہ مٹا سکی، پریس کی طاقت اُس پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ جوں جوں اُسے ختم کرنے والی طاقتوں کی جدوجہد بڑھتی گئی یہ غم اور بڑھتا گیا، اُسے ختم کرنے والے ختم ہو گئے، مگر یہ پوری شانِ افادیت کے ساتھ قائم ہے، علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

ے شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت  سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت

تارِ ما از زخمِ اش لرزاں ہنوز　　زندہ از تکبیر او ایمان ہنوز

**الثانی:** نفسیات میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ جذبہ کا تکرار (REPEATATION) جذبہ کو آہستہ آہستہ کم کرتا ہے اور آخر ختم کر دیتا ہے۔ اس کی توضیح اس طرح پر ہے کہ جب کوئی جذبہ برانگیختہ ہوتا ہے تو اُس سے نظامِ اعصابی حرکت میں آتا ہے۔ اعصاب چونکہ زندہ ہیں اس لئے بار بار متحرک ہونے سے تھک جاتے ہیں۔ اس لئے ایک جذبہ جس طرح پہلی دفعہ برانگیختہ ہوتا ہے پھر نہیں ہوتا۔ ایک ناول پڑھیئے جو ٹریجڈی (المیہ) ہو پہلی دفعہ اس کے پڑھنے سے جو اثر پڑا ہے دوبارہ نہیں پڑے گا۔ اگر بار بار پڑھیئے تو اثر رخصت ہو جائے گا۔ ایک نظم کا مطالعہ کیجئے۔ آپ پہلی دفعہ جس طرح اس سے مسحور ہوں گے دوبارہ نہیں اگر اسے ہر وقت گنگناتے رہیں گے تو اثر ختم ہو جائے گا۔ اس قانون کو امام عالی مقام کی عزاداری نے توڑ دیا ہے۔ المیہ کربلا مختصر سا واقعہ ہے جسے برابر دہرایا جاتا ہے۔ وہی واقعات ہیں جنہیں ہر ذاکر پڑھتا ہے اور ایک دن میں کئی مجلسیں ہوتی ہیں ہر جگہ انہیں واقعات کو دہرایا جاتا ہے۔ مگر اثر کم ہونے نہیں آتا۔ محرم کا ہی ذکر نہیں، سال بھر مجالس عزا بپا رہتی ہیں اور واقعاتِ کربلا کو بار بار دھرایا جاتا ہے۔ پس جس المیہ کربلا کے تذکرے نے عادتِ جاریہ کے اس مسلّمہ قانون کو توڑ دیا ہے، وہ یقیناً معجزہ ہے۔

**الثالث:** انسانی زندگی کی تمام جد و جہد جس امر کے لئے صرف ہوتی ہے وہ کیا ہے؟ پس یہی (TOAVOIDPAIN + ACQVIREJOY) "غم سے بچنا اور خوشی حاصل کرنا" قانونِ عادت جاریہ ہے کہ انسان حتی الامکان غم سے بچنے کی کوشش کرے۔

امام حسین علیہ السلام نے اس قانون عادتِ جاریہ کو بدل دیا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری میں غم سے بچنے کو ہی ترک نہیں کیا جاتا بلکہ اس غم کو حاصل کرنے اس رنج و اندوہ میں مبتلا ہونے کے لئے کروڑ ہا روپیہ صرف کیا جاتا ہے، دور دراز کے سفر اختیار کئے جاتے ہیں، راحت اور آرام کو ترک کیا جاتا ہے۔ چونکہ غم سے پرہیز، الم سے احتراز

ورد سے بچنا قانون عادت جاریہ ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے غم نے اُسے توڑ
دیا ہے۔ اِس لئے عزاداری امام حسین علیہ السلام معجزہ ہے۔

**الرابع:** مسرت خوش گوار اور غم ناگوار ہے، یہی قانون عادتِ جاریہ ہے
امام حسین علیہ السلام کی عزاداری نے غم کو خوش گوار بنا دیا ہے۔ اس لئے
عزاداری معجزہ ہے۔

# منزل ۱۸

## ماتم

عشق و مودّت سرکار سید الشہدآء ارواحنا و انفسنا قلوبنا و اجسامنا و مارنا و اعضائنا لہ الفداء کے شدید مصائب کے تصور بے پایاں زخموں کے تألم اُن کی قربانی اُن کے اصحاب و انصار و اعزا و اقرباء اور اولاد کی قربانیوں کے تذکرہ اور اُن کے دین کے متعلق خدشات کے تأثر سے جو فطری جذبۂ غم اُبھرتا ہے اُس سے انسان کا والہانہ بے اختیارانہ طور پر چہرہ اور چھاتی پیٹنا سینہ کوبی کرنا زنجیر زنی اور قمہ زنی کرنے کو عرف عام میں ماتم سید الشہدآء کہتے ہیں ۔

انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز سے انسان کو جسمانی ایذا پہنچے انسان اُسے ناگوار سمجھ کر ترک کرتا ہے ۔ لیکن عشق و محبت ایک ایسی چیز ہے جس سے ناگوار باتیں بھی خوشگوار ہو جاتی ہیں ۔ جن چیزوں کو انسان ناممکن سمجھتا ہے وہ ممکن ہو جاتی ہیں ، اس عشق کی کیفیت کو علامہ اقبال نے اس طرح بیان کیا ہے ۔

مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را ناممکن ما ممکن است

مومن عشق سے ہی مومن بنتا ہے اور عشق مومن سے ہی ظاہر ہوتا ہے ۔ جن چیزوں کو ہم ناممکن سمجھتے ہیں عشق اُن کو ممکن کر دیتا ہے ۔ انسانی خون سرمایۂ حیات ہے ۔ اُس کا ایک ایک قطرہ انمول ہے ۔ یہ امام حسین علیہ السلام کے عشق کی کیفیت ہے کہ اُن کی بارگاہ عالیہ میں انسان انتہائی عقیدت سے اپنے سرمایۂ حیات خون کو پیش کرتا ہے ، جذبات کی

انسانی زندگی میں قدر و قیمت ہے۔ اور اُن سے بڑے بڑے مفاد وابستہ ہیں۔ اِس لئے جذبات کی افادیت حاصل کرنے کے لئے کبھی کبھی اُن کا بھی مظاہرہ ہونا چاہیئے۔ علامہ اقبال نے اظہار جذبے کے متعلق خُوب کہا ہے۔

ؔ نادم ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
ہاں ہاں کبھی کبھی اُسے تنہا بھی چھوڑ دے

انسانی زندگی میں جذبات کی افادیت ظاہر و باہر ہے۔ ہم اس ماتم کی افادیت پر بعد میں بحث کریں گے پہلے ہمیں اس امر پر تعجب ہے کہ اِن جذبات کے اُبھار پر بعض لوگ عدم جواز و جواز کا سوال پیدا کر رہے ہیں۔ حالانکہ جذبے کے بے اختیارانہ اُبھار پہ مذہب فطرت عدم جواز کا حکم ہی نہیں لگا سکتا۔ آیئے ہم نفسیات کے علاوہ قرآن کریم کے آیئنے میں اس کے عدم جواز کے متعلق نظر کریں۔ عقلاً قرآن کریم میں جس چیز کو ناجائز سمجھا گیا ہو۔ یا حرام خیال کیا گیا ہو اُس کے متعلق نہی کا وارد ہونا ضروری ہے۔ جس چیز کے متعلق قرآن میں نہی نہیں ہوئی وہ عقلاً جائز ہے۔

آیئے قرآن کی روشنی میں ہم ابراہیمی ملت کے متعلق غور کریں۔ حضرت ابراہیم کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا جو خود بھی خاندانِ رسالت کا فرد تھیں اور ایک نبیٔ معظم حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ جب اُن سے اور اُن کے شوہر کے عالم پیری میں حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری دی گئی تو اُنہوں نے اِس خوشخبری پر جذبۂ تعجب کا اظہار اس طرح فرمایا۔

ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ (پ ۱۲ ع ۷ سورہ ہود آیت ۷۲)

کیا میں بچہ جنوں گی جبکہ میں عجوز (بوڑھی) ہوں اور میرا شوہر بوڑھا ہے یہ تو ایک عجیب بات ہے۔

جذبۂ تعجب کے علاوہ انسانی شماتت کی وجہ سے اُن پہ جذبۂ غم بھی طاری ہُوا۔ جسے قرآن حکیم نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے۔ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ۔
(پ ۲۶ ع ۱۸ آیت ۲۹ سورہ الذٰریٰت)

اور اپنا منہ پیٹ لیا اور کہا کہ بڑھیا اور بانجھ پن (میں کیونکر بچہ جنوں گی) صکہ (ن) صکاً۔ زور سے مارنا، تھپڑ مارنا۔ (عربی۔اردو المنجد صہ ۶۹۶)

اس آیہ مبارکہ کی از روئے لغت ترجمانی سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت سارا نے منہ پیٹ لیا یہی وہ مقام تھا کہ اگر پیٹنا ناجائز ہوتا تو اس مقام پر قرآن میں نہی وارد ہوتی، نہی کا عدم وجود جواز کی دلیل ہے۔ نیز اگر پیٹنا ناجائز اور حرام ہوتا تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا فائز بعصمت ہونے کے لحاظ سے یہ فرض تھا کہ وہ اس فعل سے منع فرماتے اس کی مذمت کرتے اور اس کی حرمت کا اظہار فرماتے۔ جو فرشتے حضرت اسحاق کی بشارت لے کر آئے تھے وہ بھی معصوم تھے، اُن کی عصمت کا تقاضا تھا کہ اُس محترمہ کو اس فعل سے منع کرتے اس کی حرمت کو بیان کرتے اور اس کی مذمت کرتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ماتم از روئے قرآن وعقل ناجائز نہیں ہے۔

ہمارے بعض برادران اہلسنت فرماتے ہیں کہ بیوی نے غم سے نہیں بلکہ حیرت سے اس فعل کو انجام دیا۔ اگر حیرت کے باعث ایک معصوم نبی کی زوجہ منہ پیٹ سکتی ہے اور قرآن اُسے منع نہیں کرتا تو ہم کہتے ہیں کہ کربلا کی کہانی میں پیٹنا غم کے علاوہ ایسی انتہائی حیرت کا موجب ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی حیرت ہو نہیں سکتی مسلمانوں کا کلمۂ طیبہ پڑھ کر خاتم الانبیاء کو رسول تسلیم کر کے اولاد رسالت کو شہید کرنا اور مخدرات عصمت وطہارت رسالت کو قید کرنا تشہیر کرنا اس سے بڑھ کر کون سی حیرت ہو سکتی ہے

ماتم کی افادیت بنی نوع انسان میں ظلم کے خلاف احتجاج ہے یہ ظاہر کرتا ہے کہ ظلم ایک ایسی برائی ہے جس سے دنیا کے کروڑ ہا انسانوں کو مبہوت کر کے پیٹنے پر مجبور کر دیتی ہے، اس لئے ظلم کو دنیا سے نیست ونابود ہو جانا چاہیئے اور ماتم کرنے والوں کی محبت والہانہ عقیدت کا اظہار کر رہا ہے کہ اگر مذہب پہ کوئی وقت آجائے تو اپنا آخری قطرۂ خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے اور ظلم کے خلاف وہی صورت اختیار کریں گے جو سرکار سید الشہداء نے اختیار کی یہ عشق سرکار سید الشہداء کا شاہکار ہے، نہ گناہ ہے نہ حرام ہے نہ ناجائز ہے

اولیاء اللہ کے مصائب سُن کر اگر حضرت عویس قرنی سرکار رسالت کے ایک دانت پر صدمہ پہنچنے پر اپنے دانت اکھاڑ کر پھینک سکتے ہیں اور اِس فعل کو قابلِ تحسین سمجھا جاتا ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نبی خدا حضرت یوسف کے غم میں بینائی جیسی عزیز چیز کو کھو سکتے ہیں اور سرکار رسالت کی ایک زوجہ وقت وفات سرکار رسالتؐ حضور کے سر مبارک کو تکیے پر رکھ کر عورتوں کے ساتھ پیٹ سکتی ہے تو پیٹنے کا عدم جواز صرف حضرت امام حسین علیہ السلام کے سلئے کیوں اختیار کیا جاتا ہے۔

واقعہ کربلا میں مخدرات عصمت وطہارت کے متعلق انتہائے ظلم یہ تھا کہ اُن کے ہاتھ گردن سے باندھ دیئے گئے چنانچہ حضرت قائم آلِ محمدؐ زیارت ناحیہ مقدسہ میں ارشاد فرماتے ہیں وایدیھن مغلولۃ بالاعناق مخدرات عصمت سرکار سید الشہدآء کے ہاتھ اُن کی گردن سے باندھ دیئے گئے آخر ایسا سلوک بے وجہ نہیں تھا۔ شیخ جعفر شوستری اعلی اللہ مقامہ نے لکھا ہے کہ اِن ہاتھوں کے گردن سے باندھنے کی یہ وجہ تھی کہ ان مخدرات عصمت و طہارت کے احباء واعزاء کے سرہائے مبارک نیزوں پر سوار اِن کے ہمراہ جارہے تھے اور شہدآء کربلا کے قاتل انہیں گرفتار کر کے لے جارہے تھے اُن کے چہروں پر نظر انتہائی غم والم کا سبب تھی تو اِن باتوں کی موجودگی میں جذبۂ غم سے متاثر ہو کر عورتیں پیٹنے لگیں گی۔ اِس لئے اُن کے ہاتھ باندھ دیئے گئے تھے۔ بازار کوفہ میں جب افواج یزید اِن مخدراتِ عصمت کی تشہیر کر رہے تھے تو غیور سرکار شہادت نے نوک نیزے پر تلاوتِ قرآن شروع کر دی۔ اِس لئے تاکہ سر بریدہ کا بولنا انتہائی تعجب انگیز تھا۔ جو باعث توجہ انسانیت۔ تھا مطلوب یہ تھا کہ پبلک میرے سر کی طرف متوجہ ہو جائے اور اِن معظمات خاندانِ رسالت کے چہروں پر نظر نہ پڑے۔ جب امام حسین علیہ السلام نے اس طرح تلاوت شروع کی تو بروایت مسلم معمار اُمّ المصائب زینب طاہرہ سلام اللہ علیہا نے سرکار شہادت امام حسین علیہ السلام کے چہرہ پر نظر کی تو لبوں کی حرکت سے ایک قطرۂ خون جو سرکار سید الشہدآء کی ریش مبارک میں اٹکا ہوا تھا۔ بازار کوفہ میں گرا۔ سرکار زینب طاہرہ کا تصور یہ ہوگا کہ امّی جان تمہارے دودھ

کے قطرات کہاں کہاں گر رہے ہیں۔ کربلا کی زمین اور کوفے کے بازار میں اس خیال کے آتے ہی فنطحت جبینھا بر اُس المحمل جری دمھا کا نہا میزاب۔ عصمت صغریٰ حضرت زینب نے اپنا سر محمل کی لکڑی سے دے مارا۔ خون اس طرح جاری ہوا جس طرح پرنالہ چلا کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بازاروں میں زنجیر زنی کرنا یہ عصمت صغریٰ حضرت زینبؑ کی سُنت ہے۔

# منزل (۱۹)

## قرآنی قصص و حکایات

اگر قصۂ یوسف علیہ السلام احسن القصص ہے تو کربلا کی کہانی باحسن الوجوہ احسن القصص ہے

فاقصص القصص لعلھم تیفکرون ( پارہ ۹ رکوع ۱۲ آیت ۱۷۶ سورہ اعراف)

ترجمہ:۔ سرکار احدیت عزّاسمہ کا ارشاد ہے کہ اِن سے قصّے بیان کرو تاکہ یہ لوگ غور وفکر کریں۔

قرآنِ حکیم میں مختلف قصص و حکایات بیان ہوئے ہیں۔ قرآن کریم کا ۲/۳ حصّہ قصص و حکایات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب آخری صحیفۂ ربانی ہے۔ اور اِس میں انسانی زندگی کا مکمل لائحہ عمل بیان ہُوا ہے۔ اِس کتاب میں قصص و حکایات کا ہونا افادیت رکھتا ہے اور انسان کے لئے موجب ہدایت ہے۔ اِس لئے ہر طالب ہدایت کو اِن قصوں اور کہانیوں پر غور وفکر کرنا چاہیئے۔ قرآنِ حکیم کلام الہٰی ہے اور سرکار رسالت کی رسالت کا زندہ معجزہ ہے ان قصّے اور کہانیوں کا بیان ایسے اصول سے ہُوا ہے کہ یہ خود ایک معجزہ ہیں۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

### قرآن پاک کا معجزہ فصاحت

قرآن حکیم سرکارِ رسالت کا معجزہ ہے۔ جس طرح وہ حیات ظاہر یہ سرکار رسالت میں معجزہ تھا۔ آج تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی معجزہ ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآنِ حمید کا چیلنج اِن کنتم فی ریب ممّا نزّلنا علی عبدنا فأتوا بسورۃٍ من مثلہٖ (پ ۱ ع ۲ آیت ۲۲ سورہ بقرہ)

ترجمہ (اگر تمہیں اِس کلام میں جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا شک ہو تو تم بھی اِس

جیسی ایک سورہ بنالاؤ)

محض اس زمانہ کے عربی داں اور عربی بولنے والے طبقہ کو عربی زبان کے لحاظ سے تھا۔

لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ ہم آج دنیا کے تمام انسانوں کو جو مختلف زبانیں بولتے ہیں چیلنج کرتے ہیں کہ وہ قرآنِ مجید جیسی فصیح و بلیغ کتاب دنیا کی کسی بھی زبان میں بنا کر لائیں۔

اگرچہ اس مختصر مضمون میں ان دلائل کی گنجائش نہیں جو ہمارے اس دعویٰ کو ثابت کر رہی ہیں، تاہم اختصار سے چند باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ تکرار (REPITITION) اثر کو زائل کر دیتا ہے۔ کیونکہ جذبہ کے بار بار ابھرنے سے نظامِ عصبی حرکت میں آتا ہے اس لئے اعصاب جو جاندار ہیں بار بار متحرک ہونے سے تھک جاتے ہیں، یہ فطرت کا مسلّمہ قانون ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس فطرت کے قانون کو توڑ دیا ہے، اس لئے قرآن مجید سرکارِ رسالت محمد مصطفیٰ ارواحنا وارواح العٰلمین لہٗ الفداء کا زندہ معجزہ ہے۔ قرآنِ حکیم میں مختلف قصص و حکایات ہیں جنہیں قرآن پاک مختلف سورتوں اور پاروں میں بار بار بیان کرتا ہے۔ اس تکرار کے باوجود اس کی شانِ فصاحت و بلاغت میں فرق نہیں آتا اور اس کا اثر زائل نہیں ہوتا۔ اب دنیا کے کسی فصیح و بلیغ ادیب کو کہئے کہ وہ اپنی زبان میں ایک ہی پلاٹ (PLOT) کو بار بار بیان کرے وہ ہر بار اُسے اسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کرنے سے قاصر رہے گا۔

(۲) قرآنِ حکیم و فرقانِ مجید آئین و قوانین کی کتاب ہے اور قصص و حکایات میں آئین و قوانین بیان ہوئے ہیں، کیا دنیا کا کوئی ادیب مجموعۂ قوانین میں اِس شانِ فصاحت و بلاغت کو اِس طرح قائم رکھ سکتا ہے، جس طرح قرآنِ حکیم نے رکھا ہے؟

(۳) فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ محسوسات و مشاہدات میں ہوتا ہے، ایسی چیزوں کے بیان میں جو ہمارے احساسات و مشاہدات سے بلند و برتر ہیں اظہارِ فصاحت قرآنِ حکیم کا شعار ہیں۔ اِن قصوں میں ایسے امور بیان ہوئے ہیں جو مشاہدات و احساسات سے

بلند و بالا ہیں۔

قرآنِ مجید اللہ، معاد، ملائکہ جیسے مضامین بیان کرتا ہے اور پھر انتہائی فصاحت و بلاغت لئے ہوئے ہے۔ کیا دنیا کا کوئی ادیب، غیر محسوس و غیر مشاہد اشیاء کو اپنی زبان میں اِس طرح بیان کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اِس سے صاف طور پر عیاں ہے کہ یہ قصص و حکایات شانِ اعجاز و افادیت لئے ہوئے ہیں اِن قصص و حکایات میں دو قسم کے انسانوں کا ذکر ہے۔ یا صالحین کا ذکر ہے یا انتہائی بدکردار انسانوں کا تذکرہ ہے۔ صالحین کے ذکر میں انبیاء و رُسل، اوصیاء و اولیاء، آئمہ و حجج الٰہیہ کا تذکرہ ہے۔ اِس سے صفات قدسیہ کی مؤدت و محبت مطلوب ہے اور اِس مؤدت و محبت سے مقصود یہ ہے کہ ہم اِن ذوات قدسیہ کے اعمال و افعال اختیار کریں۔ اور اِن کے اُسوۂ حسنہ پر چل کر دنیوی اور اُخروی فلاح و بہبود حاصل کریں۔ بدکردار انسانوں میں ان ذوات قدسیہ کے معاندین، شاہانِ استبداد اور اُن کے شرکا ر کا تذکرہ ہے تاکہ اُن سے نفرت ہو اور اِس نفرت کی وجہ سے ہم اُن کی بدکرداریوں کو ترک کر دیں۔ نیکوکار انسانوں کی محبت کو "تولّا" کہتے ہیں۔ اور بدکردار انسانوں سے نفرت کو "تبرّہ" کہتے ہیں اور یہی دو مذہبی اصول ہیں جو اِن قصص و حکایات کا مقصود ہیں۔ امیر المومنین علیؑ مرتضیٰ کا اِس ضمن میں ارشاد ہے۔ لاتکن ممّن یُحِبُّ الصّٰلحین المعصومین ولا یعمل عملہم ولا تکن ممّن یبغض الظّٰلمین والکاذبین والغاصبین وھو احدٌ منہم۔ (نہج البلاغہ)

تم ایسے نہ ہو کر جو صالحین معصومین سے محبت رکھتے ہیں اور اُن کے اعمال اختیار نہیں کرتے اور تم ایسے نہ ہو جو ظالموں کاذبوں اور غاصبوں سے بغض رکھتے ہیں اور وہ عمل کے وقت اُن میں سے ایک ہوتے ہیں۔

الغرض قرآنی قصص کے مقاصد و اغراض اظہر من الشمس ہیں اِن پر عمل پیرا ہو کر ہمیں اپنی زندگیوں کو سُفل بنانا چاہیئے۔ اِن قرآنی قصص میں سے اللہ سبحانہٗ تعالےٰ ایک اہم قصے کو انتخا

کرکے ارشاد فرماتا ہے۔

نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا علیک ھٰذا القرآن۔

(پارہ ۱۲ رکوع ۱۱ آیت ۳ سورہ یوسف)

اے حبیب ہم آپ سے ایک حسین ترین اور بہترین قصہ بیان اُس انداز میں کرتے ہیں۔ جس میں ہم نے آپ پر قرآن کو وحی کیا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے قصہ یوسف کو چُن کر اہمیت دی ہے اور اُسے افعل التفضیل (لفظ احسن) سے بیان کیا ہے۔ آخر حکیم مطلق نے اِس قصے کو تمام قرآنی قصص سے ممتاز کرکے احسن القصص کیوں کہا ہے۔ حکیم مطلق کا ایسا کرنا اپنے بیان میں اِس قصے کی خصوصیات کو لئے ہوئے ہے، اِس قصے کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ قصہ اپنے دامن میں وجدانِ محبت کو لئے ہوئے ہے وُہ محبت جس سے اعمالِ انسانیت قابلِ قبولیت بن کر عرصۂ محشر میں نمودار ہوں گے۔ ایک ایرانی شاعر نے اِس حقیقت کو اِن الفاظ میں بیان کیا ہے

؎ جُز محبت ہرچہ بُردم سود در محشر نداشت
دین و دانش عرض کردم کسب چیزے برنخاست

محبت کے سوا جو کچھ بھی میں میدان حشر میں لے گیا اُس نے مجھے کچھ فائدہ نہیں دیا۔ میں نے دین اور عقل کو پیش کیا، کسی نے اِسے کوئی چیز نہیں سمجھا، محبت سے ہی مذہب و دین، حقیقی مذہب و دین بنتا ہے۔ اور محبت سے ہی عقل و دانش حقیقی عقل و دانش بنتی ہے قصہ یوسف علیہ السلام باپ اور بیٹے کی محبت کا قصہ ہے، لیکن کربلا کی کہانی میں تمام محبتیں مجتمع طور پر نظر آتی ہیں۔ عابد اور معبود کی محبت، حضور سرور کائنات کی محبت، دین اور ایمان کی محبت، باپ اور بیٹے کی محبت، بہن اور بھائی کی محبت، بھائی اور بھائی کی محبت، بلکہ قصہ یوسف میں ایک کمی موجود ہے کہ بھائیوں کا بھائی سے سلوک اچھا نہیں تھا، چنانچہ آج تک یہ کمی زبان زدِ خلق ہے جو بھائی اچھا سلوک نہ کرے اُنہیں برادرانِ یوسف کہتے ہیں، مگر کربلا کی کہانی

نے ابروئے وفا، سرکار وفا حضرت عباس روحی لہٗ الفدا نے اس کمی کو اس انداز سے پورا کیا کہ زبان زدِ خلائق ہے۔

ع زینب سی بہن ہوگی نہ عباس سا بھائی

وفا کا یہ شاہکار ایسا تھا کہ آج بھی دنیا کہہ رہی ہے کہ

ع عباس تجھے اہلِ وفا یاد کریں گے۔

ماموں اور بھانجوں کی محبت، بھتیجوں اور چچا کی محبت عبید اور آقا کی محبت، امام اور ماموم کی محبت، الغرض ایسی کوئی محبت نہیں جو کربلا کی کہانی میں موجود نہیں ہے۔ جب ایک محبت کی وجہ سے قصۂ یوسف احسن القصص ہے تو کربلا کی کہانی جس میں تمام محبتیں مجتمع طور پر موجود ہیں باحسن الوجوہ احسن القصص ہے۔ قصۂ یوسف کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ جدائی کا قصہ ہے۔ ایک فرزند ارجمند اپنے باپ سے جدا ہو رہا ہے۔ کربلا کی کہانی میں مختلف طور پر جدا ہونا موجود ہے سرکار رسالت کا جانشین، قبر ختم رسل کا مجاور، مدینے سے جدا ہو رہا ہے۔ مکے کو بیت اللہ بنانے والوں کا فرزند اس مرکز توحید کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا رخصت ہو رہا ہے۔ جدائی کا یہ عالم ہے کہ بھائی بھائی سے جدا ہو رہا ہے۔ بہن بھائی سے جدا ہو رہی ہے۔ بیٹے باپ سے جدا ہو رہے ہیں۔ بھتیجے چچا سے جدا ہو رہے ہیں۔ بھانجے ماموں سے جدا ہو رہے ہیں۔ غرضیکہ کوئی جدائی ایسی نہیں جو کربلا کی کہانی میں موجود نہ ہو۔ جب قصۂ یوسف ایک جدائی کی وجہ سے احسن القصص ہے تو کربلا کی کہانی بہت سی وجہوں سے باحسن الوجوہ احسن القصص ہے۔

قصۂ یوسف قصۂ حزن ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ وابیضت عیناہ من الحزن فهو كظيم ع ۱۰ ایت ۸۴ سورہ یوسف پ ۱۳)

یعقوب علیہ السلام کا عزیز ترین اعضاء اس حزن سے ضائع ہو گیا۔ یہاں ہم لفظ حزن اور اس کے مترادف لفظ خوف کی کچھ توضیح کرنا چاہتے ہیں۔

لغت عربی کا مشہور ماہر لغت راغب اصفہانی نے اس فرق کو اس طرح بیان کیا ہے

الحزن علی مافات والخوف علی مایأتی۔ حزن کسی گذری ہوئی چیز پہ رنج والم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں ان دونوں لفظوں کو دو آیات میں اس طرح بیان کیا ہے۔ اِذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا (پ ۱۰ ع ۱۲ آیت ۴۰ سورہ توبہ) اپنے ساتھی سے کہا حزن نہ کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور حضرت موسیٰ کے متعلق قرآن میں ارشاد ہوا۔ لا تخف انک انت الاعلیٰ (پ ۱۶ ع ۱۲ آیت ۶۸ سورہ طٰہٰ) خوف نہ کرو تم ہی بلند مرتبہ رہو گے۔ فافہم فتدبر

غم انسانی فطرت کا جزو لاینفک ہے انسانی فطرت میں اس طرح سمویا ہوا ہے کہ اُس سے جُدا نہیں ہو سکتا۔ شاعر فطرت حضرت غالب نے کہا ہے۔

؎ غم اگرچہ جاں گُسل ہے پہ بچیں کہاں کہ دل ہے
غم عشق اگر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

اِس سے معلوم ہُوا کہ غم والم کی قسمیں ہیں۔ غم روزگار گھٹیا قسم کا غم ہے اور غم عشق بڑھیا قسم کا غم ہے اور بہترین اور بلند ترین عشق اللہ اور اُس کے رسول انبیاء و رُسل اور رجج الٰہیہ کا عشق ہے۔ دونوں قصّوں میں غم عشق اعلیٰ ترین مدارج میں موجود ہے۔ حضرت یعقوب کا غم حضرت یوسف کے لئے غم اولاد بھی تھا۔ اور غم محبوب خدا بھی تھا۔ لیکن کربلا کے قصّے میں بہترین انداز کے غم والم موجود ہیں۔ جن سے سرکار سیّد الشہداء اور شہدا کربلا دوچار ہوئے اور انہوں نے احسن ترین غم قیامت تک کے لئے عزاداری میں پیدا کر دیا ہے۔ حضرت نجم آفندی نے کہا ہے

؎ شہید ظلم غریب الدیار کیا کہنا حسین درد کے پروردگار کیا کہنا
بڑھا تھا کفر کہ اسلام کا نشان نہ رہے جگر پہ روک لیا تو نے وار کیا کہنا

حسین علیہ السلام نے یہ حزن قیامت تک کے لئے ہمیں دیا ہے۔ جو ابدی ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ کسی شاعر نے ہمارے متعلق خوب کہا ہے۔

؎ قسمت کیا ہر ایک کو قسّام ازل نے جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

غم حسین ہماری شاہرگ حیات ہے۔ جسے ہم جب تک زندہ ہیں نبھاتے رہیں گے۔
کربلا کی کہانی میں غم کی یہ فراوانی اِس کے احسن القصص ہونے کی دلیل ہے۔ غم جو ناگوار تھا اور سب سے مشکل تھا اُسے اعجاز شہید کربلا علیہ التحیتہ والثناء نے اِس مشکل کو حل کر دیا۔ ناگوار گریہ و بکا کو اس قدر خوش گوار بنا دیا کہ ہم روتے ہیں اور رونے سے جی نہیں بھرتا۔ مجلس عزاء میں اگر یہ پُرخلوص عبادت ادا نہ ہو تو سمجھتے ہیں کہ مالِ کار نہیں ہُوا۔ ہزاروں صعوبتیں جھیلتے ہیں۔ مخالفتیں مول لیتے ہیں۔ لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں اِس لئے کہ جی بھر کر رولیں۔

قصہ یوسف کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اِس قصے میں ہائے ہائے کی دردناک آواز موجود ہے۔ یا اسفاہ علی یوسف۔ ہائے یوسف (پ۱۳ ع ۴ آیت سورہ یوسف)

کربلا کی کہانی میں اِس ایک ہائے ہائے سے بڑھکر بہت سی ہائے موجود ہیں۔ ہائے حسینؑ ہائے زینبؑ۔ ہائے عباسؑ۔ ہائے اکبرؑ۔ ہائے اصغرؑ۔ ہائے پیاس تو پھر اگر قصۂ یوسف ایک ہائے کی وجہ سے احسن القصص ہے تو کربلا کی کہانی باحسن الوجوہ احسن القصص ہے۔

قصۂ یوسف کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ قید و بند کی کہانی ہے۔ اِس قصے میں اگر یوسف نے قید و بند کے مصائب جھیلے ہیں تو وہ اِن مصائب کے جھیلنے میں تنہا تھے۔ مگر سیدِ سجاد اسیر کربلا کی کہانی اِس سے بڑھ کر ہے اُن کی اسارت میں مخدراتِ عصمت و طہارت، دخترانِ سرکارِ رسالتؐ علی و مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہرا کی بیٹیاں شریک تھیں اور اُنہیں قیدی بنا کر بازاروں میں تشہیر کیا جا رہا تھا۔ کوفے اور دمشق کے درباروں میں لایا جا رہا تھا۔ یہ ایک ایسی مصیبت تھی جس کے متعلق سیدِ سجاد ارشاد فرماتے ہیں۔

دمشق کے دربار میں مجھے ایسا ذلیل و رسوا سمجھا گیا کہ گویا میں ایک زنگی و حبشی غلام تھا جس کا کوئی مددگار نہ ہو۔ اگر قصۂ یوسف حضرت یوسف کی مصیبتِ قید و بند کی وجہ سے احسن القصص ہے تو کربلا کی کہانی باحسن الوجوہ احسن القصص ہے۔

اس کے بعد رب العزت اپنے حبیب سے کہتا ہے کہ اے رسول کہہ دے کہ ہمارا خدا کی

طرف بلانے کا یہی طریق جس سے ہم نے احسن القصص کو بیان کیا ہے مؤثر طریق ہے ارشاد ہوتا ہے

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (پ ۱۳ ع ۶ ایت ۱ سورہ یوسف)

اے رسول تم یہ کہہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں (بھی) اور وہ (بھی) جس نے میری پیروی کی ہے بصیرت پر ہیں،

اس قصے میں اللہ کی طرف بلانے کا انداز محبت، جدائی کا ذکر، حزن و ملال کا تذکرہ، ہائے ہائے آوازوں کا بلند کرنا اور قید و بند کے مصائب کا ذکر کرنا پس اس لئے چاہیئے کہ کربلا کی کہانی کو بھی انہی خصوصیات کے ساتھ بیان کیا جائے جیساکہ ہم مجالس عزا اور حزن و ملال کے جلوسوں میں کرتے ہیں اور ہمارا شعار ہے۔

خاندان ارسطو جاہی کے چشم و چراغ نبیرہ سرکار شریف العلماء سید آغا حسین شاعر پہلوی حضرت عباسؑ کی مہر و وفا پر لکھتے ہیں۔

## حضرتِ عباس علیہ السلام

عباس علیؑ سروِ گلستانِ پیمبرؐ!
درمہر و وفا تابعِ فرمان برادر،

ترجمہ:۔ عباس علیؑ سرکار رسالت محمد مصطفیٰؐ کے سروِ گلستان تھے اور وہ محبت اور وفا میں اپنے بھائی کے تابع فرمان تھے۔

عباسؑ کہ از لطفِ شہنشاہِ ولایت
باشد بہ جہان شمع فروزانِ ہدایت

ترجمہ:۔ حضرت عباسؑ جو شہنشاہِ ولایت علیؑ مرتضیٰؑ کے لطف و مہربانی سے جو دنیا میں ہدایت کی روشن شمع تھے۔

دانم چو دگر حیدرِ کرار نباشد
چوں حضرت عباس وفادار نباشد

ترجمہ: میں جانتا ہوں کہ کوئی اور حیدرِ کرار کی طرح سے حضرتِ عباس کی طرح وفادار نہیں ہوگا۔

ربِ دو جہاں مژدہ وہ اجرِ عظیم است
عباسِ علیؑ جان و دلِ "ذبحِ عظیم" است

ترجمہ: عباسِ علیؑ اجرِ عظیم کی خوشخبری دینے والے ہیں اور عباسِ علیؑ ذبحِ عظیم کے دل و جان ہیں

با مشک و علم غازی ما تیغ بدست است
از جرأتِ او حوصلۂ کفر چہ پست است

ترجمہ: مشکیزے اور علم کے ساتھ ہمارا غازی ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے ہے، اس کی جرأت سے کفر کا حوصلہ کس قدر پست ہوگیا۔

درآبِ رواں بارخِ پرتاب در آید
خود تشنہ ز مشکیزۂ پر آب بر آید

ترجمہ: چلتے ہوئے پانی کے ساتھ روشن چہرے کے ساتھ خود پیاسے ہی پانی سے بھرے ہوئے مشکیزے کے ساتھ نکل آئے۔

جولانیٔ آں اسپ وفادار چگون است
دریای فرات است کہ لبریز بخون است

ترجمہ: اس وفادار گھوڑے کی جولانی کیسی عجیب ہے کہ جس سے دریائے فرات خون سے لبریز ہوگیا ہے۔

دشمن زکین بازوی عباسؑ بریدی
از بارِ الم حضرت شبیرؑ خمیدی

ترجمہ:۔ دشمن نے گھات سے نکل کر حضرت عباس کے بازو شہید کر دیئے یہ ایسا صدمہ تھا کہ جس سے حضرت شبیرؑ کی کمر خم ہو گئی۔

سقّایی او پیشِ خدا امرِ عظیم است

در جنتِ فردوس بہ نعمای کریم است

ترجمہ:۔ ان کی سقائی خدا کے نزدیک امرِ عظیم ہے، جنتِ فردوس میں وہ بڑی نعمتوں سے سرفراز ہیں۔

ای کاشش بہ خود خدمتِ عباسؑ رسانم

یعنی بہ ابد بردر آن دوست بمانم

ترجمہ:۔ اے کاش کہ میں خود اپنے آپ کو خدمتِ حضرتِ عباس میں پہنچاؤں یعنی ہمیشہ کے لئے ایسے مہربان کے دروازے سے ہو رہوں۔

این خامہ کہ در مدحتِ عباسؑ روان است

تمہید جہاد است کہ با تیغِ زبان است

ترجمہ:۔ یہ قلم جو حضرت عباسؑ کی مدح میں خامہ زن ہے ایک جہاد کی تمہید ہے، جو میں زبان کی تلوار سے کر رہا ہوں۔

در گردشِ افلاک چہ پابند فسونم

یا حضرتِ عباسؑ طلب کارِ جنونم

ترجمہ:۔ زمانے کی گردش میں میں کس قدر پابند فسوں ہوں۔ یا حضرتِ عباس میں آپ کے جنونِ عشق کا طلب گار ہوں۔

(دیوانِ پہلوی صفحہ نمبر ۹۷)

# قصصِ قرآنی میں ایسے حیوانات کا ذکر
## جو
# بندگانِ صالحین کے ساتھ اُن کے شرکاء کار تھے

## کلبِ اصحاب کہف یعنی اصحابِ کہف کا کُتا

آیہ:۔ کلبہم باسطٌ ذراعیہ بالوصید (پارہ ۱۵ رکوع ۱۵ سورہ کہف آیت ۱۸)

ترجمہ:۔ اور اُن کا کتا چوکھٹ پر دونو ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے۔

وَکلبہم:۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کتے کا قصہ یہ ہے کہ جس وقت اصحاب کہف شکار کے بہانے سے نکلے ہیں تو راستے میں انہیں ایک چرواہا ملا، اُسے انہوں نے اپنے ساتھ لینا چاہا وہ تو ساتھ نہ ہُوا مگر اُس کے پاس ایک کُتا تھا وہ اُن کے ساتھ ہو گیا اور جس غار میں وہ جا کر سوئے یہ کُتا اُس کے در پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہے۔ حدیث میں وارد ہُوا ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ بہائم جنت میں نہ ہوں گے۔ مگر تین اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بلعم باعورا کا گدھا اور حضرت یوسف کا بھیڑیا اور اصحاب کہف کا کُتا (حاشیہ مقبول ترجمہ)

دوسری آیہ:۔ وَالْبُدْنَ جعلنٰھا لکم من شعآئر اللّٰہِ لکم فیھا خیرٌ

(پارہ ۱۷ رکوع ۱۲ آیت ۳۶ سورہ الحج)

اور بُدنہ کو بھی ہم نے تمہارے لئے خدا کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے۔ اُن میں تمہارے لئے خیر ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح کے وقت جو جانور اُن کی بجائے ذبح ہو گیا تھا۔ اُس کی یادگار کو قائم رکھنے کے لئے جو قربانی کے جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہ اُس جانور کی نقل ہیں اور

اِن جانوروں کو جو اُس جانور کی یادگار کے لئے قربان کئے جاتے ہیں، خداوندعالم نے اپنی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے اور اِس میں بنی نوع انسان کے لئے خیر و برکت کا ذریعہ بنایا ہے۔

**ناقۂ صالح** ناقۂ صالح کا رب العزت نے قرآن حکیم میں اس طرح کا ذکر کیا ہے۔ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيَاهَا ۝ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ۝ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوَّاهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۝

(پارہ ۳۰ رکوع ۱۶ آیت ۱۳ تا ۱۵ سورہ الشمس)

پس اُن سے اللہ کے رسول نے کہا تھا کہ خدا کی اونٹنی کو اور اُس کے پانی پینے کو نہ چھیڑنا پس اُنہوں نے رسول کو جھٹلایا اور اُس اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں۔ پس اُن کے پروردگار نے اُن پر اُن کی اُس گناہ کے سبب عذاب نازل کیا۔ پھر اُن کا پٹڑا کر دیا اور اُسے تو کسی کے بدلا لینے کا ڈر ہے ہی نہیں۔

**جہاد میں شریک گھوڑے** جن کی اللہ تعالےٰ قرآن حکیم میں قسم کھاتا ہے۔ وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا (پ ۳۰ ع ۲۵ سورہ والعٰدیٰت) قسم ہے سرپٹ دوڑانیوالے گھوڑوں کی جو فرّاٹے بھرتے جاتے ہیں پھر پتھر پہ ٹاپ مار کر آگ نکالتے ہیں۔

اِن حیوانات کا تذکرہ بتلاتا ہے کہ جو گھوڑے مجاہدین کے ساتھ شریکِ جہاد ہوں۔ یا جو کُتّا صالحین کی غار کے چوکھٹ پر ہاتھ پھیلائے اُن کی حفاظت کر رہا ہو۔ یا جو قربانی کا جانور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی بجائے ذبح ہو گیا تھا یا جو اونٹنی ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب تھی اور معاندین نے اُس کا پانی بند کر کے اُس کے کوچوں کو کاٹ دیا۔ اِن سب جانوروں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں قیامت تک کے لئے جاری رکھنا چاہتا ہے، ایسے ہی سید الشہداء حسین علیہ السلام کی سواری کا گھوڑا ذوالجناح تھا۔ جو بھوک میں، پیاس میں، مصائب میں، زخم کھانے میں ہر حیثیت سے امام حسین علیہ السلام کا کربلا کے جہادِ عظیم میں شریکِ کار رہا۔ خدا اُس کا عملی تذکرہ قیامت تک جاری رکھنا بھی ایسا ہی ضروری سمجھتا ہے، جیسا کہ اِن حیوانات کا ضروری ہے، خدا کی قدرت تاہ

باوجود گوناگوں مخالفتوں کے اِس کا تذکرہ جاری رکھنا چاہتی ہے۔ جیساکہ عملی طور پہ ہورہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ حقیقتہً جلوس ذوالجناح شیعہ قوم کے بلندئ اخلاق اور عظیم عظمت کی برملا باہر اور دلیل ظاہر ہے شیعہ قوم وہ احسان شناس قوم ہے جو ایک وفادار حیوان کی اپنے مالک کے ساتھ شرکت کو فراموش نہیں کررہی۔ ذوالجناح کے جلوس آن احسان شناسی کی دلیل ہیں اگر کوئی انسان اِس قوم کے ساتھ احسان کرے تو اُس کے احسان کو اپنے اخلاق واطوار میں کس قدر بلند مرتبہ دے گی۔ شاعرِ پہلوی سید آغا حسین ارسطو جاہی نبیرۂ سرکار شریف العلماء ذوالجناح کے متعلق لکھتے ہیں۔

# ذُوالجناح

ای ذُوالجناح سر بہ عقیدت خمیدہ ایم

از مدارِ اہل بیتؑ نبی برگزیدہ ایم

ترجمہ:۔ یہ ذُوالجناح ہے کہ ہم نے اِس کے سامنے عقیدت سے سر جھکا دیا ہے۔ اہل بیتؑ نبی کی مدح کے لحاظ سے ہم نے اِسے چن لیا ہے۔

تشریح:۔ عشق ومحبت میں محبوب کے متعلقہ اشیاء خواہ ذی حیات ہوں یا غیر ذی حیات اُن سے محبت ہوتی ہے۔ اور اُن اشیاء کا احترام کیا جاتا ہے۔ یہی اصول ذوالجناح کے متعلق کارفرما ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی محبت کے باعث اُن کے باوفا اسپ سواری سے محبت بھی ہے اور احترام بھی ہے۔

ای اسپ باوفا چہ قدر احترام تو

مولای تو امام علیہ السلام تو

ترجمہ:۔ اے باوفا گھوڑے تیرا عزت واحترام اِس لئے ہے کہ تیرے آقا امام علیہ السلام ہیں۔

دیدی بہ ذوالفقارِ امامِ انام را

ناچار دیدی زینبؑ عالی مقام را

ترجمہ:۔ وہ وقت تھا جبکہ تو نے مخلوقِ خاص کے امامؑ کو ذوالفقار کے بغیر دیکھا یعنی جب آپ جہاد ختم کرکے شہید ہو چکے اس حالت میں تو نے دیکھا اور تو نے دیکھا اِس حالت میں کہ جناب زینبؑ بلند مقام پر ناچار و بے یار ہے۔

ای ذوالجناح بارِ امامت کشیدہ ای

خونِ شفق بہ پردۂ این شام دیدہ ای

ترجمہ:۔ اے ذوالجناح تو نے سواری دے کر بارِ امامت کو اٹھایا ہے۔ امام حسینؑ کے خون سے جو شفق آسمان پر نمایاں ہوئی تو نے شام کے پردے میں اُسے دیکھا ہے۔

در زیرِ رانِ سرورِ ذیشان بودہ ای

گوی ز مہر و ماہ چہ آسان ربودہ ای

ترجمہ:۔ تو ذیشان سردار کی سواری میں تھا، اِس لحاظ سے تو چاند اور سورج پر کس آسانی سے سبقت لے گیا

آن شہ سوارِ دوشِ پیمبر سوار تو

این نسبتی زِ خُلقِ عظیم است کارِ تو

ترجمہ:۔ وہ رسول اللہ کے کندھے پر سوار ہونے والا شہسوار تیرا سوار ہے یہ خُلقِ عظیم کی نسبت تیرے کام سے ہے جو تو نے انجام دیا۔

خاکِ شفا ز نقشِ کفِ پا نشان دھد

دادِ شجاعتِ تو امامؑ زمان دھد

ترجمہ:۔ کربلا کی خاکِ شفا تیرے پاؤں کے نقش کا نشان دے رہی ہے امامؑ زمانہ تیری شجاعت کی داد دے رہے

دادِ سخن دھد بہ مرا آن امامؑ ما

آقای من حسین علیہ السلام ما

(دیوان پہلوی صـ۲۷)

ترجمہ:۔ مجھے میرا پیارا امامؑ، میرا آقا حسین علیہ السلام میرے اس کلام کی داد دیں گے یعنی اجر عطا فرمائیں گے۔

# منزل (۲۰)

## اغراض و مقاصد شہادتِ عظمیٰ امام حسین علیہ السلام

؎ پڑ چکے ہیں سینکڑوں روح شہادت پر نقاب
مومنو! اب اِن حجابوں کو اُٹھانا چاہیئے

حسین علیہ السلام کیوں شہید ہوئے؟ یہ ایک عظیم الشان سوال ہے جو نہ محض شیعوں بلکہ تمام مسلمانوں میں اور مصیبت زدہ مواد فساد دنیا کے تمام انسانوں کو دعوت فکر دے رہا ہے۔ شہادت سرکارِ شہادت کے اِس مہتم بالشان واقعہ کی اہمیت کو گھٹانے کے لئے عام طور پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ حسینؑ ایک ایسے آدمی تھے جو اپنے زمانہ کے جمہوری خلیفہ کے خلاف جنگ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر (معاذ اللہ) اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے میں نے اِس مقالہ میں اپنی عملی کوتاہیوں کے باوجود نفسیاتی اور تاریخی نظریات کی روشنی میں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ نفسیاتی معارف اور تاریخی حقائق سے یہ تبلایا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کیوں شہید ہوئے اور جو اِن کے اغراض شہادت تھے۔ اُن میں اُنہیں کیسی عظیم الشان کامیابی ہوئی۔ آیہ: اِنَّ فِی ذَالِكَ لَذِكْرىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (پ ۲۶ ع ۲ آیت ۳۷ سورہ ق)

حسینؑ کیوں شہید ہوئے؟ اِس سوال کا جواب اتنا وسیع ہے کہ اِس پر مبسوط کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ میں اِس مختصر مقالے میں جن جن عناوین کے ماتحت ایسی کتابوں کو تدوین کیا جا سکتا ہے ان کا لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی غرض انسانی قلوب میں اللہ پر یقین کے عقیدے کا استحکام، عبد اور معبود کا فرق تھا۔ اور ایک ایسا گروہ پیدا کرنا جو انتہائی مصائب میں اللہ پر یقین

کے عقیدے سے عزم وثبات کا شاہکار ہو۔

(۲) عقیدۂ معاد محاسبۂ اخرویہ اور عدل الٰہی کی عملی تائید (۳) نبوت محمدیہ کے عقیدے کی توثیق اور عقیدۂ ختم نبوت پر مہر تصدیق (۴) نازک ترین حالات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اسوۂ حسنہ پیش کرنا اور سلطان جابر کے سامنے کلمۂ حق بیان کرکے اتمام حجت کرنا (۵) مختلف نظریات حکومت کو غلط ثابت کرنا اور اسلامی نظریہ حکومت کا اثبات (۶) غم کے جذبات سے افادہ اور اس سے انسانیت مذہب، تمدن ومعاشرت کو فائدہ پہنچانا (۷) بہترین معاشرت کا مظاہرہ (۸) بہترین تمدن کا مظاہرہ (۹) اجتماعی زندگی میں رہنمائی (۱۰) اقلیت کا اکثریت سے مقابلہ اور سلیم اقلیت کا معنوی غلبہ (۱۱) فضائل سے محبت اور رزائل سے نفرت پیدا کرنا (۱۲) اظہار حق اور اس کے لئے مادی قوتوں سے مرعوب نہ ہونا (۱۳) اصلاح خلق میں مصلحین کی رہنمائی (۱۴) بقائے اسلام اور گناہ کا وجود مٹانا۔

ان چودہ عناوین پر نفسیات، سیاسیات، مذہبیات اور اسلامیات کی ریسرچ پر سکالر مبسوط کتابیں لکھ سکتے ہیں۔

سے پڑھ چکے ہیں سینکڑوں روح شہادت پر نقاب — مومنو! اب ان حجابوں کو اٹھانا چاہیئے

**(۱) اللہ پر یقین** اللہ پر یقین ایسا عقیدہ ہے جو اس عالم کون وفساد میں امن عالم کا کفیل ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اللہ کی شان اس سے ارفع واعلیٰ ہے کہ اس پر اقرار، اس پر یقین، اس کے لئے اپنی عظمت و جلال کو بڑھا سکے۔ ان عقائد کی افادیت اس کی مخلوق کے افادہ کے لئے ہے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک سے عقیدت ہی وہ اجتماعی مرکز ہے جس پر تباین نسل ورنگ، ملک وملت، اختلاف تموّل وافلاس، قوت و ضعف کے باوجود منتشر دنیا مجتمع ہو سکتی ہے۔ امن عالم اور توازن تمدن کے لئے ایک ایسی ہستی سے عقیدت ضروری ہے جس کی باز پرس کا خوف قوی کو دست درازی سے روک سکے۔ اور جس کے انصاف کی امید ضعیف اور کمزور کو پست نہ ہونے دے۔ بلکہ اس کے حوصلہ کو بڑھائے اس کی زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنا سکے۔ موجودہ دنیا میں فساد کے اسباب میں سے ایک زبردست سبب اہل مغرب میں اللہ سے عقیدت کا فقدان ہے۔

یورپ کے فلسفہ میں جب سے ڈارون (DARWIHS THEORY) کے فلسفۂ تخلیق نے
جنم لیا ہے، یورپ میں اللہ کا انکار روز بروز ترقی پر ہے۔ اور اِس کا اثر تمام عالم پر پڑ رہا ہے۔
مفکرین مغرب فلاسفۂ اروپا (EUROPE) بظاہر عیسائی ہیں۔ معنوی طور پر منکرین الٰہی ملحد اور دہریہ
ہیں، اِس لئے مغرب کا موجودہ غلبہ اللہ کے عقیدے سے الگ ہو کر ایسے فتنہ و فساد کا مرتکب ہو رہا
ہے کہ اللہ کی پناہ انکشافاتِ جدیدہ و ایجادات علم طبیعات ایٹم بم وغیرہ کی شکل میں انسانیت کو
صفحۂ ارض سے مٹانے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں، جب تک اللہ سے عقیدت اور سرکارِ احدیت
پر یقین ایک مورد صفات دنیا میں غور نہیں کرتا۔ امن ناممکن و محال ہے۔ اہل مغرب کے سامنے واقعۂ
کربلا کو صحیح طریق پر پیش کرنا اذہان انسانیہ میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ حسین علیہ السلام جیسے
روحانی پیشوا، الٰہی سیاست کے نقیب اور عقلی رہنما کی شہادت کی غرض اپنے عمل سے معرفت
الٰہی اور توحید ربانی کا سکہ انسانی قلوب پر بٹھانا تھا ؎

مہر حق در خاک و خون غلطیدہ است　　پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است (اقبالؔ)

عشق الٰہی کا متوالا قدم قدم پر نعرہ "اللہ بس۔ باقی ہوس" بلند کر رہا ہے۔ جس عقیدۂ توحید جس
الٰہیت کیلئے حسینؑ کے نانا محمد مصطفےٰ ارواحنا الفداء کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ایک ایک ثانیہ وقف
رہا، جس کے لئے سرکار رسالت نے اپنا خون پسینہ ایک کیا، جس معرفت الٰہیہ کے لئے محسنۂ اسلام
ثانی اُم الائمہ حضرت خدیجہؑ نے اپنی بے پایاں دولت کو پانی کی طرح بہا دیا اور جس کے لئے آپ
کے دادا محسن اسلام حضرت ابوطالب نے دن رات ایک کیا اور خاتم النبیین کی اعانت میں کوئی
دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، جس عقیدہ کے لئے حسینؑ کی ماں نے چادر تک گروی رکھی اور چکی پیس
کر اسی عقیدہ کی اعانت کے لئے حسینؑ کو پروان چڑھایا، جس عقیدہ کی نشر و اشاعت کے لئے علیؑ
جیسے عالم اور بہادر باپ کا دل و دماغ اور سرمایۂ زندگی خون کا آخری قطرہ وقف رہا۔ اسی عقیدے
کو احیائے دائمہ بخشنے کے لئے جسے انسانی قلوب میں راسخ کرنے کے لئے حسینؑ میدان شہادت
میں آئے تھے، یہ الفاظ ہی نہیں، تاریخ اس کی شہادت دے رہی ہے۔ حسینؑ کا عمل اس پر

مہرِ تصدیق ثبت کر رہا ہے۔ مدینہ سے رخصت کے وقت جو وصیت نامہ اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے نام تحریر فرمایا، اُس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سفر توحیدِ الٰہی کے عقیدہ کی تقویت کے لئے اور ناموس و قانونِ الٰہی کی حمایت کے لئے تھا۔ مکہ مکرمہ سے روانگی کے ایک دن قبل جو خطبہ ارشاد فرمایا ہے۔ اِس میں صاف اعلان ہے من کان باذلاً فی اللہ مُھجتہٗ فلیرتحل معنا، جو اللہ کی راہ میں اپنی شہ رگ کا خون صرف کرنا چاہتا ہے۔ وہی ہمارے ساتھ سفر کرے۔ روانگی سے پہلی رات اپنی جدّہ ماجدہ محسنۂ اسلام حضرت اُم الائمہ خدیجۃ الکبریٰ کے روضۂ مطہر پر تشریف لے گئے اور وہاں نصف شب کے سائے میں سرکارِ احدیت سے اِن الفاظ میں مناجات کرتے رہے ؎

ترکت الخلق طرّاً فی ھواک وأیتمت عیالی لکی اراک
فلو قطعتنی فی الحبّ اربااً لما حنّ الفؤاد الی سواک

اے معبود! میں نے تیری محبت میں تمام مخلوق کو ترک کر دیا ہے اور اپنے بچوں کا یتیم ہونا گوارا کیا۔ اگر تیری محبت میں میرے جسم کے ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں تو میں اپنا دل تیرے سوا کسی کو نہیں دونگا

اِن الفاظ میں میدانِ کربلا میں عمل پیش کیا۔ نوجوان بیٹے کی لاش گود میں ہے اور رضاً بقضائہٖ و تسلیماً لامرہٖ کے الفاظ زبان پر جاری ہیں، آخری عبادت کربلا کی سرزمین ذرّے ذرّے میں ذکرِ الٰہی کو سمو دیا، حسین علیہ السلام کی شہادت اللہ پر یقین کا شاہکار ہے، حسین علیہ السلام نے اپنی شہادت کو اِن الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ؎

ان کانت الابدان للموت اُنشئت فقتل امرءٍ فی اللہ اولیٰ وافضل

اگر انسانی اجسام موت میں، کیسے نشو و نما پا رہے ہیں تو انسان کا اللہ کے لئے مرنا بہتر اور افضل ہے۔

سلام ہو ہمارا اُس عبدِ خاص پہ جو صفاتِ الٰہیہ کا ایسا مظہر تھا کہ سر پھرے انسان اُس کو خُدا سمجھتے۔ مگر اس عبدیت، اس کے مصائب اور اس کی عبادت نے عبد و معبود کے امتیاز میں حدِّ فاصل کھینچ دی، عبدیت کو انتہائے کمال پہ پہنچا کر معبود کی ہستی کو ذہن نشین کر دیا، حسین علیہ السلام

اپنی اس غرض شہادت میں کامیاب ہیں، آج عبادت الٰہی کی دعوت کے لئے آذان کی آوازیں بلند ہیں، مساجد و معابد میں سطح ارض پر عبادت خدا ہو رہی ہے۔ حسینؑ شہید نہ ہوتے تو آج عبادت خدا نہ ہوتی۔ اسی لئے آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ اس کامیابی پر خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ نے کہا ہے۔ ؎

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

حسینؑ کا ذکر کرنے اور اس ذکر کو سننے والو! اگر حق شناس کان ہیں تو سُن لو اگر حق کو قبول کرنے کے لئے قلوب میں صلاحیت ہے تو سمجھ لو کہ شہادت کی غرض اللہ پر یقین ہے۔ اگر آپ کے اور میرے دل میں ذکرِ حسینؑ سے اتنا یقین بھی پیدا نہیں ہوا جس سے گناہ کا امکان نہیں رہتا اور انسان انتہائی مصائب میں سیرت کی بلندیوں کو پیش کر سکتا ہے تو پھر آپ نے اور میں نے تذکرہ سرکار سید الشہدا سے وہ چیز حاصل نہیں کی، جو اس تذکرہ کا مآل کار ہے۔

**عقیدۂ معاد** محاسبہ اُخرویہ اور عدل الٰہی کی عملی تائید امام حسین علیہ السلام کی غرض شہادت تھی۔ عقیدۂ معاد، محاسبہ اُخرویہ اور عدل الٰہی کا انسانی دلوں میں راسخ کرنا تھا۔ آج انسان جن مصائب میں مبتلا ہے، اس کی بڑی وجہ عقیدہ معاد میں کمی ہے اگر انسان اس زندگی کے بعد فانی ہے اور ابدی زندگی کا اعتقاد نہ رکھتا ہو، اگر محاسبہ اُخرویہ پر اُسے یقین نہ ہو، اگر وہ عدل الٰہی کو اپنا اصول مذہب نہ سمجھے تو پھر جو جی میں آئے کر گزرے۔ معاد کا عقیدہ، ظلم و ستم، جور و جفا، استبداد اور غصب حقوق کو روک سکتا ہے۔ انسانی قوانین جن میں کمزور پھنس جاتے ہیں اور زور والے تارِ عنکبوت کی طرح توڑ ڈالتے ہیں، لیکن امنِ عالم کے کفیل نہیں ہو سکتے۔ یورپ کے بے دین انسانوں نے اس عقیدہ کو ترک کر کے اللہ کی سرزمین کو جور و فساد بنا دیا ہے۔ یورپ کا نظریہ "لذتیت" یعنی دنیاوی لذات ہی خیر ہیں۔ اوسان کا مقولہ (DRINK ;EAT AND BE MARRY) کھاؤ پیو اور خوش رہو۔

# عقیدۂ نبوت وختم نبوت کی توثیق !

تاریخ عرب کے ماہرین سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ابوسفیان اور اولادِ ابوسفیان کا ایک مقصدِ وحید نبوت محمدیہ کا ابطال تھا۔ ابوسفیان جب تک ہوسکا اس مقصد کے لئے سرکارِ رسالت محمد مصطفٰے ارواحنالہ الفداؑ کی ظاہری مخالفت پر ڈٹا رہا، جب اس میدان میں اسے شکست ہوئی تو وہ اِس مقصد کو چھپا کر بظاہر اسلام کا اظہار کرتا رہا، اس مقصد کو اُس نے وراثت کے طور پر اپنی اولاد کے سپرد کیا اور یزید کی زبان پہ یہی دبی ہوئی چنگاری شعلہ بن کر اِن الفاظ میں ظاہر ہوئی،

ے بعث بنو ھاشم بنا الملک فلا خبرٌ جاء ولا وحیٌ نزل

بنی ہاشم نے سلطنت کا کھیل کھیلا تھا ورنہ اُن کے پاس نہ ہی خُدا کی طرف سے کوئی وحی نازل ہوئی اور نہ ہی کوئی خبر آئی۔

فتنہ انگیز غرور سے بدمست یزید کے یہ الفاظ اس کی خاندانی حالات قلبیہ کی نقاب کشائی کر رہے ہیں۔ عقیدۂ نبوت کو مٹانے کا جو ہنگامہ دادا نے برپا کیا تھا۔ اُس کا مقابلہ خود سرکارِ رسالت نے کیا۔ پوتے کے زمانہ میں سرکار رسالت اگر بہ نفس نفیس موجود نہیں تھے تو اِس زمانہ میں مقابلے کے لئے ایک ایسی ہی موجود تھی، جسے سرکارِ رسالت کی مبارک نگاہوں نے پرکھ کر فرمایا تھا "حسین منی و انا من الحسین" حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں، اللہ کے رسول کا دوسرا فقرہ میں حسینؑ سے ہوں، حسین علیہ السلام کے مقصدِ شہادت کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اگر حسینؑ شہید نہ ہوتے تو سرکارِ رسالت کا نام نہ ہوتا، کام نہ ہوتا، اسلام نہ ہوتا، آں حضور کے آثار نہ ہوتے، یہ حسین علیہ السلام تھے سے

جو محافظ تھا خدا تعالیٰ کے آخری پیغام کا

جس کی نبضوں میں مچلتا تھا لہو اسلام کا

حسین علیہ السلام کو میدان کربلا میں رسول اللہ کے آثار، تعلیمات قرآنیہ اور سنن سرکار رسالت

کی عملی تفسیر و توضیح پیش کرنا تھا۔ حسین علیہ السلام کی شہادت جہاں نبوت محمدیہ کی دلیل ہے۔ وہاں ختم نبوت کی بھی مسکت ضخیم برہان ہے۔ اگر سرکار رسالت کے بعد کوئی اور رسول آنا ہوتا تو نفسیاتی طور پر حسینؑ کو شدید مصائب میں مبتلا ہونے اور اتنی سنگین قربانیاں پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ رسولؐ اللہ کے بعد آنے والا آتا اور جو گتھیاں اسلام میں بعد سرکار رسالت پڑ گئی تھیں۔ انہیں سلجھالیتا۔ حسینؑ کا عمل بتلا رہا ہے کہ کوئی رسول آنے والا نہیں ہے۔ اِس لئے "حسینٌ مِنّی وانا من الحسینؑ" نے قیامت تک کے لئے بقائے اسلام کا انتظام کرنا ہے۔ ایک بلند پایہ مفکر نے اِسی لئے کربلا کی شان میں کہا ہے ؎

خندہ زن ہے جس کی رفعت گنبدِ افلاک پر
مہرِ تکمیلِ رسالت ثبت ہے جس خاک پر

یہ مقصدِ حیات حسینیوں کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اپنی زندگی کو ایسے سانچے میں ڈھال لو کہ آپ پر ہر حرکت و سکون نبوت ختمی مرتبت کی دلیل بن جائے۔ آثارِ رسالت دنیا میں پھولیں پھلیں اور یہ دُنیا پُرامن بن جائے۔

## اسلامی نظریہ حکومت کی توضیح

اسلام انسانی زندگی کا مکمل پروگرام ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جسے اسلام نے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچایا ہو اِسے سمجھنے کے لئے کہ اسلام نے بنی نوع انسان کی شعبۂ شہادت میں کس طرح رہنمائی کی۔ نفسِ سیاست کے اِس نشوونما کا جاننا ضروری ہے جو جناب ختمی مرتبت محمدؐ مصطفےٰ کے دنیا میں تشریف لانے اور اسلام کے عروج سے پہلے ہو چکا تھا۔ دراصل انسانی سیاست کے نشوو ارتقار کا سہرا یونانیوں کے سر پر ہے۔ مصر، ایران، بابل، سیریا کی سلطنتیں دنیا میں موجود تھیں۔ مگر علم و حکمت اور سیاست کو سب سے پہلے یونانیوں نے مدوّن کیا۔ یہ یونانی تھے جنہوں نے سیاست کو اخلاقیات سے الگ کر کے ایک جداگانہ فن کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اِس یونانی فن کی وراثت روما کو پہنچی اہل روما فلسفی ہونے کے بجائے عملی انسان تھے۔ اِس لئے اُنہوں نے یونانی نظریاتِ سیاست

کو عملی جامہ پہنایا۔ وہ سیاست کے نظریات کو ذہن نشین کرنے کی بجائے نظام سلطنت کو عملاً رواج دینے میں کامیاب ہو گئے۔ اُن کا شاہکارِ سیاست ایک ایسے قانون کی تدوین تھا۔ جس سے اُن کا نام ہمیشہ دنیا میں مشہور رہے گا۔

قسطنطین کے عیسائی ہو جانے سے سیاست کا بھی رنگ بدلا۔ جب اسلام سرکارِ رسالت کی قیادت میں رونما ہُوا تو انسان سیاسی اعتبار سے قعرِ مذلت میں گر چکا تھا۔ اسلام اپنی انقلابی شان کے ساتھ منصۂ شہود پر آیا۔ اِس نے استبداد اور غلامی کی زنجیریں توڑ کر ایک نظریۂ سیاست دنیا کے سامنے پیش کیا جو نہ محض اُس زمانہ کے استبداد پر خطِ تنسیخ پھیرنے والا تھا۔ بلکہ یونان اور اہل روما کے نظریاتِ سیاست اور نظامِ حکومت پر ایک ضرب کاری تھا ؎

اِس سے بڑھ کر اور کیا علم و عمل کا ارتقاء
بادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمین

اگر وہ نظامِ حکومت دنیا میں نافذ رہتا تو دنیا کو فتنہ و فساد سے پاک رکھنے کا ضامن تھا اور ابدی امن کا کفیل تھا۔ اسلام نے دنیا کو حکومت کے ایک الٰہی نظریہ سے روشناس کرایا یہ قانون کا بلند ترین تصور تھا اور حکومت کی رفیع ترین ہیئت۔ اگر دنیا اِسے اپنا لیتی تو انسانیت آج جن مشکلات میں دم توڑ رہی ہے اور جن برائیوں سے دوچار ہے۔ ہرگز نہ ہوتی۔ اسلامی نظریۂ حکومت سیاسیات، اخلاقیات اور معاشیات کا ایک نفیس ترین مرکب ہے۔ اِس کا بنیادی اصول اللہ کی ولایتِ مطلقہ ہے۔ حکومت کا حق صرف اللہ کو ہے اَلامرُ لِلّٰہ۔ الحکم لِلّٰہ۔ الارض لِلّٰہ وہ دنیا کی حکومت اپنے مخصوص بندوں کے سپرد کرتا ہے جو اُس کے نمائندے اُس کے نقیب اور معصوم ہوں، ہوس پر غالب ہوں اور کسی حرص و ہوا سے مغلوب نہ ہوتے ہوں۔ اِن کی رضا اللہ کی رضا ہو۔ گویا اسلام کے نظریۂ حکومت کو آپ یوں سمجھیئے۔

"GOVERNMENT OF GOD BY THE REPRESENTATIVES OF GOD, FOR THE CREATION OF GOD"

اِسلامی حکومت کیا ہے؟ اللہ کی حکومت، اللہ کی مخلوق پر اللہ کے نمائندوں کے ذریعہ یہی بندے قانون الٰہی کے نافذ ہیں۔ قانون اللہ کا ہے اور اللہ کے سوا قانون وضع کرنے کا کسی کو حق نہیں اور یہ قانون اِسی صورت میں کافی ہے، جبکہ اِس قانون کے مفاہیم وہی معصوم الٰہی نمائندے بتلائیں، اللہ کے قانون کے ترجمان بھی اللہ کے منصوص و معصوم بندے ہی ہو سکتے ہیں، اِس نظریہ کو مسلمانوں نے سرکارِ رسالت کے بعد اپنایا نہیں بلکہ یونان کے سیاسی نظریوں کے گرد طواف کرنے لگے۔ ؎

واے نادانی کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا
مے بھی تو، مینا بھی تو، ساغر بھی تو، محفل بھی تو
شعلہ بن کے پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا تجھے غارت گرِ باطل بھی تو
بے خبر تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے (علامہ اقبال)

ارسطو جو یونانی نظام حکومت کا خالق اور موجودہ نظام ہائے حکومت کا بانی تھا، اُس نے حکومت کو تین اقسام پر تقسیم کیا۔ مسلمانوں نے اُنہیں تینوں قسموں کو وصیت[1]، شوریٰ[2]، اجماع[3] کے اصطلاحی نام دے کر اپنا لیا۔ اور نظام الٰہی تین محوروں پر چلانے لگے۔ لطف یہ تھا کہ یزید اپنے فسق و فجور کے باوجود ہر سہ حیثیتوں سے حکمران تھا۔ باپ کی وصیت[1]، ارباب حل عقد کا شوریٰ[2] اور اجماع[3] العوام کالانعام کی شکل میں یزید (حکومت و خلافت) یعنی حکومت کی ہر سہ اقسام پر قابض اور اُن کا مالک و وارث تھا۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا سیاسی مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں اسلامی نظریہ کا دوبارہ احیاء ہو جائے اور احساس پیدا ہو جائے اور حکومت باطلہ جسے وہ حق سمجھنے لگے تھے اسے حق نہ سمجھیں، حسینؑ نے احساس پیدا کیا، یہ حسینؑ تھے جنہوں نے کہ مرتبہ اسلام کو دوبالا کیا اور جس کے خون سے دنیا میں حق کی روشنی پھیلی۔ حسین علیہ السلام نے حکومتِ باطلہ اور

سلطنت فاسقہ کے داغ کو ملتِ بیضا کی جبین سے اپنے خون کے ساتھ دھو ڈالا۔ اور یہ وہ شاہکار ہے جس کے لئے آج اُن کے پیرو اور غلام اپنے آقا پر جس قدر ناز کریں بجا ہے۔ ؎

اے حسینؑ! اب تک گل افشاں ہے تیری ہمت کا باغ ؛ آندھیوں میں جل رہا ہے آج بھی تیرا چراغ
تُو نے دھو ڈالے جبینِ ملتِ بیضا سے داغ ؛ تیرے دل کے سامنے حیراں ہے باطل کا دماغ

فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہیئے
جس کا تو آقا ہو اُس کو ناز کرنا چاہیئے (جوش ملیح آبادی)۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنی شہادت سے مسلمانوں کو بتلا دیا کہ مسلمانوں کے امور کی باگ ڈور ایسے ہاتھوں میں نہیں ہونا چاہیئے۔ جو شریعت الہٰیہ کو مٹا رہے ہوں اور اپنے اعمال سے ننگِ اسلام ہوں، مسلم اگر صحیح معنوں میں مسلم ہے تو وہ ایسی قیادت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ جو خلافت رسالت کا مصنوعی اور سراب نما لبادہ اوڑھ کر اپنے پنجوں سے انسانیت کو فشار دے رہی ہو۔

امام حسین علیہ السلام کا مقصد ہمیں دعوت عمل دے رہا ہے کہ جس قانونِ شریعت کی صیانت کے لئے شہادت اختیار فرمائی ہم اِس پر عمل کریں اور کسی فاسق و فاجر کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں، خواہ وہ بد عمل ملّاں ہو یا بد عمل حاکم، بے عمل سرمایہ دار ہو یا زشت عمل زمیندار۔

حسینیت زندہ باد ——— یزیدیت مُردہ باد

وآخر دعوانا اَنِ الحمد للّٰہِ ربّ العالمین ؛

وما علینا الا البلاغ المبین

وھو الموفق والمعین

وعلیہ نتوکل وبہٖ نستعین

# قطعۂ تاریخ کتاب ہٰذا

ہوئے کشتۂ جور زہرا کے جانی
کہاں اور کیسے ہوا بند پانی
باندازِ احسن بیاں کر چکی ہے
کتابِ خدا کربلا کی کہانی

۱۳۹۷ھ

از رشحات قلم جناب محترم سید وزیر حسین خیرازی خوشنویس دامت معالیہ

# نظم در مدح مؤلّف

نتیجہ فکر شاعر اہلِ بیت سیّد وزیر حسین شیرازی خوشنویس دامت معالیہ

جنابِ خواجہ محمد لطیف انصاری — کتابیں لکھتے ہیں اب تک بحالِ بیماری

ولائے حیدرؑ انکو ملی ہے گھٹی میں — عدوئے آلِ محمدؐ سے سخت بیزاری

نثار مردِ مجاہد نے شوق سے کردی — ثنائے آلِ محمدؐ میں زندگی ساری

بلا معاوضہ پہنچے جہاں جہاں پہنچے — ہر ایک شئے سے مقدّم رہی عزاداری

فضائل آلِ محمدؐ بیان کرتے رہے — تمام عمر یہی مشغلہ رہا جاری

وہ چلنے پھرنے سے معذور ہیں مگر پھر بھی — نماز پڑھتے ہیں گرچہ ہو سخت دشواری

بحقِ آلِ محمدؐ ہمیشہ شاد رہے — ہیں اس بزرگ کے احسان قوم پر بھاری

ہے خاندانی تعلق اسی گھرانے سے — کہ جس گھرانے کی مشہور ہے وفاداری

محبتِ شہِ مرداں کا یہ ملا انعام — کہ زندگی میں کئی بار کی ہے زواری

ملی ہے حیدرِ کرار سے جو جنّت کی
وزیر جیب میں رہتی ہے اُن کے رہداری